

مقلدین

ائمہ کی عدالت میں

ایوانس محمد یحییٰ گوندوی

وحید پبلیکیشنز

بونڈھیار ضلع ہیراپور۔ یوپی۔

مُطَلِّين
المرئى على عبد الستار

مؤلفہ

ابو اسحاق محمد عیسیٰ گوندلوی

ناشر

وحید پبلیکیشنز

بونڈھیار، ضلع بلرا امپور

(یو۔ پی)

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

مقلدین ائمہ کی عدالت میں

ابوالنس محمد یحیی گوندلوی

جون ۹۸ء

ایک ہزار

Current Price Rs ۵۵۰

S.N. PUBLISHERS

New Delhi ۱۱۰۰۲۰

وحید پبلیکیشنز

نام کتاب

مؤلف

طبع اول

تعداد

قیمت

ناشر

ملنے کا پتہ

الکتاب انٹرنیشنل

جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

6316973, 6925534

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ	نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	تعاریف	۵	۲۰	باب سوم تاریخ تقلید	۱۰۸
۲	ابتدائیہ	۷	۲۱	تابعین کرام کا دور	۱۰۹
۳	باب اول اصول اسلام	۹	۲۲	تابع تابعین کا دور	۱۱۰
۴	تقلید	۱۳	۲۳	ائمہ عظام کا دور	۱۱۱
۵	تعریف تقلید	۱۴	۲۴	چوتھی صدی ہجری	۱۱۲
۶	تقلید اور اتباع میں فرق	۱۷	۲۵	مقلدین کی حلیج	۱۱۴
۷	مقلد اور متبع	۲۰	۲۶	دور صحابہ کا تعلق	۱۱۸
۸	تقلید کے دلائل پر ایک نظر	۲۲	۲۷	کیا تقلید بدعت ہے؟	۱۲۱
۹	مقلدین کے دلائل	۲۳	۲۸	بدعت کیوں رائج ہوتی ہے؟	۱۲۲
۱۰	حدیث سے استدلال	۳۱	۲۹	بدعت کا حکم اور اس سے	
۱۱	تقلید عہد صحابہ میں	۳۷		پہچاؤ۔	۱۲۳
۱۲	باب دوم رد تقلید	۳۹	۳۰	باب چہارم تقلید شخصی	۱۲۵
۱۳	اہل کتاب کی تقلید	۴۱	۳۱	تقلید شخصی کے وجوہی دلائل	۱۲۵
۱۴	تقلید کا رد احادیث سے	۵۳	۳۲	تقلید شخصی کا ایک اور پہلو	۱۳۱
۱۵	تقلید کی تردید آثار صحابہ سے	۵۹	۳۳	ایک اور خام خیالی	۱۳۲
۱۶	تردید تقلید تابعین سے	۶۹	۳۴	تقلید شخصی علماء احناف	۱۳۵
۱۷	رد تقلید ائمہ اربعہ سے	۷۵		کی نظر میں۔	
۱۸	امام شافعی کا اعلان حق	۸۳	۳۵	تقلید شخصی اور اجماع	۱۳۹
۱۹	تقلید اور ائمہ عظام	۸۵	۳۶	انتقال مذہب	۱۴۴

صفحہ	مضامین	نمبر شمار	صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۱۹۵	شیعیّت سے مماثلت	۵۹	۱۴۸	مذہب اربعہ سے خروج	۳۷
۱۹۶	قادیاہی امت سے مماثلت	۶۰	۱۵۰	مقلد مقلی کے بارے حکم	۳۸
۲۰۰	باب ہفتم: حنفی مذہب	۶۱	۱۵۵	باب پنجم: مذاہب اربعہ کی حقیقت	۳۹
۲۰۱	امام احمدؒ کا فیصلہ	۶۲	۱۵۷	شوافع کا قتل عام	۴۰
۲۰۲	قرآن میں تحریف	۶۳	۱۵۹	حنفی مذہب کو ترک کرنا	۴۱
۲۰۳	احناف اور موضوع احادیث	۶۴	۱۶۰	صرف حنفی مسلمان ہیں	۴۲
۲۰۴	سفید جھوٹ	۶۵	۱۶۳	تقلیدی نسبتیں	۴۳
۲۰۶	حنفی مجلس شوریٰ	۶۶	۱۶۵	کیا محدثین اور ائمہ مقلد تھے	۴۴
۲۰۶	تدوین کتب	۶۷	۱۶۸	باب ششم: تقلیدی کرشمے	۴۵
۲۰۸	سند کا مقام	۶۸	۱۶۸	تعصب	۴۶
۲۰۹	فقہ حنفی سے فتویٰ دینا حرام ہے۔	۶۹	۱۷۱	مخالفین سے غناہ	۴۷
۲۰۹	امام ابو حنیفہ کی برأت	۷۰	۱۷۲	الحدیث سے دشمنی میں انتہا	۴۸
۲۱۰	مسائل حنفیہ	۷۱	۱۷۵	تحریف دین کے اسباب	۴۹
۲۲۱	حنفی نماز	۷۲	۱۷۹	حدیث سے گلو خلاصی	۵۰
۲۲۲	حنفی ہونے پر مذمت	۷۳	۱۷۹	اصول فقہ	۵۱
			۱۸۰	حدیث پر عمل کرنا گمراہی ہے	۵۲
			۱۸۳	قیاس کی وجہ سے احادیث کا رد	۵۳
			۱۸۵	ابو ہریرہؓ فقہ تھے۔	۵۴
			۱۸۷	تقلید کی وجہ سے احادیث کا رد	۵۵
			۱۹۱	قرآن کے ظاہر پر عمل کرنا کفر ہے	۵۶
			۱۹۳	اہل کتاب والادعوائے	۵۷
			۱۹۴	چھوٹے میاں سبحان اللہ	۵۸

تقدیم: اُستاد العلماء مولانا محمد داؤد علوی

سابق صدر المدین دار الحدیث محمدیہ حافظ آباد (گوجرانوالہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کتاب ”مقلدینِ آئمہ کی عدالت میں“ تصنیف مولانا محمد یحییٰ گوندلوی کا میں نے بعض مقامات سے مطالعہ کیا۔ مؤلف نے تقلید کی تردید محققانہ انداز میں کی ہے اور مسک اہل حدیث کو بڑے اچھے طریقہ سے واضح کیا ہے۔ اہل علم اور عوام دونوں کے لیے یہ کتاب یکساں مفید ہے۔ مولانا دین پسند، نیک سیر، باخلاق، صاحب کردار اور علم دوست ہیں قرآن و حدیث میں تقلید کا لفظ بطور اطاعت اور فرمانبرداری کے استعمال نہیں ہوا۔ ایسے لیے تو مقلدین کے پاس کوئی دلیل نہیں جس سے معلوم ہو سکے کہ تقلید واجب ہے یا فرض تقلید چوتھی صدی میں رائج ہوئی اور اس سے اسلام کو بہت سے نقصانات اٹھانا پڑے۔ قرآن و حدیث پر اقوالِ آئمہ کو مقدم سمجھا گیا اور یہی نہیں یہاں تک ممکن ہو سکا احادیث کے وضع کرنے سے بھی گریز نہ کیا اور اس کے ساتھ ہی صحابہ کرام میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انسؓ وغیرہ صحابہ کو غیر فقیہ کے ترازو میں تولایا گیا۔

تمام اکابر علماء و محدثین خصوصاً آئمہ صحاحِ ربیعہ کو مقلد بنانے کی غلط روش اختیار کی گئی۔ جب مقلدین تعصب پر اترے تو اخاف نے شوافع اور شوافع نے اخاف پر کفر کے فتوے چسپاں کیے اور بیت اللہ میں چار مصلے قائم کر دیے۔

المختصر مولانا نے تقلید کے تمام پہلوؤں پر قلم اٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی محنت کو قبول فرمائے۔ آمین

تصدیقِ محقق مسلک اہلحدیث مولانا حسن محمد

خطیب و مدرس جامع محمدی اہلحدیث نوکھر
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد فاضل جلیل مولانا محمد سیّد گوندلوی کی زیر نظر تالیف
”مقلدینِ ائمہ کی عدالت میں“ جس عمدگی سے مرتب ہوئی ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔ بندہ نے
جس زاویہ سے بھی اس گوہرِ تحقیق کو دیکھا حق تا ہی ثابت ہوا۔ انصاف پسند طبائع متاثر ہوئے
بغیر نہیں رہ سکتیں۔

مصنف کتاب نے یہ باور کرانے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ تقلید ہی کتاب و سنت
کی مخالفت میں اصل وجہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تقلید کی آفت نے چوتھی صدی کے بعد
مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔ امت کو چار فرقوں میں تقسیم کر دیا اور
جب اختلاف کی نوعیت شدید ہوئی تو ایک دوسرے کے پیچھے ناز ادا کرنا جرم خیال کیا جانے
لگا۔ نویں صدی میں بیت اللہ شریف میں چار مصلوں کی بدعت کا آغاز کیا گیا اور واخذ و من
مقام ابراہیم مصلے کے مبارک اتحاد کو تقلیدی مذاہب نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ خدا ہی سہو
کی قبر کو متور فرمائے جس نے کمال ایمان کا مظاہرہ کر کے اس بدعتِ قیجہ کو ختم کیا۔
الغرض فاضل مصنف نے سنتِ رسول کی مکمل مدافعت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان
کی یہ سعی جمیل قبول و منظور فرمائے۔ آمین۔ ۳ مئی ۱۹۸۲ء

تقریظ

وہ حضرات جو تقلید کے بندھنوں سے آزاد ہو کر کتاب و سنت کی مقرر کردہ
راہ پر چلنے کے متمنی ہوں ان کے لیے یہ کتاب ”مقلدینِ ائمہ کی عدالت میں“ گراں بہا
خزانہ ہے۔

مولانا عطاء اللہ محمدی، مولانا محمد شریف سلفی گوجرانوالہ، مولانا قاری عصمت اللہ تلمیذ
مولانا عبدالرحمن ندیری، حافظ عبدالشکور مدرس جامعہ اہلحدیث گوندلوالہ، حکیم رشید احمد، صاحب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ابتدائیہ

الحمد للہ والصلوة علی رسول اللہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، آمین!

برادران اسلام! اس دور میں امت مسلمہ کو جن مصائب کا سامنا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اگر ایک طرف اغیار اسلام کے نورانی چہرہ کو بدنام کرنے میں مصروف ہیں تو دوسری طرف مدعیان اسلام آپس کی نا اتفاقی کا شکار ہو رہے ہیں۔ آئے دن مذہبی فسادات اور جھگڑے کھڑے کیے جاتے ہیں۔

ان حالات میں عوام و خواص پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہ کریں جس سے امت کا شیرازہ بکھر جائے۔

لیکن مقام خدا نوس ہے کہ آئے دن اتحاد و اتفاق میں رخنہ ڈالنے کے لیے نئے سے نئے شوشے چھوڑے جلتے ہیں۔ اختلاف ڈالنے کے سلسلے میں مقلدین حضرت کی طرف سے مسلک حقہ اہل حدیث پر یغوار کا تانا باندھا رہتا ہے اور مسلک اہل حدیث کو آئے دن غلط اور بے بنیاد الزامات دیئے جاتے ہیں۔

مسئلہ تقلید اہل حدیث اور اہل تقلید کے درمیان ایک اصولی حیثیت رکھتا ہے اسی لیے اکثر طور پر اسی مسئلہ کو بنیاد بنا کر اہل حدیث پر سب و شتم کی بوچھاڑ کی جاتی ہے نئے سے نئے رسائل اور کتب شائع کی جاتی ہیں جو تحقیق و تخص کے بجائے محض لعن طعن کے انداز پر لکھی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ مقلدین کے پاس دلیل نہ ہونے کی بنا پر کتاب و سنت کی توہین و تذلیل کا بھی ذرہ بھر خیال نہیں رکھا جاتا اور بر ملا یہ فتوے دیا جاتا ہے کہ عوام کا براہ راست کتاب و سنت پر عمل کرنا گمراہی اور انفرافری کا باعث ہے۔

ان حالات میں بندہ سے متبع اہل حدیث محمدیؐ لب خال صاحب غوری (پنڈی بھٹیا) نے بار بار تضرعات کیا کہ کتاب و سنت کے بارے میں ان حضرات نے جو شکوک و شبہات پیدا کئے ہیں، ان کا ازالہ تحقیق کی روشنی میں کیا جائے۔ لہٰذا بندہ نے محض اللہ تعالیٰ

کی توفیق سے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور کم مائیگی کے باوجود اس کام کو سرانجام دیا جس کا مقصد
رضائے الہی کا حصول اور کتاب و سنت کی مدافعت کرنا ہے۔ اور اس کاوش کا عنوان
”مقلدین آئمہ کی عدالت میں“ تجویز کیا ہے۔

تمام کتاب میں قرآن و حدیث کے ساتھ آئمہ اربعہ اور مشاہیر علماء احناف کے
اقوال کو پیش کیا ہے تاکہ قارئین حضرات اس مسئلہ سے کما حقہ، روشناس ہو سکیں۔ ہم نے
کتاب کو سات ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ باب اول میں اصول اسلام ذکر کیے ہیں اور آخری
باب میں حنفی مذہب کے خدوخال ظاہر کیے ہیں۔

آخر میں میں اگر بقیۃ السلف مولانا حافظ عبدالرزاق صاحب منڈی چوہدری کاہنہ اور مولانا
مولانا قاضی عبدالرشید صاحب آف جہن کا ذکر نہ کروں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت
میں مقدور بھر کوشش کی، تو یہ نا انصافی ہوگی۔

الراقم
محمد یحییٰ بن محمد یعقوب گوندلوی

فاضل عربی

فاضل جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ و ادارہ علوم اشریہ فیصل آباد
مدرس دارالحیثیت محمدیہ حافظ آباد و خطیب جامع مسجد الحمدیہ ٹھیکیداران
گوندلانووالہ

ضلع گوجرانوالہ

باب اول اصول اسلام

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه ومن اهتدى بهداه : اما بعد فقد قال الله تعالى
اليوم اكملت لكم دينكم واتممت تفضلي عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام
دينا۔

اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری اور کامل دین ہے۔ اس کی تکمیل آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوئی۔ یہ دین تمام کائنات کے لیے ہے۔ اسی بنا پر اس کے اصول بھی ابدی اور عام فہم ہیں چنانچہ جیسے علماء نے استفادہ کرنا ہے اسی طرح عوام نے بھی اسے روح ایمان بنانا ہے اس میں عام و خواص کے عمل کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ اولین جن حضرات نے اس دین کو قبول کیا وہ ایسے مطیع اور فرماں بردار تھے کہ ان میں نافرمانی کی معمولی سی جھلک بھی دکھائی نہیں دیتی کیونکہ انہی حضرات نے آگے چل کر پوری کائنات کو اس دین اسلام کا پیغام پہنچانا اور وہ اس دینا تھا۔

اسلام کا عملی نمونہ جو اس دور میں نظر آیا وہ بعد میں کبھی ہوا نہ ہوگا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان مقدس صحابہ کی جماعت کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کبھی شبہ نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنا ہر فیصلہ بلکہ ہر قول و فعل کتاب و سنت کے مطابق ڈھالنا جانتے تھے۔ انسان مختلف اشیاء سے مرکب ہے اس لیے اس میں اختلاف رائے ضروری امر ہے۔ صحابہ کرام بھی بشر تھے جب کبھی ان میں اختلاف ہو جاتا تو وہ اس اختلاف کو صرف اور صرف کتاب و سنت کے ذریعے رفع کر لیتے تھے۔

صحابہ کرام کے بعد تابعین کا دور آیا۔ اس مبارک دور میں احادیث رسول کے اہتمام کے خصوصی انتظام کیے گئے۔ تابعین نے صحابہ کرام کے پاس پہنچ کر کتاب و سنت کے علم سے سینوں

کو منور کیا اور اپنی علیٰ زندگی کو صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلانے کے لیے پوری طرح کو شال رہے وہ کتاب وسنت کے مقابل کسی ایک کی رائے کو دین میں بدعت تصور کرتے تھے۔ لہذا اختلاف کے وقت صحابہ کرام کی طرح کتاب وسنت کی طرف رجوع کرتے تھے اگر وہاں مسئلہ حل نہ ہوتا تو آثار صحابہ پر عمل کرتے۔

اس مبارک دور کے بعد اہل الرائے والقیاس اور عامل بالحدیث سے ملاحظہ دور نظر آتا ہے۔ فقہا کرام حالات کے مطابق پیش آمدہ مسائل سے نمٹنے کے لیے اجتہاد سے کام لیتے ہیں اور کتاب وسنت کے مطابق ان مسائل کو حل کرنے کی سعی و کوشش کرتے ہیں۔

بعد والوں نے مسائل اسلام کو سمجھنے کے لیے مختلف اصول وضع کیے جس سے ان کا مقصد ان مسائل میں اجتہاد کرنا تھا جو مرد زمانہ کے ساتھ ساتھ پیدا ہو رہے تھے اور وہ چار اصول تھے۔

کتاب اللہ — سنت رسول — اجار امت — اور قیاس
۱۔ القرآن الحکیم:

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم ازل سے آخر تک تمام کا تمام من جانب اللہ ہے اس میں غلطی کا احتمال نہ کبھی ہوا نہ ہو گا۔ ذلک الکتاب لاریب فیہ۔ اس کے جملہ احکام واجب العمل اور جملہ نواہی واجب الترك ہیں جو قرآن کریم کی کسی ایک آیت کا منکر ہو وہ بالاتفاق دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

آج کل قرآن کے ظاہری مفہوم کو چھوڑ کر باطنی معانی اور مفہوم کو اپنا یا جا رہا ہے جو ملاحظہ اور بے دین لوگوں کا قبیح فعل اور قرآن کے متعلق گھناؤنی سازش ہے۔ قرآن کو ہر حالت میں اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے گا اور ان معانی پر عمل کیا جائے گا جو نزول قرآن کے وقت اصل لغت اور عام بول چال میں متعلق تھے۔

قرآن کریم کے بعض وہ مقامات جو تشابہات سے ہیں ان کے مطالب اور مفہوم وہی مقبرہوں کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان فرمائے ہیں۔ اسلامی احکام اور عقائد کو معلوم کرنے کے لیے سب سے پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

۲۔ حدیث تشریف

حدیث سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقاریر ہیں۔ قرآن کریم کے بعد حدیث کا مقام ہے۔ جیسے منکر قرآن کا اسلام میں کوئی حقہ نہیں اسی طرح منکر حدیث کا بھی اسلام میں کوئی دخل نہیں۔ حدیث پر عمل کرنے کے لیے اس کی صحت معلوم ہونی چاہیے اور یہ اس دور میں کوئی مشکل بات نہیں اس کے لیے محدثین نے اصول وضع کر دیئے ہیں جو صحت و سقم میں حتمت آفرین ہیں۔ جب صحیح حدیث کا علم ہو جائے تو پھر اس میں کوئی پس و پیش جائز نہیں۔ ضعیف حدیث کو صحیح کے مقابلہ میں چھوڑنا واجب ہے کیونکہ صحیح محدث کے ہاتھ میں یقین ہوتا ہے کہ یہ حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ جب کہ ضعیف میں یہ بات مشکوک یا مفقود ہوتی ہے۔

محدثین نے احادیث کے صحیح اور ضعیف ہونے کا کام مکمل کر دیا ہے اور ان درجوں اور مرتبوں کو واضح کر دیا ہے جو حدیث رسول پر عمل کرنے کے لیے معیار ہیں۔ پوری امت کا اجماع ہے کہ بخاری و مسلم کی جملہ احادیث صحیح ہیں اور ان دونوں کتابوں میں کوئی حدیث ضعیف یا ناقابل عمل نہیں ہے بشرطیکہ منسوخ نہ ہو۔

آثار صحابہ کرام

حدیث پر عمل کے ضمن میں صحابہ کرام کے آثار و اقوال بھی اُمت کے لیے مثل راہ ہیں جب کوئی مسئلہ کتاب اللہ، حدیث رسول دونوں سے حل نہ ہو تو پھر صحابہ کرام کے عمل کی اتباع ضروری ہو جائے گی اور اس اتباع کا حکم خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔

علیکم بسنتی و سنت الخلفاء الراشدين المہدیین (ترمذی ص ۹۲)

تم پر میری اور خلفاء راشدین (جو ہدایت دے رہے ہیں) کی سنت واجب ہے۔

۳۔ اجماع اُمت

اجماع کے تحت ہونے میں اختلاف ہے کہ اجماع کب درست اور کب قابل حجت یا دلیل ہوگا؟ چہر علماء اس کی حجت کے قائل ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

لا تجتمع امتی علی ضلالة۔

میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔

لیکن اجماع کا تعین بہت مشکل ہے۔ اسی بنا پر امام احمد فرماتے ہیں :

من ادعی الاجماع فهو کاذبؑؑ

اجماع کا دعوے کرنے والا کاذب ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں۔

ما لا یعلم فیہ خلاف فلیس اجماعاًؑؑ

جس مسئلہ میں اختلاف کا علم نہ ہو تو اس میں اجماع نہیں ہو سکتا۔

دونوں آئمہ اجماع کے اس شرط کے ساتھ قائل ہیں کہ پہلے عالم اسلام کے علماء کا اتفاق اور

اختلاف معلوم ہو اور بعد میں اتفاق واقع ہو تو وہ اجماع قابل حجت اور دلیل ہوگا۔ پھر اجماع

بھی جبری ہو نا چاہیئے مری نہیں۔ کیونکہ سری اجماع میں اختلاف کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی

کسی ایک علاقے یا شہر کا اجماع تمام عالم اسلام کے لیے حجت نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ امت کا ایک

جزو ہیں۔ اور جزو تمام امت کے لیے حجت نہیں ہو سکتا۔

ہاں اس بات میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اجماع صحابہ حجت اور واجب العمل ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

قیاس :

سلف صالحین میں قیاس کے حجت ہونے کے بارے میں کچھ زیادہ ہی اختلاف تھا۔ صحابہ

کرام اور تابعین عظام قیاس کو شرعی دلیل نہیں بناتے تھے۔ ہاں جب کسی مسئلہ میں کوئی دلیل نہ

ملتی تو پھر وہ قیاس کو اس اعتبار سے قابل عمل سمجھتے کہ جیسے کسی مجبور کے لیے مردہ کو حلال سمجھا

جاتا ہے اور سوال کرنے والے پر واضح کر دیتے کہ یہ فتویٰ قیاسی ہے۔ تمہارے لیے اس

فتویٰ پر عمل کرنا ضروری نہیں۔

بعد کے فقہانے قیاس کو شرعی دلائل میں شمار کیا اور ساتھ ہی فقہہ اور غیر فقہہ کی

اصطلاح بھی وضع کر ڈالی۔ صحابہ کرام کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ جس کو چاہا فقیہہ مان لیا اور جس کو چاہا بغیر دلیل کے غیر فقیہہ کہہ دیا۔ پھر قیاس میں اس قدر غلو سے کام لیا کہ غیر فقیہہ صحابہ کی احادیث کو محض اس لیے رد کر دیا کہ وہ ان کے قیاس کے خلاف تھیں۔ اگرچہ صحت کے انتہائی درجہ کو پہنچتی تھیں۔

اجتہاد

یہ اصول اس لیے وضع کئے گئے تھے تاکہ عند الضرورت دلائل سے استنباط کر کے پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کیا جاسکے اور اسلام زندگی کے ہر شعبے کے لیے مکمل ضابطہ اور قانون ثابت ہو نیز اجتہاد کسی ایک زمانہ کے ساتھ خاص نہ ہو بلکہ قیامت تک جاری رہے۔

تقلید

قیاس میں غلو کرنے والوں اور اجتہاد کے دروازے کو بند کرنے والوں نے دلائل شرعیہ کو ترک کر کے اُمت کے لیے ایک نئی راہ نکالی جس سے علم کو محدود اور محصور کرنا مقصود تھا مگر امت پر ائمہ اربعہ کی تقلید واجب ہو جائے حالانکہ اصولی اربعہ میں تقلید کا نام و نشان نہیں اور نہ ہی اسلام نے کسی کو مقلد بننے کا مکلف بنایا ہے۔

اسلام نے تو کتاب و سنت کی اتباع کا حکم دیا اور عبودیت و تقلید کو ختم کرنے کے لیے اجتہاد کو لازمی قرار دیا ہے لیکن ان حضرات نے کمال متناقض سے اجتہاد کو بند کر دیا اور تقلید کو فرض قرار دے دیا۔ حالانکہ قرآن و حدیث اور ائمہ اربعہ کے اقوال میں کہیں تقلید کا حکم نہیں، ہم قارئین کرام کے سامنے تقلید کی حقیقت و ماہیت بیان کرنا چاہتے ہیں۔

وَالْحَقُّ التَّوْفِیْقُ ۝

تعریف تقلید

اس سے پہلے کہ ہم تقلید کے جواز اور عدم جواز پر بحث کریں، تقلید کی تعریف کو واضح کر دینا بہت مناسب سمجھتے ہیں۔

لغوی تعریف لغت میں تقلید کا معنی لگے میں کسی چیز کا شکا نا ہے لیکن جب اس کا صلہ لفظ دین کے ساتھ آئے یا دین کے مفہوم میں ہو تو اس وقت اس کا معنی کسی بات کو بغیر دلیل اور غور و فکر کے قبول کرنا ہے۔ صاحب المنجد لکھتا ہے:

قلدہ فی کذا ای تبعہ امن غیر تامل ولا نظر

تقلید ایسی پیروی کا نام ہے جو غور و غوض سے خالی ہو۔ صاحب مصباح لکھتے ہیں:

نفرانوں کی سینہ بسینہ باتوں کو تقلید کہا جاتا ہے۔ بلکہ

اس تعریف سے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ تقلید کا تعلق دلیل سے نہیں بلکہ سینہ گزٹ باتوں سے ہے۔ صاحب مصباح نے جو دیوبند کے فارغ اور حنفی مذہب کے پیرو ہیں، اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ مقلدہ نصوص سے عادی اور سینہ گزٹ کا متبع ہوتا ہے جیسا کہ عیسائیوں کے پاس سولے صدی باتوں کے اور کچھ نہیں۔ اسی طرح مقلدین کے پاس دلائل سے ہٹ کر صرف تیناس اور رائے ہوتی ہے۔

اصطلاحی تعریف علماء اصول کی اصطلاح میں تقلید کی تعریف یوں ہے:

العمل بقول الغير بلا حجتا تہ "تقلید ایسے عمل کا نام ہے جو کسی

کی بات پر بغیر دلیل کے کیا جائے۔"

علامہ حسین احمد انخطیب مسری تقلید کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"دلیل کے بغیر کسی قول کو تسلیم کیا جائے اور دوسرے کے مسلک کو اس کی دلیل معلوم کیے بغیر اختیار کیا جائے۔"

بعض نے تقلید کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے :
 اخذ قول الغير من غير معرفة ودليلة .
 بغیر دلیل کے کسی کی بات پر عمل کرنا تقلید ہے ۔
 بعض نے تعریف کرتے ہوئے یہ قید بھی لگائی ہے کہ مقلد دلیل معلوم کرنے کا تکلف نہیں ۔
 اما المقلد مستند قول مجتهدہ - لا ظنہ ولا ظنہ
 مقلد کی دلیل صرف اس کے امام کا قول ہے ۔ نہ تو وہ خود تحقیق کر سکتا ہے ، نہ اپنے
 امام کی تحقیق پر نظر ڈال سکتا ہے ۔

علامہ حسن شرنبلالی حقیقت تقلید کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔
 العمل بقول من ليس قوله احدكم الحجج الاربعه الشرعيه بلا حجة
 نليس المرجوع الى النبي صلى الله عليه وسلم والاجماع من التقليد لان
 كلامها حجة شرعية من الحجج الشرعية وعلى هذا اقتصد الكمال
 في تحريره وقال ابن امير الحاج وعلى هذا عمل العاقل بقول المفتي و
 عمل القاضي بقول العدول لان كلامها وان لم يكن احدي الحجج نليس
 العمل به بلا حجة شرعية لاجاب النظم اخذ العاقل بقول المفتي
 واخذ القاضي بقول العدول ۔

تقلید کا اصل ایسے شخص کی بات پر عمل کرنا جس کا قول چاروں شرعی مجتہدوں (کتاب و
 سنت ، اجتہاد اور قیاس) پر مبنی نہ ہو ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حدیث)
 اور اجماع کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ہے ۔ اس لیے کہ یہ دونوں حجت شرعیہ
 میں سے ہیں ۔ علامہ کمال نے اپنی کتاب ”تحریر“ میں اور ابن امیر الحاج نے فرمایا
 کہ جاہل کا مفتی کے قول اور قاضی کا ثقہ کے قول پر عمل کرنا تقلید نہیں کیونکہ اگر یہ شرعی
 حجت سے نہ ہو تو ان پر عمل کرنا درست نہیں ۔

اس کے ہم معنی التعریف تاضی شوکانی نے کی ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

هو العمل بقول الغير من غير حجة فيخرج العمل بقول رسول الله
عليه وسلم والعمل بالاجماع ورجوع العاقل الى المقتضى ورجوع القاصي
الى شهادة العدول فانها قد قامت الحجة في ذلك. ۱۔
حدیث اور اجماع پر عمل کرنا تقلید نہیں۔ اسی طرح عامی کا مقتی کی طرف رجوع
کرنا اور قاصی کا عادل گواہ کی طرف رجوع کرنا یہ بھی تقلید نہیں کیونکہ اس پر دلیل
تمام ہو چکی ہے۔

اس جامع تعریف میں ملاحسن و متوکالی نے کیسے واضح الفاظ میں تقلید کے مفہوم کو بیان فرمایا
ہے کہ تقلید کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ اس کو شرعی حجت سے خارج سمجھا جائے۔ شرعی حجت چونکہ
منصوص ہوتی ہے اور تقلید میں نص اور دلیل سرے سے موجود نہیں ہوتی۔ اسلام میں جو چیز بغیر
دلیل کے ہے وہ یقیناً گمراہی ہے۔

أدب اور لغت کے مستم امام علامہ زعفرانی فرماتے ہیں۔
ان كان للضلال ام فالنقل يدان
اگر گمراہی کی کوئی بڑ ہے تو وہ یقیناً تقلید ہے۔

فاهرب عن التقليد فهو ضلالة
ان المقلد في سبيل الهالك

”تقلید سے دور بھاگو کیونکہ یہ گمراہی ہے اور جو مقلد ہے وہ ہلاکت کے رستے
پر گامزن ہے۔“

مذکورہ بالا عبارات سے اس بات میں ذرہ بھر شک نہیں کہ مقلد کے پاس تقلید کرنے کی کوئی
دلیل نہیں ہوتی۔ اسی لیے تو علماء نے مقلد کے لیے جہالت جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں اور بالکل
حقیقت ہے کہ مقلد نے کبھی دلیل کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی اور تقلید کی تعریف سے
بھی ثابت ہے کہ اس سے سوائے گمراہی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ حدی فرماتے ہیں ۵
عبارت بتقلید گمراہی است ۶ جنک رہرے را کہ آگاہی است

تقلید اور اتباع میں فرق

مذکورہ بالا سطور میں تقلید کے معنی واضح ہو گئے ہیں۔ اب اتباع اور تقلید کے فرق کو بھی سمجھ لینا ضروری ہے۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ تقلید بغیر دلیل کے ہوتی ہے لیکن اتباع باریں ہوتی ہے۔ اسی لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر تقلید کا لفظ صادر نہیں ہوتا۔ امام ابن قیم ابن خواص کے حوالے سے فرماتے ہیں :

التقليد معناه في الشروع الرجوع الى قول لاجته، لقائله عليه، وذلك

ممنوع في الشرعية والاتباع ما ثبت عليه حجة۔

تقلید بغیر دلیل کہہ ہوتی ہے اور اتباع باریں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں :

كل من ادبب الدليل عليك اتباع قوله، فانت متبعه۔ والاتباع

في الدين مسوغ۔ والتقليد ممنوع۔

ہر وہ چیز جس پر دلیل قائم ہو وہ اتباع ہے۔ اتباع دین میں جائز ہے اور تقلید

منع ہے۔ اسی کے ہم معنی الفاظ مشہور حنفی عالم مولانا رفیع حسن سے منقول ہیں

اطاعت تقلید کے معنی سے عام ہے کہ خداوند قدس اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

کو تقلید نہیں کہا گیا۔ نیز مجتہد کا قول فی نفسہ حجت (دلیل) نہیں اور خداوند عالم

اور سرور عالم کا قول فی نفسہ حجت شرعیہ ہے۔

ان الفاظ سے اتباع اور تقلید کا فرق واضح ہو گیا ہے کہ تقلید اور اتباع دو مستفاد چیزیں ہیں۔

اتباع اللہ اور اس کے رسول کی ان براہین اور دلائل سے ہے۔ جس کا نام اللہ تعالیٰ نے علم

رکھا ہے۔

۱۔ بَقِيَ مَا بَيْنَكَ مِنْ بَعْدِ مَا بَاءَتْكَ مِنَ الْعِلْمِ۔ (ال عمران ۴۷)

۲۔ فَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ اَوْثَرُوا الْكِتَابَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا بَاءَتْهُمْ الْعِلْمِ۔

۳۔ وَعَلَّمَكَ بِالْمَنْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ (النساء ۱۱۳)

ان آیات سے واضح ہے کہ برآپ کی طرف وحی ہوتی تھی وہ علم ہے اور اس بات پر اجماع امت ہے کہ احادیث رسول بھی قرآن کی طرح علم ہے۔ کیونکہ یہ بھی وحی کے ذریعے سے ہے۔ **وَمَا يُلْقِيكَ إِلَّا هُوَ إِلَّا وَهِيَ يُوحِي عِلْمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ**۔ اس طرح حدیث میں ہے: **إِلَّا إِنْ أَدْبَيْتَ الْقُرْآنَ وَامْتَلَأَ مَعَهُ**۔ (ابن ماجہ) کہ مجھے قرآن کے ساتھ حدیث بھی دی گئی ہے۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ **العلم ما قال الله وقال رسول الله وما سوا ذلك فهو وسواس الشيطان**۔ علم وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے فرامین ہوں۔ اس کے علاوہ سب شیطانی خیالات ہیں۔ (قصیدہ نونیہ) مشہور عرب شاعر بخاری نے علم اور تقلید کے فرق کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

عرف العالمون فضلاب بالعلم سم وقال العیہال بالتقلید

علماء نے تیری فضیلت علم سے پہچانی ہے اور عیالوں نے تقلید سے اتباع اور تقلید میں فرق اس اعتبار سے بھی ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات تمام نقائص سے پاک ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی معصوم عن الخطا ہیں۔ لیکن ہم کسی امام کے بارے میں یہ کہنے کی ہرأت نہیں کر سکتے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح معصوم ہے کیونکہ کسی امتی کی نسبت یہ دعویٰ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی عصمت کا ذمہ لیا ہو۔ بلکہ آخر میں خطا کا امتحان صواب سے زیادہ ہے۔ اس کا اقرار علامہ شبلی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

”یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم امام ابوحنیفہؒ کی نسبت عام دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے مسائل صحیح اور یقین میں ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ مجتہد تھے، پیغمبر نہ تھے۔ اس لیے ان کے مسائل میں غلطی کا ہونا ممکن ہے۔ نہ صرف امکان بلکہ وقوع کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔“

انہی الفاظ کی ترجمانی مولانا تقی عثمانی نے کی ہے:

”آئمہ مجتہدین کے بارے میں یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ نماز اللہ شارب ہیں یا وہ معصوم اور انبیاء کی طرح خطاؤں سے پاک ہیں۔“ (یہ مجہود ہے جس کی اجازت نہیں)

امام احمد بن حنبلؒ نے اتباع کی تعریف میں اقوال صحابہ کا بھی اضافہ فرمایا ہے :

”الاتباع ان يتبعوا رسول الله صلى الله عليه وسلم وعن الصحابة ثم همون

بعدي التابعين وغيره“ ۱

”اتباع صرف رسول اللہ اور صحابہ کرام کی ہے اس کے بعد تابعین میں اختیار ہے“

امام احمد نے اتباع کو رسول اکرم اور صحابہ کرام کے ساتھ خاص کیا۔ اس کے بعد والوں کی اتباع نہیں ہو سکتی بلکہ صرف تقلید ہے کیونکہ اس پر کوئی دلیل نہیں۔ یہی تعریف امام اذہبی سے منقول ہے :

”كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان مبلغاً عن الله تعالى وقال أيضاً

العلم ما جاء اصحاب فجدد وما سجد بجدد عن اصحاب بعد تدليس بعلم من

رسول اکرم کا ارشاد دراصل پیغام الہی ہے۔ علم صرف انہی باتوں کا نام ہے جو صحابہ کرام

سے موصول ہوں اور جن باتوں کی اصل ان سے منقول نہ ہو وہ ہرگز علم نہیں۔“

اہل زبان کے ہاں یہ چیز تو معروف ہے کہ اتباع کا تعلق دلیل سے ہوتا ہے۔ کتاب وصنت سے
 بڑھ کر اور کیا بڑی دلیل ہو سکتی ہے جس کے انکار کرنے پر کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا۔ لیکن کوئی شخص
 ایسا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ آئمہ اربعہ سے کسی ایک کے قول کو نہ مانا جائے یا دو تین کے اقوال کو تسلیم نہ
 کیا جائے یا پھر کسی ایک امام کے ذاتی قول کو قبول اور اس پر عمل نہ کیا جائے تو وہ شخص دائرہ اسلام
 سے خارج ہے۔ ایسا شرف صرف کتاب وصنت کو حاصل ہے۔ ہاں، صحابہ کرام کے آثار وصنت مکمل
 کے بعد واجب العمل ہیں اس لیے کہ انہوں نے دجی کا مشاہدہ کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی
 صحبت میں ایک عرصہ تک رہے۔ آپ کے اقوال وافعال کو براہ راست دیکھا اور خود آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کے سامنے ایسے کام کیے جو بعد میں مستقل سنت کی حیثیت اختیار کر گئے اور یہ تمام امور دلیل
 سے تعلق رکھتے ہیں۔ ابن القیم اس تقلید اور اتباع کے فرق کو ان دو شعروں میں واضح کرتے ہیں۔

العبء معرفة الهدى بذليله ما ذللت والتقليد يستقران

اذ اجتمع العلماء ان مقلدا للناس كالا على هما اخوان ۲

علم معرفت بالذیل کا نام ہے۔ تقلید اس کے مساوی اور مترادف نہیں ہو سکتی۔ علماء کا اجماع ہے کہ تقلید

۱۔ اعلام الموقعین ۱۳۹، ۲۔ المختصر المجلد مع ترجمہ مختصر الملک ۲، ۳۔ القیود الزمیر ۴

ناہنیا میں کے مترادف ہے۔

مقلد اور متبع

اتباع اور تقلید میں یہ فرق واضح ہو گیا کہ اتباع باویل اور تقلید بغیر دلیل کے ہوتی ہے۔ جیسا کہ اتباع دلیل اور علم کے ساتھ اور تقلید جہالت کے ساتھ خاص ہے۔ اسی طرح متبع عالم اور مقلد جاہل ہوتا ہے۔ اس فرق میں تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ حافظ العزب ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

اجمع الناس على ان المتقلد ليس معدوداً من اهل العلم وان العلم معرفة الحق بدليله۔ تمام کا اجماع ہے کہ مقلد عالم نہیں ہوتا کیونکہ علم حق کو دلیل سے جاننے کا نام ہے۔

امام ابن القیم ابن عبدالبر کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

هكذا كما قال ابو عمر فان الناس لا يختلفون ان العلم هو المعرفة المحاصلة عن الدليل واما بدون الدليل فاما هو تقليد كالبات ایسے ہی ہے جیسا کہ امام ابو عمرو نے فرمایا کہ لوگوں کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ علم دلیل سے حاصل ہوتا ہے اور جو دلیل کے بغیر ہو، تقلید ہے۔

چند سطور بعد فرماتے ہیں:

قد تضمن هذان للاصماعان اخراج المتعصب بالهوى والمقلد الاعشى عن زمر العلماء له مقلد اور متعصب کو علماء کے زمر سے خارج سمجھنا چاہیے۔

جمہور شافعیہ کے نزدیک مقلد کی تعریف:

ولا خلاف بين الناس ان التقليد ليس بعلم ان المقلد لا يطلق عليه اسم عالم وهذا قول اكثر الاصحاب وقول جمهور الشافعية له اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ تقلید علم نہیں اور مقلد پر عالم کے لفظ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اکثر اصحاب اور جمہور شافعیہ کا یہی قول ہے۔

مشہور حنفی محدث امام طحاوی اور علی بن حسین جو مصر میں ۲۹۳ھ میں قاضی مقرر ہوئے تھے۔ ایک دفعہ یہ فرمایا :

”تقلید وہی کہ تہ ہے جو متعصب ہو یا بے وقوف“

یہ الفاظ اس قدر لوگوں کے در ذہان ہو گئے تھے کہ وہ مصر میں ضرب المثل بن گئے۔ لہذا مذکورہ تصریحات سے معلوم ہو گیا ہے کہ مقلد کا شمار اہل علم سے نہیں ہوتا۔ اس لیے جو مجتہد کے لیے تقلید جائز نہیں کیونکہ اجتہاد کے لیے علم کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مجتہد کے بارے میں فرماتے ہیں :

”ابن حزم کا یہ قول کہ تقلید حرام ہے۔ صرف تین قسم کے لوگوں پر صادق آتا ہے: اولیٰ

جس کو تھوڑا بہت اجتہاد کا ملکہ حاصل ہو خواہ ایک ہی مسئلہ میں ہو۔ اور اس پر یہ

دوسری طرح روشنی ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم فرمایا اللہ یہ حدیث منسوخ

نہیں ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی اس عبارت پر شیخ الاسلام یوں تفسیر فرماتے ہیں :

”اس نے معلوم ہوا کہ جو لوگ عمر کا کچھ حصہ تحسین علوم میں خرچ کر کے علوم عالیہ اور اکیہ

میں دستگاہ رکھتے ہیں۔ علوم تفسیر و حدیث اور فقہ کو باقاعدہ پڑھتے ہیں۔ ان کے

حق میں نہ تو تقلید کی تعریف صادق آتی ہے۔ نہ وہ کسی طرح مقلد کہلا سکتے ہیں بلکہ

وہ ایک معنی سے اچھے خاصے مجتہد ہیں۔“

آج کل کے مقلد علماء جو مجتہد، مفتی، محدث، منطقی، فلسفی، اصولی، فقیہ اور سچائے کیا کیا القاب

سے مشرف ہوتے ہیں پھر بھی اپنے آپ کو مقلد کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ

یہ ہو جس طرح علم بیان و معانی والوں نے لکھا ہے :

”قد فیزل العالم منزلة البعل لعدم جریہ علی موجب العلم لکہ جب عالم کا علم

کے مطابق عمل نہ ہو تو وہ جاہل سمجھا جائے گا۔“

یہ حضرات اس اعتبار سے تو فقیہ بھی ہیں، مجتہد بھی کہ تمام دینی علوم سے آراستہ اور مزین ہیں

لیکن اس اعتبار سے ان میں اتنا درجہ جہالت ہوتی ہے کہ انہوں نے جب کسی مسئلہ پر عمل کرنا ہے تو

امام کی رائے سے قدم باہر نہیں نکالنا۔

فان كنت لاتدرى فتبلاص مصيبة وان كنت تدرى فالحسبة اعظم

پھر ان علماء کو دیکھو جنہوں نے تقلید جیسے معرکہ الارادہ مسئلہ پر کتابیں لکھ ماریں اور ایسے دلائل سے استنباط کی ناحتی سہی کی جن کا علم سے گہرا تعلق ہے تو پھر ایسے محقق ہونے کے باوجود یہ تقلید کیے رہ گئے جب کہ اس مسئلہ کی تحقیق میں یہ مجتہدین سے بھی سبقت لے گئے۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ تم نے تقلید کو کس دلیل سے معلوم کیا ہے تو فوراً کہہ دیں گے، کتاب و سنت سے، پھر ان سے پوچھا جائے کہ تم نے کتاب و سنت سے لیے مسئلہ کا استخراج تو کر لیا جس کا وجود کوئی نہیں، پھر ان مسائل کا استخراج کتاب و سنت سے کیوں نہیں کرتے جو عام فہم ہیں اور لیے ہیں اور واضح ہیں جن کی تحقیق میں غلط ٹھوکریں بھی نہیں کھائی پڑتیں۔ یہ معنی تقلیدی کرتے ہیں کہ علوم کے ماہر بھی تقلید سے باہر جانا پسند نہیں کرتے اور عوام کو محض مغالطہ دینے کے لیے جگہ جگہ اتباع اور تقلید، اسی طرح اقتدار اور تقلید کے معنی کو غلط ملط کر دیا ہے حالانکہ انہیں اس میں شک نہیں کہ تقلید اور اتباع کا مفہوم الگ الگ ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا علمی خیانت ہو سکتی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے آثار کو بھی تقلید میں گھسیٹ دیا حالانکہ یہ حضرات اس بات سے آشنا ہیں کہ تقلید، کتاب و سنت اور آثار صحابہ سے بالکل مختلف ہے۔ یہ شرف صرف اہلحدیث کو حاصل ہے کہ وہ متبع ہوتا ہے معتقلہ نہیں۔ کیونکہ وہ جس پر عمل کرتا ہے دلیل سے کرتا ہے۔ اہلحدیث کتاب و سنت کی موجودگی میں اقوال ائمہؒ کیا، اقوال صحابہؓ۔ یہی دلیل نہیں پکڑتے۔

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو ریل گیٹ

ہر تہی کے واسطے وار ورس کہاں

تقلید کے دلائل پر ایک نظر

ہم اس تمہید کے بعد اس مقام پر پہنچ آئے ہیں کہ تقلید پر کا حقت، بحث کریں۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں پہلے ان دلائل کی حقیقت کو پیش کرتے ہیں جن کی وجہ سے علماء کا براہ راست کتاب و سنت سے تعلق نہیں رہا ہے۔ لیکن ان دلائل کو پیش کرنے سے پہلے ایک بات کا ذکر بے فائدہ نہ ہوگا

معتقدین اور متاخرین کے دلائل میں ذرہ برابر فرق نہیں، بل صرف طریق بیان میں فرق ضرور ہے۔ جو معتقدین نے اس باب سے میں کاوش کی ہے، متاخرین نے اس پر سوائے زیبائش و زینت کے کچھ نہیں کیا۔ بات وہی پرانے شکاری اور نئے جال والی ہے۔ ہم طوالت سے بچتے ہوئے ان دلائل کو نئے انداز میں بیان کریں گے۔ پھر ان شبہات کو بھی رفع کریں گے جو مقلدین نے پیدا اور مشہور کر رکھے ہیں و باللہ التوفیق۔

مقلدین کے دلائل

۱۔ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔

مقلدین بڑے شد و مد سے اس آیت کو یہ کہہ کر تقلید کے جواز میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس آیت میں تقلید کا اشارہ ملک موجود نہیں جس سے ائمہ کی تقلید ثابت ہو سکے۔ اس آیت میں توبہ بنانا مقصود تھا کہ تم جس رسول کی کذیب پر کمر باندھو اور اس کے مقام سے نا آشنا ہو تو اہل کتاب سے پوچھ لو کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے رسول آئے وہ سب بشر تھے تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سچے رسولوں میں سے ایک ہیں۔ آیت کے مکمل الفاظ یہ ہیں :

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجُلًا نُوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ (النحل ریت ۳۴)

وہ تمس بتائیں گے کہ دنیا میں جتنے رسول آئے سب کے سب بشر تھے۔ اس آیت کے سیاق و سباق سے ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت کے مخاطب مشرکین ہیں اور اہل ذکر سے مراد اہل کتاب ہیں۔ اس آیت میں ایک خاص اعتراض کے رفع کرنے میں اہل کتاب کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ صحائف انبیاء اور آسمانی کتابوں سے واقف تھے حالانکہ وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے قائل نہ تھے تو پھر ان سے سوال کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے علم کی بنا پر تمہیں بتادیں گے کہ رسول بشر ہی ہوتا ہے اور رسول کا بشر ہونا اس قدر واضح ہے کہ اہل کتاب سے بھی اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ اور اس سے اگلی آیت میں تبلیغ کا حکم ہے۔

بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ
وَلَعَلَّهُمْ يَرْفَعُونَ -

ان پیغمبروں کو جو کتب دے کر بھیجا اور اسی طرح ہم نے تجھ پر بھی قرآن
آمارا۔ اس لیے کہ تو لوگوں کو سمجھا دے جو ان کی طرف آتے اور اس لیے کہ وہ خود بھی
غور کریں۔ (وحیدی)

اس آیت کے ابتدائی الفاظ کسی قدر واضح ہیں کہ اسے رسول مصلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ذمے
اس کتاب کی تبلیغ ہے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے اور تبلیغ کن لوگوں کو کرنی ہے تو فرمایا مَا نُزِّلَ
إِلَيْهِمْ کہ جن کی طرف یہ نازل کیا گیا ہے تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ اب دیکھیے پہلے ذکر کی نسبت
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور پھر مخاطبین کی طرف ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی نسبت اور مخاطبین کی نسبت میں واضح فرق کیا ہے کہ رسول پر تبلیغ فرض ہے اور مخاطبین
پر غور و فکر۔ تو یہاں کسی ایک کی تخصیص کیسے ہو سکتی ہے جب کہ آپ خاص لوگوں کی طرف رسول
بن کر نہیں آئے بلکہ تمام لوگوں کی طرف رسول بن کر آئے ہیں اور تمام کو ہی غور و فکر کی دعوت دی
گئی ہے۔ پھر یہ بات بھی مد نظر رکھیے کہ قرآنی اصطلاح میں ”ذکر“ وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی طرف
سے ہو، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو وہ ذکر نہیں ہو سکتا اور وہ عالم، عالم نہیں جو ذکر سے واقف
نہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی آدمی کے قیاس کو دین بنالیا جائے یہ بات اس آیت کے صریح
خلافت ہوگی کہ اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کر کسی اور پر استناد اور بھروسہ کیا جائے، کیونکہ علم
وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور حکماء وہ ہیں جو قیاسات کو چھوڑ کر کتاب و سنت کو اپنا
پہلو بناتے ہیں۔ مقلد جاہل ہوتا ہے اور جاہل کو غور و فکر کی حاجت ہی کیا۔ لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے
ذکر کے ساتھ غور و فکر کو لازم قرار دیا ہے۔ جو بھی مسلمان ہوگا اس کو کتاب و سنت کے مطابق غور و فکر
کرنا ہوگا لیکن مقلد تو صرف اپنے امام کی رائے کو ہی کافی سمجھتا ہے تو ایک مسئلہ یہ بھی یاد رکھو کہ
تقلید کے دعوے دار اس آیت سے عامی (جاہل) کے لیے علماء کی طرف رجوع کرنا لازمی قرار
دیتے ہیں تو اس بات میں شک بھی کیا ہو سکتا ہے کہ جاہل نے تو آخر علماء کی طرف رجوع کرنا ہوتا
ہے البتہ اس کے لیے غور و فکر کو لازمی قرار دیا ہے تاکہ وہ صرف کسی عالم کی بات کو اس لیے قبول

ذکر سے کہ یہ بات فلاں عالم کی ہے بلکہ وہ اس میں دیکھے کہ عالم نے جو فتویٰ دیا ہے کیا وہ کتاب و سنت کے موافق ہے یا نہیں۔ اس بات سے یہ شبہ پیدا نہ ہو کہ جو کسی مسئلہ میں تحقیق کر کتاب و سنت کے موافق ہے یا نہیں، اس کو کسی سے فتوے لینے کی ضرورت ہی کیا ہے تو اس شبہ کے رفع کرنے میں عرض یہ ہے کہ عامی مفتی سے دلیل تو طلب کر سکتا ہے کہ بتائے آپ نے جو فتویٰ دیا ہے اس کی کتاب و سنت میں کیا اصل ہے۔ جب مفتی دلیل بیان کرے گا تو وہ تقلید نہ رہے گی کیونکہ تقلید میں دلیل کا وجود نہیں ہوتا۔ اب یہ قارئین کا کام ہے کہ وہ مقلد بننا چاہتے ہیں جس کو دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی (یا قرآن کی اس آیت کی دہرے سے تحقیق کر کے قلع بننا چاہتے ہیں: **إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّعُلُوِّ دَرَجَاتِ الْأَعْمَارِ** (ال عمران آیت ۱۳))

ہم مقلدین سے یہ سوال کرنے میں حتیٰ بجانب ہیں کہ اگر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تقلید شخصی کو کہاں واجب قرار دیا ہے۔ اگر اس آیت سے تقلید شخصی کا کوئی پہلو نکلتا ہے تو آج تک ان الفاظ کو بیان کیوں نہیں کیا گیا بلکہ اس آیت سے یہی معلوم ہے کہ اگر تم علم سے واقفیت نہیں رکھتے ہو تو کسی اہل علم سے پوچھ لو تو اس میں کسی ایک کی تخصیص کا اشارہ تک نہیں۔ اگر مقلد کی اس بات کو تسلیم نہیں کیا جائے تو کیا اسلام میں اہل علم چارہ ہی ہوئے ہیں اور ان کے بعد علم کا دواڑہ بند کر دیا گیا؟ یا ان چاروں نے بعد میں آنے والوں کو قیامت تک کے لیے علمی ضرورت سے مستغنی کر دیا؟ ظاہر ہے کہ کوئی مقلد اس کا جواب نہیں دے سکتا چنانچہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ اہل ذکر سے مراد ہر دور کے وہ علماء ہیں جو ذکر (کتاب و سنت) پر عمل پیرا ہوں۔

اگر آج کے مقلد مفتی فتویٰ دیتے وقت فقہ کی کتابوں سے متعین کی عبارت کو نقل کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں تو کوئی چیز مانع ہے کہ وہ قرآن کریم اور کتب حدیث (جو وحی کے مبارک الفاظ ہیں) نقل کر کے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی بھی حاصل کریں اور ثواب بھی پائیں۔

المختصر یہ آیت کسی طریقہ سے بھی تقلید کو ثابت نہیں کرتی بلکہ یہ تو تقلید کے خلاف ایسی واضح ہے جس کا انکار طالب حق سے نہیں ہو سکتا۔

۲۔ اَطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَادْلُوا اِلَى الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ فَاِنْ تَنَادَوْا فِي شَيْءٍ

تقلید کے جوازیں اس آیت کو جسے جوش و خروش سے پیش کیا جاتا ہے اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اطاعت اللہ، اطاعت رسول اور اطاعت ائمہ ایک ہی چیز ہیں۔

اولی الامر سے مراد فقہاء کرام لیے جاتے ہیں۔ لیکن یہ بات کس قدر تعجب خیز ہے کہ جب لفظ کے مفہوم میں اختلاف واقع ہو اور اس بارے میں کوئی مرفوع حدیث مل جائے تو اختلاف خود بخود رفع ہو جانا چاہیے۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ کتب حدیث میں اولی الامر کا لفظ فقہاء پر نہیں بلکہ جو منصب حکومت پر فائز ہو اس پر استعمال ہوا ہے۔ کتب حدیث کا مطالعہ کرنے والے احباب سے یہ بات ادھل نہیں رہ سکتی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو کس معنی میں استعمال کیا ہے۔ ہاں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اولی الامر کی تفسیر علماء کے مفہوم میں آئی ہے لیکن یہ بات تو مسلمہ ہے کہ مرفوع روایت کی موجودگی میں موقوف روایت قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اگر بغرض محال حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر کو درست سمجھ لیا جائے کہ اولی الامر سے مراد علماء بھی ہیں تو تب بھی اس سے تقلید ثابت نہیں ہوتی کیوں کہ اطاعت کا متعلق ذکر اللہ تم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیا گیا ہے اسی لیے تو لفظ اطیعوا کو دوبارہ ذکر فرمایا ہے اولی الامر کی اطاعت کو جملہ معظوظہ کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ اطاعت اصل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی ہے۔ اُمراء کی جو اطاعت ہے وہ کوئی مستقل اطاعت نہیں۔ اُمراء سے اختلاف ہو سکتا ہے۔ اسی لیے تو اگلا جملہ فَاِنْ تَنَادَوْا فِي شَيْءٍ ذکر فرما کر اس بات کی تصریح کر دی کہ علماء اُمراء سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اللہ جل جلالہ اور رسول سرور صلی اللہ علیہ وسلم سے اختلاف کفر اور سلب ایمان کا سبب ہے۔

فَلَا وَرَيْكَ لَا يَكْفُرُونَ بِشَيْءٍ يَكْفُرُونَ فِي شَيْءٍ رَبِّهِمْ هُوَ الَّذِي لَا يَجِدُ
فِي الْفَرْسِ دُرَّ جَاوِشًا قَسِيَةً وَيَسْتَلِيمُوا أَسْبَدًا

تیرے رب کی قسم! وہ شخص ایمان نہ رہیں جو آپ کے نبیؐ کو شرع مدد سے قبول نہیں کرتے۔

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ امام اور رسول کی اطاعت میں فرق ایسا ہے جیسا کہ رسول اور امتی میں فرق ہے تو شاید اس بات میں بھی کسی کو اختلاف نہ ہو کہ امام کی تمام باتیں قابل عمل نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات پر عمل کرنا واجب ہے جو آپ کے فرمان کو درست سمجھتے ہوئے پھر عمل نہیں کرتا اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ امراء کی اطاعت اصل میں ان معاملات میں ہے جن کا تعلق اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم سے ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَخْصِيَةِ خَالِقِهِ، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہو سکتی۔ (اعلام ۳۹)

مقلدین حضرات نے اس آیت (اطيعوا الله) سے جو آج تک ستم روار کھا ہے اس کی تلافی شاید کسی طریقے سے نہ ہو سکے۔ انہوں نے اپنے مقصد کو اپنانے کے لئے اس آیت مبارکہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ یا ایہا الذین آمنوا سے لے کر منکم ایک حصہ اور فان تنازعتم فی شیء آخر آیت تک دوسرا حصہ بنا دیا اور یہ کہہ کر کہ یہ جملہ متعلق ہے جس میں مجتہدین کو خطاب کیا گیا ہے۔ ان کے ہاں قرآن کے بعض حصے علماء کے لیے ہیں اس پر عوام کو عمل نہیں کرنا چاہیئے اور بعض عوام کے لیے مخصوص ہیں۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھ خدا اگر سے کوئی

اب قارئین فیض فرمائیں گے کہ کیا قرآن ایسے حصہ وار فرض کیا گیا ہے کہ بعض حصے میں عوام عمل کریں باقی علماء کے لیے چھوڑ دیں۔

ہرگز نہیں، قرآن تمام کا تمام مسلمانوں کے عمل کے لیے اتارا گیا ہے۔ اگر قرآن کی آیات کو اپنے مفہوم میں ایسے استعمال کیا گیا تو خدا جلنے اس کی کوئی صورت بن کر رہ جائے گی۔

افستومنون بعض الکتاب و تکفرون ببعض

۳۔ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ

اور تو اس کے سب سے پیروی کر جو میری طرف رجوع کرتا ہے۔

مقلدین نے اس آیت سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جو غیب الی اللہ ہوں ان کی پیروی کرنی چاہیئے اور آخر اربعہ کی انابت میں کسی کو اختلاف نہیں کیونکہ ان کے مذہب مدون ہو چکے ہیں لہذا ان کی اتباع ضروری ہے لیکن دیکھا جائے تو یہ استدلال درست نہیں اولاً اللہ تعالیٰ نے لفظ اتباع ذکر فرمایا ہے، تقلید نہیں۔ اتباع اور تقلید میں جو فرق ہے وہ سابقہ اور اوراق میں گزر چکا ہے۔ ثانیاً اللہ تعالیٰ انسان کو نصیحت فرما رہے ہیں کہ اپنے والدین کی اتباع کرنا۔ لیکن جب وہ تجھے شرک پر آمادہ کریں تو پھر ان کی اتباع نہ کرنا اور ان لوگوں کی اتباع کرنا جن کا رجوع صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اس کے بعد والے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا :

لَسْتَ إِلَىٰ مَوْجِعِكُمْ فَاِتَّبِعْكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔

دیکھنا تمہارا ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے۔ پھر ہم نے تمہارے اعمال کی خبر لینی ہے۔

مقصود یہ ہے کہ اتباع میں وہ رستہ اختیار کرنا جس سے تم آخرت میں کامیابی پاؤ گے پھر اللہ تعالیٰ نے لفظ سبیل استعمال کیا ہے جو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رستہ سے خاص ہے۔

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيْرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي
کہو یہ میرا رستہ ہے میں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں بعارت پر اور جس نے میری اتباع کی۔

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ فَأَتَّبِعُوا (۱۰ غام)

یہ راہ میری سیدھی ہے تم اسی پر چلو۔

جب لفظ سبیل مفرد ہو اور اتباع کے معنی میں استعمال ہوا ہو تو وہاں صرف رسول اللہ کا راستہ ہوگا لیکن جب راستے مختلف ہو جائیں تو اس وقت وہ صحیح راستہ نہیں بلکہ شیطانی

راستہ ہو گا جو افتراق اور اختلاف کا سبب بنے گا۔ اسی لیے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ بیان کرنے کے بعد یہ الفاظ ذکر کیے:

وَلَا تَتَّبِعُوا السَّبِيلَ فَتَشْتَرُوا بِكُمْ

تم مختلف رستوں پر نہ چلو ورنہ تم فرقہ بندی کا شکار ہو جاؤ گے۔

معلوم ہوا جنبہ راستے مختلف ہوں تو وہ سبیل من اناب کے زمرہ سے خارج ہو جائیں گے تقلید کی وجہ سے امت مختلف فرقوں میں بٹ گئی۔ پھر اس آیت میں لفظ مَنْ استعمال ہوا ہے جو عموم کے لیے آتا ہے جس میں اجتہاد کی شرائط موجود نہ ہوں یا وہ عالم ہی نہ ہو مگر وہ صالح اور متقی ہو تو اس کی اتباع بھی ضروری ہوگی لیکن کوئی مقلد مجتہد کے بغیر صرف متقی کی تقلید کو واجب نہیں سمجھتا۔ اگر اس آیت کو جس معنی میں آپ نے استعمال کیا ہے، مان لیا جائے تو تقلید شیعہ کی بنیاد ہی ختم ہو جائے گی۔ پھر لفظ اناب کا استعمال زیادہ تر انبیاء کے لیے ہے۔ وَظَنَّ ذَا ذُرِّ انْتَنَا فَتَنَّا كَمَا تَنْفَضُّ رِبَّتَهُ وَخَضَرَ الْكَلْبُ وَانَاب اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ نبی کی انابت میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا۔ لیکن کسی امتی کے بارے میں ہم یقینی طور پر انابت کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ہم نے امتی کے منسوب ہونے کا انکار کیا ہے، ہرگز ایسا نہیں۔ ہم تمام صحابہ کرام کی انابت کو بلاچوں و چرا قبول کرتے ہیں لیکن ہم ان کی انابت کا موازنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کے ایمان اور طہیتی ہونے کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ اس کے باوجود مقلدین صحابہ کی تقلید کو جائز نہیں سمجھتے تو بعد والے کسی امتی کی تقلید کو کیسے واجب تسلیم کیا جاسکتا ہے جن کی انابت کے بارے میں مختلف شکوک و شبہات ہو سکتے ہیں پھر یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ یہ علم کے اعادہ دانہ علم سے کام نہ لیتے ہوئے کس بے باکی سے اہل اسلام میں سے چار کی انابت کو قبول کرتے ہیں گویا کہ اسلام میں عرصہ چودہ سو سال میں اہل اللہ صرف چار ہی ہوئے ہیں۔

گر چہ عقل سوئے بالامی پرد

مرنے تقلیدت بہ پستی مخ سے پرد

۴۔ قُلْ لَا تَنْفَرُوا مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَذَكَّرُوا إِلَى اللَّهِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ. لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (سورۃ توبہ آیت ۱۲۲)

ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہر فرقہ میں سے کچھ لوگ نکلیں تاکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور جب ان کی قوم کے لوگ (جہاد سے) لوٹ کر آئیں تو ان کو سنا دیں اس لیے کہ وہ بچیں رہیں۔

(وحیدی)

جو علماء دین میں تفتہ حاصل کریں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچائیں تو لوگوں کو ان کی بات کی اتباع کرنی چاہیئے اور اسی کا نام تقلید ہے۔ لیکن یہ آیت چند وجوہ سے تقلید کے سخت خلاف پڑتی ہے۔ اول اس میں علم حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ تقلید میں علم سرے سے ہوتا نہیں کما تقدیر۔ دوم اس آیت کا پہلا حصہ یہ ہے وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً کہ تمام مومن جہاد کے لیے تیار نہ ہو جائیں بلکہ ان میں ایک جماعت الیہ بھی ہونی چاہیئے جو (دینی) علم حاصل کرے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمام مومن جہاد میں شریک ہو جائیں اور علم کی طرف کوئی توجہ ہی نہ دے۔ یہاں تو یہ تیلا نام مقصود ہے کہ علم کی فضیلت، جہاد سے کسی درجہ کم نہیں جیسا کہ مجاہدین نے جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کرنا ہوتی ہے اسی طرح علماء نے ایمانی اور نظریاتی سرحدوں کا دفاع کرنا ہوتا ہے تو یہاں علم کا ذکر ہے جو با دلیل ہوتا ہے تقلید کا نہیں کیونکہ اس میں دلیل کی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی۔ سوم اگر یہاں تقلید مراد لی جائے تو پھر کلی تقلید پر عمل ہونا چاہیئے لیکن آپ نے تقلید کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصے کو **تقلید اعلیٰ** اور دوسرے کو **واجب الترك** (جس کو چھوڑنا ضروری ہو) قرار دیا۔ اصول فقہ نیز ہاں بشرع وغیرہ میں اصول عقائد میں تقلید کو ناجائز قرار دیا ہے۔ پھر لفظ نذیر میں کہاں عقائد و احکام میں فرق ہے؟ بلکہ نذیر تو کہتے ہی اُسے ہیں جو عقیدہ پہلے درست کرے اور احکام کی تعلیم بعد میں دے جیسا کہ تمام انبیاء کرام کا دستور رہا ہے۔ گویا کہ آپ کے اس مفروضے نے کہ تقلید کی تقسیم جائز ہے۔ ایک امام کو احکام میں آنکھیں بند کر کے قبول کیا جائے لیکن جب عقائد کی بات آئے تو اسی امام کو فراموش کر دیا جائے جیسا کہ حنفی بریلوی حضرات کرتے ہیں۔ احکام میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی بات کو کتاب و سنت سے برتر سمجھتے ہیں لیکن عقائد میں امام صاحب

کی مخالفت میں اس قدر بڑھے ہوئے ہیں کہ شاید ان کے جدید عقائد کی بنا پر امام صاحبؒ بھی ہیں یا نہیں۔

ان کو اک حال پر رہتا ہی نہیں جین کبھی

کبھی آنے میں خفا ہیں ، کبھی جانے میں

المختصر مقلدین کی اس تقسیم سے واضح ہو گیا کہ تقلید کوئی ایسی چیز نہیں ہے ہر حالت میں قبول کیا جا سکے تو پھر اس آیت سے تقلید کیے ثابت ہو گئی بلکہ یہ ثابت تو تقلید کے خلاف پڑی کہ علماء کی تقلید کوئی ایسی ضروری نہیں کہ ہم اُسے ہر حالت میں قبول کر لیں بلکہ جہاں تک ہو سکے حصول علم کی طرف توجہ دینی چاہیے اور اس کی برکات سے دامن بھرنا چاہیے۔ چہ اتم اس آیت سے تقلید کا حوازاخذ کرنے والے مطلق تقلید کے نہیں بلکہ تقلید شخصی کے خائل ہیں۔ اس آیت میں صیغہ جمع کا استعمال ہوا ہے۔ اِذَا رَجَعُوا اِلَيْهِمْ۔ اس صیغہ نے اس بات کی تعلیم کھول دی کہ مقتدی حقیقت سے نا آشنا ہوتا ہے۔ ایک جگہ وہ تقلید شخصی کا حکم لگا نہ ہے۔ تو دوسری جگہ خود اس کی نفی کر دیتا ہے۔

حدیث سے استدلال

آیات کی طرح بعض احادیث نبویہ کو بھی تقلید کے ثبوت میں بطور استدلال پیش کیا جاتا ہے۔ ہم ان احادیث کو آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں اور ان کے استدلال کی حقیقت بھی واضح کرتے ہیں۔ انشاء اللہ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان استدلالات کی وہ حقیقت نہیں جو یہ حوام کو دھر کر دینے کے لیے پیش کرتے ہیں بلکہ وہ تو قرآنی آیات کی طرح تقلید کے بالکل خلاف ہوں گی۔

۱۔ اقتدوا بالذین من بعدی (بکرہ و عشر) (ترمذی ص ۲۷۲)

میرے بعد ابو بکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اقتداء کرنا۔

اس حدیث شریف میں یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اقتداء کا معنی تقلید ہوتا ہے لیکن ان کا یہ ترجمہ کسی اہل لغت نے بیان نہیں کیا۔ بل ان اقتداء اور امواہ اور سنت کے

معنی میں ضرور آتا ہے۔ مشہور لغت وال ابن منظور فرما۔ تے ہیں:

”الاعتداء الاسوة: اقتداء کے معنی اسوہ ہیں۔“ اور یہی لفظ اسوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ نے استعمال کیا ہے: ”لَقَدْ آتَيْنَاكَ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةً حَسَنَةً“ تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہترین نمونہ ہیں۔

یہ بات تو واضح ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل بادل ہوگا اس اعتبار سے صحابہ کرام کی اقتداء بھی دلیل کے ساتھ ہوگی کہ اس کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ لیکن یہ تو معلوم ہے کہ تقلید میں دلیل نہیں ہوا کرتی۔ پھر اقتداء کا تعلق ہی دلیل سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ مشہور حدیث میں ہے:

يَقْتَدِي الْبُكَيْرُ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ يَقْتَدُونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض شدید ہو گئی تو آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھی حضرت ابو بکرؓ نے آپ کی نماز کی اقتداء کی اور دوسرے صحابہؓ حضرت ابو بکر کی اقتداء کر رہے تھے۔ (بخاری ص ۹۹)

اس میں کسی کو انکار نہیں کہ ابو بکرؓ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتداء کی تھی، وہ بادل تھی اور صحابہؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی نماز کی جو اقتداء کی وہ اس اعتبار سے بادل تھی کہ حضرت ابو بکرؓ حضرت رسول کریمؐ کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے۔ اس میں آپ کی ذاتی رائے یا قیاس کو دخل نہیں۔ پھر لفظ اقتداء کا استعمال قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہی استعمال ہوا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ عَدَّى اللَّهُ فِيهِمْ أَعْمُ اقْتِدَاءِ (الانعام ۹۰)

اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ انبیاء کرام کا ذکر فرما کر آخر میں ہادی دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اقتداء کا حکم دیا ہے۔ اگر اقتداء کا معنی تقلید لیا جائے تو پھر کوئی مقلد اس بات کی جرأت کر سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ایک نبی کا مقلد تصور کرے۔ جب کہ مقلد جاہل ہوتا ہے اور اس کی حالت میں کسی کو شک نہیں ہوتا۔ لافرق بین بحیمة تنقاد و انسان یقلد، افسوس صد افسوس ان حضرات پر جو اقتداء کا معنی تقلید لیتے ہیں اور پھر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا ٹھیکہ محض زبانی لے رکھا ہے اور دوسروں پر گستاخی کے صدام الزم لگانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ان کو دوسروں کے تنکے تو نظر جلتے ہیں لیکن اپنی آنکھ کے شہتیر بھی نظر نہیں آتے۔ یہ ان کا قصور نہیں اور ان حضرات سے ایسی بات کا صادر ہونا قیاس سے بھی دور نہیں کیونکہ یہ مقلد ہیں اور ان پر غور و فکر کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہوتا۔ اگر ہم اقتدار کو تقلید کے معنی میں استعمال کرتے تو فتوؤں کے گہرے بادل چھا جاتے لیکن یہ ان حضرات کی طرف ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام

وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چسپا نہیں ہوتا

اگر اقتدار کو تقلید کے معنی میں لیا جائے تو اس کی زور براہ راست سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس شخصیت پر پڑتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے ہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ایک عامی کی ہو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اب یہ تو واضح ہو گیا کہ اقتدار کسی طرح بھی تقلید کے معنی میں استعمال نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس سے وہ تمام استدلال ختم ہو گئے جو اقتدار سے تقلیدی مفہوم میں لیے جلتے ہیں۔

۲۔ مَنْ اسْتَفَى بغير علم كان اثماً علی من افتاء۔ (ابوداؤد ۵۱۵۱)

جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا اس کا گناہ مفتی پر ہوگا۔

تقلید کا استدلال پکڑتے ہوئے مجوزین حضرات کہتے ہیں اگر مفتی کی اتباع لازم نہ ہو تو مفتی کو ایسی سرزنش نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن اس استدلال کو دیکھا جائے تو یہ سراسر غلط ہے۔ اس لیے کہ مفتی کو جو گناہ لازم آئے گا اس کے غلط فتویٰ کی بنا پر ہوگا۔ خواہ اس پر فتویٰ طلب کرنے والا عمل کرے یا نہ کرے، کیونکہ مفتی پر کتاب و سنت کے مطابق فتویٰ دینا واجب ہے۔ اگر وہ کتاب و سنت کی موجودگی میں غلط فتویٰ دیتا ہے تو وہ شرعی اعتبار سے سخت مجرم ہوگا۔ اسی طرح اگر فتویٰ طلب کرنے والا محض اس لیے اس فتویٰ پر عمل کرتا ہے کہ یہ فلاں شخص کا ہے خواہ وہ کتاب و سنت کے خلاف کیوں نہ ہو تو اس صورت میں یہ بھی گناہ میں مفتی سے کسی طرح کم نہ ہوگا۔ کیونکہ اتباع کتاب و سنت کی ہے آراء الرجال کی نہیں۔ اسی بنا پر امام اہل سنت احمد بن حنبلؒ تقلید سے فتویٰ کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب امام صاحب کے نزدیک تقلید سے فتویٰ

دینا جائز نہیں تو اس فتویٰ پر عمل بھی کیسے جائز ہوگا۔ جب علم ہو جائے کہ یہ فتویٰ کتابِ سنت کے منافی ہے تو اس وقت مفتی اور مستفتی میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

نَقَالَ الصُّعْقَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكَ دَرَجَاتٍ مِمَّا عَصَيْنَا أَنْتُمْ مُعْتَدُونَ
عَنَّا مِنْ عَذَابِ النَّارِ مِنْ شَيْءٍ مَا كُنَّا لَكُمْ هَذَا نَا لَذَلِكَ لَعْنَةُ اللَّهِ لِكُلِّ غَافِلٍ
سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَجَبَرْتُمَا أَمْ صَبَرْتُمَا مَا لَنَا مِنَ عَاقِبَتِهِمْ (ابراہیم ۲۱)

قیامت کے دن کمزور بڑے آدمیوں سے کہیں گے (مرد اپنے مرشد سے) ہم تو تمہارے تابع رہے تھے تو کیا خدا کے عذاب سے تم ہمارے کام آسکتے ہو تو وہ کہیں گے اگر اللہ تعالیٰ میں راہ پر لگتا تو ہم بھی تمہیں سیدھی راہ بتاتے۔ خواہ ہم دیکھیں پیشیں خواہ صبر کریں دونوں برابر عذاب سے ہم چھٹ نہیں سکتے۔ (وحیدی)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن کی غلط پیروی کی جاتی ہے جس طرح وہ بارگاہِ ایزدی میں مجرم ہوں گے اسی طرح ان کے غلط پیروکار بھی مجرم ہوں گے۔ اسی طرح اگر مفتی غلط فتویٰ دیتا ہے اور مستفتی اس غلط فتویٰ پر عمل کرتا ہے (کتاب و سنت سے دلیل طلب کیے بغیر) تو وہ بھی مفتی کے ساتھ گناہ میں برابر کا شریک ہوگا۔ اس امر کی مزید وضاحت حدیث شریفہ سے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے :

إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمٌ اتَّخَذَ النَّاسُ دُونَهُ سُلْطَانًا لَا يَأْمُرُ بِالْغَيْرِ وَلَا يَنْهَى عَنِ الْمَعْرُوفِ وَأَهْلُوا بِهِ الْعِبَادُ الْمُرِئُونَ (دارمی، ابن ماجہ ۱۶)

اللہ تعالیٰ علم کو بندوں کے سینوں سے نہیں چھینے گا بلکہ علماء کو فوت کر لے گا، جب کوئی عالم زندہ نہ ہوگا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے وہ بغیر علم کے فتویٰ دے کر آپ بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

کتنی واضح حدیث ہے کہ بغیر علم کے فتویٰ دینا اصل میں خود بھی گمراہ ہونا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنا ہے اور یہی لفظ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مجرموں کے لیے استعمال کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں :

ویل لا یتبع من عترات العالم تیل کیف ذلک و قال یقول العالم شیئاً
برایہ ثم یجد من هو اعلم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہ فیتروا
قولہ - ثم مضی الاتباع - (ایقاظ ص ۲)

علماء کی غلطی پر عمل کرنے والوں پر ہلاکت ہو۔ کسی نے کہا، یہ کیسے ہو سکتا ہے تو
آپ نے فرمایا۔ کوئی عالم اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہے اور فتویٰ طلب کرنے
والا کسی اور بڑے عالم، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا زیادہ
عالم ہوتا ہے، کو پالیتا ہے۔ اس کے باوجود وہ پہلے عالم کی غلطی پر عمل کرتا ہے۔

اس مضمون پر اور بھی دلائل موجود ہیں لیکن اختصار کو سامنے رکھتے ہوئے انہی پر اکتفا کرتے ہیں
حقیقت میں مجوزین حضرات عوام کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر
تم غلط بھی عمل کرو گے تو تم پر کوئی گرفت نہیں ہوگی تاکہ علم سے ناواقف لوگ بغیر دلیل کے
ان کی بات کو قابل عمل ٹھہرائیں لیکن شریعت میں کوئی ایسی اجازت نہیں کہ بلا سوچے سمجھے کسی
کی بات پر عمل کیا جائے۔ ان حضرات کو شاید یہ حدیث نظر نہیں آتی:

شفار الی السوال - من کا علاج سوال ہے۔ (ابوداؤد ص ۴۹)

اس حدیث میں عالم اور جاہل کی تمیز نہیں بلکہ بوقت ضرورت مسئلہ طلب کرنا تمام کے لیے
ضروری ہے۔

فی الجملہ ہم نے کتاب وسنت کے دلائل سے واضح کر دیا ہے کہ یہ حدیث مبارک تقلید
کے جوازیں قطعاً پیش نہیں کی جاسکتی بلکہ اس باب کی دیگر احادیث و آیات کو جمع کیا جائے
تو واضح ہو جائے گا کہ یہ تقلید کے سخت مخالفت ہے۔

۳۔ عن ابن عباس قال خطبہ الناس بالجانبینہ وقال یا ایہا الناس

من اراد ان یسأل عن القراءۃ فلیأت ابی بن کعب ومن اراد ان

یسأل عن الفرائض فلیأت زید بن ثابت ومن اراد ان یسأل عن

الفقہ فلیأت معاذ بن جبل ومن اراد ان یسأل المال فلیأت منی

فان اللہ جعلنی والیاً وقاسماً۔ (اعلام المرفوعین)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جاسیہ کے مقام پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔ اے لوگو! جو قرآن کے متعلق پوچھنا چاہتا ہے وہ ابی بن کعب کے پاس جائے اور جو وراثت کے بارے میں پوچھنا چاہے وہ زید بن ثابت سے پوچھے، جسے فتنہ کے متعلق سوال کرنا ہے وہ معاذ بن جبل سے پوچھ لے اور جو مال طلب کرنا چاہتا ہے وہ میرے پاس آجائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مال کا والی اور اس کو تقسیم کرنے والا بنایا ہے۔

تقلید کے جوازیں اس خطبہ سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ اُمت کو ان تینوں کے فتویٰ پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ یہ تینوں حضرات اپنے اپنے فن کے ماہر تھے۔ یہ استدلال سترے سے ہی غلط ہے۔

اولاً — حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مقصد نہیں تھا کہ اُمت کو ان تینوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید پر جمع کیا جائے بلکہ ان صحابہ عظام کے علم و فضل کی خبر دینا مقصود تھی کہ یہ تینوں حضرات فلاں فلاں فن کے ماہر ہیں۔ پھر ان صحابہ کے متعلق حسن ظن سے کام نہیں لیا ہے۔ بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اپنے اپنے فن میں ماہر ہونے کی خبر دی تھی۔

ثانیاً — صحابہ کرام کی اتباع تقلید نہیں ہوتی کیونکہ اس پر نص (دلیل) موجود ہوتی ہے اور یہ بات واضح رہے کہ مرفوع روایت کے وقت کسی مجاہد کی ذاتی رائے کو قطعاً قبول نہیں کیا جاسکتا۔ یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذاتی عمل تھا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو بعض روایتوں میں تحقیق فرمایا کرتے تھے جیسا کہ استیذان والی حدیث ہے۔

ثالثاً — حضرت عمر نے اس خطبہ میں تین قسم کے مسائل ذکر کیے ہیں اور ہر فن کے لیے ایک الگ الگ عالم کا انتخاب کیا ہے تو یہ انتخاب بذاتِ خود تقلید کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ یہ تینوں حضرات اپنے اپنے فن کے ماہر تھے اور ان کی مہارت پر دلیل شرعی تھی کہ ان کی شہادت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی۔ اگر ان حضرات پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل اعتماد ہو سکتا تھا تو کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اعتماد نہیں ہونا چاہیے تھا؟ یقیناً ایسا ہی تھا حالانکہ صحابہ کرام میں بہت سے علماء اور بھی موجود تھے لیکن ان تینوں کا ذکر اس لیے

کیا کہ ابی بن کعب کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا کہ اللہ تعالیٰ اس سے قرآن سننے کو پسند کرتا ہے (مشکوٰۃ) حضرت سہاذ کو آپ نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو اس پر مکمل اعتماد اور خوشی کا اظہار فرمایا اسی طرح حضرت زید کے علم کا ماحر ہونا بھی آپ کی زبانی ثابت ہے تو پھر یہ تقلید کیسے ہو گئی؟ ایک طرف تو اصول دالے تقلید کی تعریف میں دلیل کے نہ ہونے کی قید لگاتے ہیں اور ان حضرات کے عالم ہونے میں کسی کو شک نہیں تو پھر کسی مزید دلیل کی ضرورت کیا۔ پھر ان قیول حضرات سے قیاس کی سخت نفی آئی ہے۔ عنقریب اس کا ذکر کیا جائے گا۔ (انشاء اللہ) جب یہ قیاس کے قائل نہیں تھے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی رائے سے فتویٰ دیتے۔

والبعث — تین صحابہ کا ذکر فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو کسی ایک میں معصوم نہیں جانتے تھے اور یہ بات تقلید شخصی کے زبردست خلاف ہے کیونکہ تقلید شخصی میں صرف ایک شخص کی ہر بات کو بغیر دلیل کے قبول کرنا ہوتا ہے اور یہاں تین افراد کا ذکر ہے۔ خامساً — خود مقلدین کا محل اس کے خلاف ہے اس لیے کہ یہ ایک ہی امام پر تمام انحصار کر کے احادیث سے دامن چڑھائے ہوئے ہیں۔ فیاللعجب للمقلد المتعصب۔

تقلید عہد صحابہ کرام میں

بعض لوگ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ صحابہ کرام میں تقلید کا عنصر پایا جاتا تھا۔ حالانکہ یہ بات مسئلہ ہے کہ تمام صحابہ کرام تقلید سے بری تھے اور کوئی شخص کسی صحابی کا نام لے کر یہ جرات نہیں کر سکتا ہے کہ فلاں صحابی فلاں کا مقلد تھا۔ اگر کسی صحابی نے دوسرے صحابی کے فتویٰ پر عمل کیا ہے تو ہم اس کو قطعاً تقلید نہیں کہہ سکتے۔ کسی ایک مسئلہ میں کسی کی بادل اتباع کرنا تقلید نہیں ہو سکتی پھر صحابہ کرام کی اتباع تقلید کے ذمہ سے اس لیے بھی خارج سمجھی جاتی ہے کہ صحابہ کو جب کوئی مسئلہ درپیش آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حل دریافت کر لیتے۔ جب رحمت عالم رفیق الاعلیٰ کے پاس تشریف لے گئے تو پھر جو مسئلہ پیش آتا تو اس کا حل اہل علم سے دریافت کیا جاتا۔ کئی دفعہ ایسے بھی ہوئے کہ مطلوبہ مسئلہ میں کسی صحابی سے دلیل نہیں ہوتی تو پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف رجوع کیا جاتا جیسا کہ مسئلہ اکسال ہے جب

اس مسئلہ میں اختلاف واقع ہوا تو اس کا حل سوائے حضرت عائشہؓ کے کسی اور سے نہ ہو کیونکہ یہ ایک ازدواجی اور بنی مسئلہ تھا۔ اسی طرح اگر کسی مسئلہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس بھی دلیل نہ ہوتی تو وہ کسی اور زوجہ محترمہ کی طرف رجوع کا حکم فرمادیتیں جیسا کہ نماز عصر کے بعد نوافل ہیں۔ تمام صحابہ کرام ایک دوسرے سے مسائل پوچھتے اور ان میں کسی قسم کی عار محسوس نہ کرتے۔ حضرت امام شعبیؒ فرماتے ہیں۔ حضرت عمرؓ۔ ابن مسعودؓ۔ زید بن ثابتؓ۔ علیؓ۔ ابی بن کعبؓ۔ ابو موسیٰ اشعریؓ رضی اللہ عنہم ایک دوسرے سے ضرورت اور حاجت کے وقت مسائل پوچھا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ رضی اللہ عنہما کا مسائل کے حل میں یہ طریق کار تھا کہ سب سے پہلے کتاب اللہ اور پھر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے۔ اگر وہاں سے حل نہ پاتے تو صحابہ کرام کو جمع فرماتے اور اس کے بارے میں استفسار فرماتے۔ اگر کوئی حدیث مل جاتی تو اس پر عمل کرتے ورنہ صحابہ کرام کے مشورہ سے جو طے ہوتا۔ اس پر عمل کر لیتے۔

ان دلائل کے باوجود اگر کوئی صاحب یہ سمجھیں کہ صحابہ کرام مقلد تھے یا اس مبارک دور میں تقلید کا وجود تھا تو ہم اس کی نادانی اور علم سے ناواقفیت سمجھیں گے یا پھر وہ تعصب سے کام لیتے ہوئے دلائل وبراہین سے انماض کرتے ہیں۔ ہم ان مقدس ستیوں کو تقلید کا الزام کیسے دے سکتے ہیں جو علم کے ستون، وحی کے اولین متعلین، علم میں گہرے، تحقیق و تعقب سے کوسوں دور اور عامل بالسنۃ تھے۔

پھر ان حضرات کو دیکھو جو حدیث اصحابی کا لہجہ بالیہ تھا اقتدیہم اقتدیہم کو درست اور قابل استدلال بھی مانتے ہیں (کہ صحابہ ہدایت کے ستارے تھے) اور پھر ان پر تقلید کا الزام بھی دھرتے ہیں (کیا ہدایت علم کے بغیر آسکتی ہے) اس سے بڑھ کر صحابہ کرام کی کیا گستاخی ہو سکتی ہے؟ ایک طرف صحابہ کو علم سے کورے ثابت کرنے کی کوشش دوسری طرف ہم بھڑکے ہیں۔ دوسری طرف متاخرین کو بحر العلوم اور خدا جانے کیا کیا القاب سے نوازتے ہیں۔

ہے بے نیازی حد سے گزری بندہ پرورد کب تلک

ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرمائیں گے کیا؟

باب دوم ردِ قلب

قرآن و حدیث میں ایسے بے شمار دلائل موجود ہیں جو تقلید کی صراحت سے نفی کرتے ہیں۔ ہم اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے تارمین کرام کے لیے قرآن کریم - حدیث رسول اور آثارِ صحابہ کرام کو پیش کرتے ہیں۔ قرآن کریم اسلام کے تمام بنیادی و اصولی مسائل پر حاوی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً

قرآن میں مکمل وضاحت، ہدایت اور رحمت ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پر عمل کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے،

فَاَسْمِعْكَ بِالَّذِي اَوْحٰى اِلَيْكَ اَنْتَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (زفر ۲۳)

آپ وحی پر عمل کریں۔ بلاشبہ آپ میرے رستے پر ہیں۔

آپ صراطِ مستقیم پر کیوں ہیں اس لیے کہ آپ وحی پر عمل کرتے اور اس کے مطابق فیصلہ کرنے کے پابند ہیں۔

وَ اِنْ اَخْلَسُوْا سُبُوْحًا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَسْمِعْ اَهْوَاْهُمْ (الانبیاء ۱۰۷)

آپ وحی کے ساتھ فیصلہ کریں اور لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔

اس آیت میں اس بات کا حکم ہے کہ پیروی صرف وحی کی ہو سکتی ہے۔ فیصلہ وحی کے ذریعے ہو

سکتا ہے۔ وحی کی موجودگی میں اہوا و خواہشات، دوسرے نقطوں میں آزاد و قیاسات کی تقلید

نہیں ہو سکتی پھر اس آیت کے مخاطب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کا ہر قول و فعل تمام

مسلمانوں کے لیے اسوہ ہے۔ بنا بریں مسلمانوں کو قیاسات چھوڑ کر کتاب و سنت کو مشعل راہ بنانا

چاہیے کیونکہ ان دونوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور ان کے علاوہ فتویٰ دینا درست نہیں

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ اے رسول آپ کے لیے یہ درست نہیں کہ

آپ با علم فتویٰ دیں۔

گویا اس آیت میں بغیر علم کے فتویٰ دینا جائز نہیں اور جو شخص دجی کو چھوڑ کر اپنی مرضی سے کسی اور بات پر عمل کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مجرم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَا تَقُولُوا لِمَا كُنْتُمْ تَكْذِبُونَ ۚ هَذَا حَزَنًا رَّغِبْنَا عَنْهُ ۚ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ۚ

مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَلِيمٌ۔ (احض ۱۱۶-۱۱۷)

تم اپنی زبانوں سے نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔ تاکہ تم اللہ پر جھوٹ باندھو صحیحین وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ یہ قلیل فائدہ ہے اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک۔

اس آیت کریمہ سے چند امور اخذ کیے جاسکتے ہیں۔

- ۱۔ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دے کر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ کرو۔
- ۲۔ دنیاوی غرض کے لیے اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات نہ لگاؤ۔ جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی نہیں۔
- ۳۔ اللہ تعالیٰ پر اقرار یا جھوٹ باندھنا بہت بڑا مجرم ہے۔

۴۔ جھوٹ باندھنے والا کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

- ۵۔ ایسے شخص کو دنیاوی سامان یا فائدہ تو حاصل ہو جائے گا لیکن اس کا انجام عذاب الیم ہوگا۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

قُلْ أَذْنَيْتُمْ مَا أَنزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِثْلَهُ حَرَامًا وَحَلَالًا ۚ قُلْ إِنَّهُ أَذْنٌ لَكُمْ أَمْرٌ عَلَى اللَّهِ تَنَقَّزُونَ۔ (یونس ۵۹)

آپ کہہ دیجئے یہ تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو کچھ رزق بھیجا تھا پر تم اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال کر دیتے ہو۔ یہ اللہ نے حکم دیا تھا

یا تم اپنی طرف سے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ (تھاوی)

وہ بات جس کا حکم یا اذن اللہ تعالیٰ نے نہ دیا ہو اور اس کو شریعت کا درجہ دے کر اس پر عمل کیا جائے تو کیا وہ اللہ تعالیٰ پر اقرار نہ ہوگا۔ کیوں نہیں ضرور اقرار ہوگا اور اسی اقرار کا نام تقلید ہے

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کی تقلید کا حکم نہیں دیا۔ پس اگر تقلید کو واجب سمجھا جائے اور اس کے درجہ پر کوئی دلیل بھی نہ ہو تو وہ افتراء نہیں تو اور کیا ہوگا ؟

اہل کتاب کی تقلید

اہل کتاب بھی اسی قسم کی تقلید میں مبتلا تھے کہ انہوں نے احکام خداوندی سے اعراض کر کے اپنے علماء کی تقلید کرنا شروع کر دی تھی جس کی وجہ سے ان کا تعلق تورات و انجیل سے نہ رہا بلکہ علماء کے خود ساختہ فتوؤں پر عمل پیر ہو گئے جس کی مذمت قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سخت الفاظ سے بیان فرمائی ہے :-

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا أَحَدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ . (التوبہ ۳۱)

ان لوگوں (اہل کتاب) نے اپنے مولیوں اور درویشوں کو اور حضرت مسیح کو اللہ کے برا خدا بنالیا۔ حالانکہ ان کو صرف یہی حکم ملا تھا کہ وہ ایک خدا کی عبادت کریں۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ یہ جو شرک کرتے ہیں وہ اس سے پاک ہے۔
اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت عدی بن حاتم کی مشہور حدیث وارد ہوئی ہے جس کو امام تہذیب نے ذکر فرمایا ہے۔ حضرت عدی بن حاتم جو پہلے عیسائی تھے بعد میں اسلام قبول کر لیتے ہیں فرماتے ہیں :-

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا وہ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے تو میں نے کہا اللہ کے رسول! ہم نے ان کی کبھی عبادت نہیں کی اور نہ ہی ہم ان کو رب مانتے تھے۔ تو سرور عالم نے فرماتے ہیں :-

أَمَّا أَنْتُمْ لَعْنَةُ كُوفٍ أَعْبَدْتُمْهُمْ وَلَكِنْ هُمْ إِذَا أَحْبَبُوا الْحَمَّ شَيْئًا اسْتَحْلَوْهُ وَإِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوهُ۔ وہ اپنے علماء کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ جب ان کے علماء کسی چیز کو حلال کہہ دیتے تو وہ اسے حلال کر لیتے

اور جب وہ کسی چیز کو حرام قرار دیتے تو وہ اسے حرام تسلیم کر لیتے (ترمذی ص ۱۳۶)
 اس آیت کی اس مذکورہ تفسیر سے ان حضرات کا بھی اتفاق ہے کہ اہل کتاب کا معاملہ ایسے
 ہی تھا کہ وہ صرف علماء کی باتوں کو واجب العمل سمجھ بیٹھے تھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام
 کی طرف رجوع کرنا ترک کر دیا تھا بلکہ صرف علماء کے حکم پر بلا سوچے سمجھے سرٹھکا دیتے۔ ان کی
 اس روش کو اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی عبادت سے تعبیر کیا ہے۔ تقلید بھی اسی کا نام ہے کہ امام
 کی بات کو بلا چون و چرا قبول کر لیا جائے اور اس پر کسی قسم کی دلیل طلب نہ کی جائے۔ امام اہل
 سے یا اپنی رائے سے کسی چیز کو حلال یا حرام کہہ دے تو اس کو فوراً قبول کر لیا جائے۔ دامالقلد
 مستندہ قول مجتہد کہ مقلد کو صرف مجتہد کا قول کافی ہوتا ہے۔ بعض لوگ مغالطہ دینے کی
 کوشش کرتے ہیں کہ ہم ایسی تقلید کے بالکل قائل نہیں کہ امام کو حلال و حرام کا اختیار دے دیا جائے
 یا ان کو شاری کی حیثیت دے دی جائے۔

لیکن یہ مغالطہ محض دھوکہ ہے اس لیے کہ جب تقلید کی تعریف ہی ایسے ہے کہ مقلد امام
 کے قول کی تحقیق نہیں کر سکتا۔ پھر امام کا قول حدیث کے مخالف ہو تو مقلد حدیث کو چھوڑ دے
 لیکن وہ امام کے قول کو نہیں چھوڑ سکتا تو پھر یہ دعویٰ کیسے باقی رہا؟ حقیقت میں مقلدین کی تقلید
 اور اہل کتاب کی تقلید میں ذرہ بھر فرق نہیں۔ ہمارے دور کے علماء جب فتویٰ دیں گے تو بات
 قول امام پر ختم کریں گے تو پھر یہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ ان کی حالت اہل کتاب کی حالت سے
 مختلف ہوگی۔ آج تو تعصب پہلے سے بہت زیادہ ہے اس لیے کہ متقدمین فروع کی حد تک
 تقلید کے قائل تھے لیکن موجودہ دور کے متعصبین فروع میں ایک امام کی تقلید اور عقائد میں دوسرے
 کی۔ تو آج سے سینکڑوں برس پہلے کی حالت کو امام رازی نے اپنے الفاظ میں یوں ذکر فرمایا ہے:

ترجمہ: میں نے فقہاء کی ایک جماعت کا مشاہدہ کیا اور ان کے بعض مسائل جو کتاب و سنت
 کے منافی تھے۔ میں نے ان کے رد میں آیات تلاوت کیں لیکن انہوں نے نہ آیات
 کو قبول کیا نہ ان کی طرف توجہ کی۔ بلکہ میری طرف عراقی سے دیکھنے لگے اور کہنے
 لگے کہ جب ہمارے سلف نے ان آیات پر عمل نہیں کیا تو ہم ظاہری مطالب کو
 کیسے قبول کر سکتے ہیں۔ امام رازی اس واقعہ پر ان الفاظ میں تبصرہ فرماتے ہیں:

دو تاملت حق التامل وجبت هذا الداء سارياً في عروق الاكثرين من
 اهل الدنيا۔ اگر کوئی مقلدین کے بارے میں صحیح تحقیق کرے تو وہ دیکھے گا یہ مرن
 کتاب وسنت پر عمل نہ کرنا اور امام کے قول کو لازم پکڑنا اکثر اہل دنیا کے رگ و
 ریشہ میں سرایت کر چکا ہے۔

یہ امام رازی کے الفاظ تھے جن کا علم و فضل، تقویٰ و ورع اہل اسلام میں ستم ہے اور ان کو مقلدین
 کی فہرست میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ بحر العلوم حضرت امام شوکانی اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں
 فرماتے ہیں۔

فان طاعة المذهب لمن يقتدي بقوله ويستن بسنته من علم
 هذه الامة مع مخالفته لما جازت به النصوص وقامت به جميع
 الله وبراهينه ونطقت به كتبه وانبياءه۔ هو كاتخاذ اليهود
 والنصارى للامبار والهيان ارباباً من دون الله للقطع بانهم لم يهدوهم
 بل اطاعوهم وحرموا ما حرموا وعلوا ما علوا وهذا هو ضيع المقلدين من
 هذه الامة وهو اشد من شبه السبعة بالبيضة والتمرة
 بالتمرة والمار بالمار فباعوا الله ويا اتباع محمد بن عبد الله ما
 بالكم تركتم الكتاب والسنة جابياً وصدتم اهل رجال هم مشكم
 في تمديد الله لهم بها وطلبكم منهم للعمل بما دلا عليه واذا
 فعلتم بما جازوا به من الآراء التي لم تعد بعد الحق ولم تعضد
 بعضد الدين ونصوص الكتاب والسنة۔

یہ آیت ہر عقل و بصیرت والے انسان کو تعلیم سے باز رکھتی ہے اور ائمہ کے
 اقوال کو کتاب وسنت کے مقابل میں ترجیح دینے سے روکتی ہے۔ جو لوگ نفوس
 دلائل کی مخالفت کر کے علماء و ائمہ کی آراء کی تعمیل کرتے ہیں۔ ان کا طرز عمل یہود و
 نصاریٰ سے ملتا جلتا ہے۔ انہوں نے اپنے علماء کو اور اہل بیت کو رب بنالیا تھا۔ یہ
 بات پختہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنے ائمہ اور علماء کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ ان

انہیں وہ ان کی اطاعت کرتے تھے۔ جس چیز کو وہ حلال کہتے حلال سمجھتے اور جس کو حرام کہتے ان کو حرام قرار دیتے تھے۔ موجودہ مقلدین کا طرز عمل بھی بالکل اسی طرح کا ہے۔ جیسے انڈے دوسرے انڈے کے اور کچور دوسری کچور کے مشابہ ہوتی ہے۔ انہوں کا مقام ہے کہ لوگوں نے کتاب و سنت کو چھوڑ کر اپنے جیسے رجال کی عبادت شروع کر دی۔ ان کے افکار و آراء کی پیروی کرنے لگے۔ خواہ کتاب و سنت سے ان کے آراء و افکار کی تائید نہ بھی ہوتی ہو۔ حالانکہ کتاب و سنت کی نفوس بیانگ و اصل ان کی تردید کرتی ہے

وما انا الا من غزیتہ ان غوت

غویت ان ترشد غزیتہ ارشد

امام انصر حافظ محمد بن ابراہیم جو ناگزیر فرماتے ہیں :

اقبلوا علی الاراء المختلفۃ والاقوال المختلفۃ وقلدوا الرجال فی

دین اللہ واتخذوا احبارہم ورجلانیہم اربابا من دون اللہ

انہوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ کر بزرگوں کی مختلف آراء اور ان کے اذغوا ایجاد

کردہ اقوال کی تابعداری شروع کر دی۔ انہوں نے شرعی مسائل میں اپنے آئمہ کی

تقلید شروع کر دی اور اپنے علماء اور فقہاء کو خدا کے علاوہ رب بنالیا۔

مسلمانوں کو اس آیت میں اس مذہب طریقت پر چلنے سے روکا گیا لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے اللہ

تعالیٰ کے نبی علیہ السلام کے دُنیائے الگ ہونے کے تھوڑے زمانے بعد اسی روش کو اختیار

کر لیا۔ وہی بزرگوں کی راہیں، فقہاء کے اقوال، اماموں کی تقلید انہوں نے نہ بھی شروع کر دی۔ ابن

ابی حاتم میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ نبی اسرائیل پر جب کچھ زمانہ گزر گیا اور

ان کے دل سخت ہو گئے تو انہوں نے اپنی طرف سے اپنی رائے اور قیاس سے مسائل نکالے اور

انہیں بصورت کتاب لکھ لیا۔ جن میں سے اکثر کتاب اللہ کے صریح خلاف تھے۔ پھر اس مجموعے

کو دین سمجھنے لگے اور ان کتابوں پر عمل درآمد کرنے لگے بلکہ آدمیوں سے بھی انہی کے منوانے

کے درپے ہو گئے۔ یہاں تک کہ اکثریت اسی پر ہو گئی معدد دوسے چند اللہ تعالیٰ کے خاص

بند سے ایسے رہ گئے جو وحی خداوندی سے چمٹے رہے تو ان تحریرت کرنے والوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ آؤ اپنے مذہب کی تبلیغ اب بالبحر شروع کر دیں جو اسے ماننے وہ ہمارا اور جو نہ مانے اس سے اپنا دین منوائیں اور پھر بھی نہ مانے تو قتل کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

مسلمانو! اللہ عزت حاصل کرو۔ آج وہی روش ہم میں آگئی۔ کیا ہدایہ، شرح وقایہ، فتاویٰ عالمگیری، کنز، قدوسی، درختار اور رد المحتار کے مجموعے خدا کی طرف سے ہیں۔ کیا ان میں رائے قیاس نہیں۔ کیا ان کے اکثر و بیشتر مسائل از خود ایجاد کردہ نہیں۔ کیا ان کتابوں کی طرف اور دلوں کو نہیں بلایا جاتا؟ کیا تقلید اور فقہ کے منوالنے کے لیے پوری کوشش نہیں کی جاتی؟ (طریق محمدی ص ۱۱) یقیناً سبھی کچھ ہو رہا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر گل کھلائے جا رہے ہیں۔ بنی اسرائیل تو شاید مخالفین پر بہتان نہ باندھتے ہوں لیکن موجودہ مقلدین جب دلائل سے عاجز آجاتے ہیں تو اہل حدیث علماء کی طرف ایسے غلط اور خود ساختہ مسائل منسوب کرتے ہیں جن کا علماء اہل حدیث تصوق تک نہیں کر سکتے۔ آج کی روش، خدا پناہ، نام نہاد مسائل فقہ کو جس طریقہ سے درست ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے وہ رہبانیت کی تقلید سے کسی طرح بھی کم نہیں۔

مقلدین کا ایک گناشتہ جو علم سے کورا، فراست سے عاری، تعصب سے لبریز، ہرجگہ اور سر تقریر میں علمائے اہل حدیث کے نام غلط مسائل منسوب کر کے ان پر کفر کی گن متین چلائے ہوئے ہے۔ شیخ الاسلام شفاء اللہ مرحوم سے تو اس کو خصوصی عناد ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایسا عناد اس کو غیر مسلموں سے بھی نہ ہو۔ یہ سبھی بوالعجیاں علماء کو ارباب بنانے کی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی آدمی مراط مستقیم سے ہٹ کر دو سراسر اختیار اختیار کرتا ہے۔ تو ان کو وہ سبھی حربے استعمال کرنے پڑتے ہیں جن سے شیطان خوش ہو۔ لہٰذا ظن میں رحمان کی رضا تو نہیں ہو سکتی البتہ شیطان ضرور راضی ہو جاتا ہے۔

اَتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ دَرْتِكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ اَوْ لِيَاكُمُ

جو تمہاری طرف اتارا گیا ہے صرف اس کی پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اولیاء

کی پیروی نہ کرو۔

اس آیت کریمہ میں صرف وحی کی اتباع کو لازم قرار دیا ہے۔ وحی کتاب و سنت کا نام ہے۔

ان دونوں کی موجودگی میں تیسری چیز کی اتباع نہیں ہو سکتی۔ بعض لوگ یہ مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ علماء کی اتباع (تقلید) بھی اللہ اور رسول کی اتباع کے تابع ہے، بالغرض اس مغرور کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے تب بھی تقلید کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

۱۔ اس لیے کہ اگر علماء کی اطاعت کو کتاب و سنت کے تابع کیا جائے تو متبوع تابع سے افضل ہوتا ہے اور افضل کی اطاعت بالادنیٰ (زیادہ مناسب) ہو گئی۔

۲۔ اگر کسی مسئلہ میں کسی عالم کا قول کتاب و سنت کے موافق سمجھ کر قبول کیا جائے تو وہ اطاعت عالم کی نہیں بلکہ براہ راست کتاب و سنت کی ہوگی۔

۳۔ عالم کا قول وحی کے مخالف ہو اور اس کی اتباع کی جائے تو اس آیت شریفہ کی وجہ سے یہ کسی طرح درست نہیں۔

۴۔ علماء سے اختلاف کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ جب ان سے اختلاف ہو جائے تو مغالطہ کو اصل (کتاب و سنت) کی طرف لوٹانا ضروری ہوگا۔ اس وقت ائمہ کی اتباع یا اطاعت کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ بلکہ وحی کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْصُوا مَوَائِدَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ
إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے آگے مت بڑھو۔ اور ڈرو اللہ ہے۔
بے شک اللہ تعالیٰ سنبھالنے والا ہے۔

اللہ اور رسول متلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگے بڑھنے کا مطلب کیا ہے؟ تو یہ واضح ہے کہ اللہ نے زمین پر اگرچہ چل قدمی تو نہیں کرنی بلکہ مقصد اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول عالم متلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے آگے مت کسی اور کے قول و فعل کو بڑھاؤ۔ یہ حکم واضح ہے اور اس میں کسی فریق کو اختلاف نہیں کہ آیت کا مفہوم یہی ہے کہ قال اللہ وقال الرسول پر کسی قول کو ترجیح نہیں، لیکن انوس کو مقلدین اپنے امام کے قول کو قال اللہ وقال الرسول پر ترجیح دینے کے لیے دلیل کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے بلکہ بقول مولانا عثمانی جب امام اور حدیث میں مخالفت واقع ہو تو حدیث کو ترک کر دینا چاہیے کیونکہ اس سے اضر تفری اور گمراہی لازم آتی۔

ہے بس اسی کا نام تقلید ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو چھوڑ کر امام کی بات کو قبول کر لیا جائے۔ جس کا اندازہ آپ کو سالقہ اور اراق سے ضرور ہو گیا ہوگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ تِلْكَ أُمَّةٍ قَدِ افْتَرَتْ بَيْنَ يَدَيْهِمْ أَلْفَ سَلْسَلَةٍ لَّا تَنصُرُونَهُ

ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی علیہ السلام کی آواز سے اونچا نہ کرو اور نہ ہی بات کو بلند کرو جیسا تم آئین میں کرتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے عمل ضائع ہو جائیں اور تمہیں شعور و علم نہ ہو۔

رسول اکرمؐ سے اپنی آواز کو بلند کرنا اس لیے جرم ہے کہ اس میں گستاخی کا پہلو ہے تو کیا آپ کے قول و فعل کو ترک کر کے ایرے غیرے کے قوی کو واجب العمل سمجھا جائے تو اس سے زیادہ گستاخی نہیں ہوگی؟ یقیناً آپ کی سنت کو ترک کرنے اور امتی کے فعل کو واجب سمجھنے میں زیادہ گستاخی پائی جاتی ہے۔ اس گستاخی کا نتیجہ خود اللہ کریم نے اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ اگر تم ایسی گستاخی کے مرتکب ہوئے تو تمہارے عمل ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں ان کے ضائع ہونے کا علم بھی نہیں ہوگا۔

اس آیت کریمہ سے تقلید کے رد میں جو پہلو نکلتے ہیں، وہ یہ ہیں:

اس آیت کے مخاطب صحابہ کرام تھے جو ایمان کے مضبوط قلعہ میں محصور تھے۔ ان کو آواز بلند کرنے کی اجازت نہیں تو بعد والوں کو جو صحابہ کرام سے ایمان، مقام، فضیلت، مرتبہ، اور علم میں کبھی برابری نہیں کر سکتے۔ یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ آراء الرجال کی تقلید واجب ہے اور حدیث پر عمل سے افراتفری اور گڑبازی لازم آتی ہے؟ فیالجب

نکطف کی بات یہ ہے کہ رسول اکرمؐ کی اس قدر گستاخی کرنے سے پھر بھی یہ حضرات بالآباد اور اہل حدیث جو تتبع سنت ہوتے ہوئے کسی کے قول و فعل کو رسول اکرمؐ کے قول و فعل سے بلند نہیں کرتے، یہ گستاخ۔ لیکن جب ہم کہتے ہیں کہ آؤ گستاخی کی تعریف تو کرو۔ کیا ذبانی محبت کے دعوؤں سے محبت ثابت ہو سکتی ہے تو اس وقت ان کے پاس سوائے لعن طعن کے کوئی حربہ نہیں ہوتا۔ واللہ سوچو۔ رسول اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے بڑھ کر کیا گستاخی ہو سکتی ہے

کہ ایک طرف آپ کا فرمان ہوا اور اسے گمراہی اور افتراقی کا سبب سمجھ کر عمل نہ کیا جائے اور محض ہوائے نفس سے خود ساختہ مسائل کو واجب الاتباع سمجھ لیا جائے۔

اس سے بڑھ کر اور کیا گستاخی ہوگی کہ آپ کے معنی اللہ فرمان کی ریک۔ ماقط الاعتبار بے ہودہ اور پراگندہ تاویلات کی جائیں اور ساتھ ہی صحابہ کرام کو فقہ اور غیر فقہ کے ترازو میں تو لایا جائے جس صحابی کی حدیث آپ کی نظر میں امام کے قول کی تائید میں آئے تو اسے فقہ ورنہ باقی تمام کو غیر فقہ کے پڑے میں ڈال کر ان کی روایت کردہ احادیث کو محض اس وجہ سے چھوڑ دیا جائے کہ یہ عقل حلی کے خلاف ہیں۔ آراء الرجال پر عمل کرنے سے جو رسول اکرم کی گستاخی کا پہلو نکلتا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ اگر صحابہ کرام آپ کی آواز سے بلند آواز نہیں نکال سکتے تو آج کے مقلدین کو کیا حق ہے کہ آپ کی حدیث کی موجودگی میں آراء الرجال کو قابل عمل سمجھیں۔

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّهُمْ لَنُغْنُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَبَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ۔ (الحجۃ، ۱۸، ۱۹)

پھر کیا ہم نے تجھ کو قائم اوپر شریعت کے یعنی راہ کشادگی افروہن سے پس پیری کر اس کی راہ کی اور مت پیری کر خواہشوں کی ان لوگوں کی جو کہ نہیں جانتے۔ تحقیق وہ ہرگز نہ کفایت کریں گے تجھ سے اللہ سے کچھ اور تحقیق ظالم بعض ان کے دوست ہیں بعض کے اور اللہ دوست ہے پرہیزگاروں کا۔

امام ابن القیم اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے امر کی تعلیم و دھوسوں میں کی ہے۔ ایک جودھی کے ذریعے ہو، دوسرا جو لوگوں کی احوال اور خواہشات ہوں۔

اَوَّلُ کی اتباع واجب ہے جب کہ دوسرے پر عمل کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ دجی قال اللہ وقال الرسول ہے۔ آثار صحابہ اگرچہ دجی میں داخل نہیں ہیں لیکن دجی کے مشاہدے اور محبت رسول کی وجہ سے اس سے گہرا تعلق ہے۔ اس کے بعد جو ہوگا وہ اتباع اہل ہوا ہوگا اور

اسی کا نام ہی تقلید ہے۔

فَاِنْ تَنَادَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ -

اگر کسی مسئلہ میں جھگڑا ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔

اس سے قبل دس حصہ میں ادلی الامر کی اطاعت کو اللہ اور رسول کے تابع لاکر بیان کیا ہے پھر اس کے بعد یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر علماء سے اختلاف ہو جائے تو اس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے کتاب و سنت کی طرف رجوع کرو۔

صحابہ کرامؓ میں جب کسی معاملہ میں اختلاف واقع ہو جاتا تو وہ کتاب و سنت کی طرف رجوع کرتے اور جب انہیں کتاب و سنت کی دلیل مل جاتی تو کسی ایک کو بھی اختلاف نہ رہتا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا معاملہ نیز مدنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور وراثت نبوی کا معاملہ بھی اس وقت ختم ہو گیا جب مدینہ الامۃ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان فرمائیں۔

فَاِنْ تَنَادَعْتُمْ فِي شَيْءٍ مَّكْرَهًا فَهِيَ فَرْقٌ بَيْنَ شَرْطٍ مِّنْ دِيْنٍ وَبَيْنَ مَطْلَبٍ مِّنْ دِيْنٍ -

اجمع الناس ان الرد الى الله سبحانه هو الرد الى كتابه والرد الى

الرسول بعد موته هو الرد الى سنته۔ (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۹۷)

اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ اللہ کی طرف معاملہ کا پھیرنا اصل میں کتاب اللہ کی طرف پھیرنا ہے۔ اسی طرح آپ کی وفات کے بعد احادیث کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اس رجوع کو اتباع کہتے ہیں اگر دونوں کے علاوہ کسی اور کی طرف رجوع کیا جائے تو یہ تقلید ہے جس کی اس آیت کی وجہ سے کسی صورت میں بھی اجازت نہیں۔

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ اَنْهُمْ لَا يُعْقِدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ -

(سورہ قصص رکوع ۵ آیت ۵۰)

پس اگر نہ قبول کریں واسطے تیرے پس جان تو کہ سوائے اس کے نہیں کہ وہ سر دی

کہتے ہیں خواہشوں اپنی کی اور کون شخص ہے بہت گمراہ کہ اس سے کہ پیروی کرتا ہے خواہش اپنی کی بغیر ہدایت کے خدا کی طرف سے تحقیق اللہ نہیں ہدایت کرتا قوم ظالموں کو۔

اس آیت میں استجاب کا حکم صرف رسول اکرم کے لیے ہے جو آپ سے منہ پھر کر غیر کی طرف جھکتا ہے۔ وہ خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور ایسے شخص کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی، کیونکہ ہدایت کا دار و مدار صرف آپ کی معیت اطاعت و اتباع میں پوشیدہ ہے۔ تقلید کی تعریف میں ہم واضح کر آئے ہیں کہ اتباع اور چیز ہے، تقلید اور۔ یہ دو لفظ متضاد اور ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ یہاں اتباع ہوگی وہاں تقلید نہیں ہوگی اور جہاں تقلید ہوگی وہاں اطاعت معدوم ہوگی۔ تقلید والوں کو اتباع درست نظر نہیں آتی اسی لیے تو فرماتے ہیں کہ حدیث پر عمل کرنے سے افراتفری اور گمراہی لازم آتی ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلَىٰ نَتَّبِعُهُ مَا آَلَيْنَا عَلَيْهِ
الْبَاءَ نَاطَ أَوْ لَوْ كَانَ آبَاءُؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ۝

آج کے مقلدین حضرات کے طرز عمل پر غور فرمائیے۔ جب کوئی مسئلہ قولِ امام کے خلاف آجاتا ہے تو مادیات کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں لیکن اگر مادیات بھی ناکافی ثابت ہوں تو پھر اس اصول کو اپنانا جاتا ہے۔ یہی علینا تقلید امامنا ہم کسی صورت میں بھی اپنے بڑے (امام) کے قول کو نہیں چھوڑ سکتے خواہ حدیث کی عصمت و عظمت باقی ہے یا نہ رہے، اس کی مثالیں ہم تقلیدی کرمشوں میں ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز
وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ
لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ۔ (الاحزاب رکوع سورۃ ۵ آیت ۳۶)

اور نہیں ہے لائق واسطے کسی مرد و مسلمان کے اور نہ عورت مسلمان کے جس وقت کہ مقرر کرے خدا اور رسول اس کا کوئی کام یہ کہ ہووے واسطے ان کے اختیار۔

اس آیت میں ہر مومن مرد و عورت کو اس بات سے خبردار کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں یا آپ کے فیصلے کو بدل دیتے ہیں۔ پھر لفظ مؤمن

نکرہ ہے جس میں ہر شخص شامل ہے جو ایماندار ہو غواہ وہ عالم ہو یا جاہل، مجتہد ہو یا اجتہاد سے عاری، شیخ ہو یا مقلد۔ اگر کوئی بھی آپ کے فیصلے کو رد کرتا ہے تو اس کے لیے عذاب الیم کی سخت وعید ہے۔

کتب اصول میں یہ الفاظ وضاحت کے ساتھ ملتے ہیں کہ حامی کس لیے (جو جاہل ہو یا اجتہاد نہ کر سکے) امام کے قول کو چھوڑ کر کتاب و سنت کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہیے۔ اگر رجوع کرے گا تو وہ مقلد نہیں رہے گا۔ کیونکہ رجوع کرنے میں دلیل کی حاجت ہوگی جو تقلید کے بالکل خلاف ہے۔

اگر دایم تقلید بچھلنے والوں سے یہ پوچھا جائے کہ جناب بتائیے تو ہسی، قول رسول پر جب قول امام مقدم ہوگا تو کیا رسول کی مخالفت لازم نہ آئے گی۔

قارئین حضرات اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کی نافرمانی سے ایمان ضائع ہو جاتا ہے تو پھر ایسے مستقل اصولوں سے کیا ایمان باقی رہے گا؟

وَإِذَا فَعَلُوا فَخْشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ اتَّقُوا اللَّهَ مَا لَا تَفْلَهُونَ (سورۃ الاعراف رکوع ۳)

اور جس وقت کرتے ہیں بے حیائی کہتے ہیں پایا ہم نے اور پر اس کے باپوں اپنوں کو اور اللہ نے حکم دیا ہم کو ساتھ اس کے کہ تحقیق اللہ نہیں حکم کرتا ساتھ بے حیائی کے کیا کہتے ہو اور پر اللہ کے جو کچھ نہیں جانتے۔

امام شوکانی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

اس آیت میں مقلدین کے لیے درس پند و مواعظ ہے جو خلاف حق مذاہب میں اپنے آباء کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ کفار کی پیروی ہے اہل حق کی پیروی نہیں۔ مقلدین بھی یہی کہتے ہیں۔ ہم نے اکابر کو ایک مذہب پر پایا اور ہم ان کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔

مقلد اسی فریب میں مبتلا ہوتا ہے کہ اس نے اپنے اکابر کو اس روش پر پایا اور اس کا حکم خدا نے ہی دیا تھا۔ اگر مقلد اس دھوکے کا شکار نہ ہوتا تو تقلید پر کبھی قائم نہ رہتا۔ اس غلط فہمی کی اساس

پر یہودی یہودیت پر، نصرانی نصرانیت پر اور بدعتی اپنی بدعت پر قائم ہے۔ اس گمراہ کن روش پر گامزن رہنے کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے اپنے بڑوں کو نصرانیت، یہودیت اور بدعت پر (عمل کرتے) پایا تھا۔ یہ لوگ بڑوں کے بارے میں اتنا حین ظن رکھتے تھے کہ یہ راہ حق سے دُور نہیں ہو سکتے تھے لہذا ان پر یہی اکتفا کر لیتے۔ ان کی اس روش نے ان کو دلائل حق طلب کرنے سے دُور رکھا۔ اسی کا نام تقلید ہے۔ (یہ بات متفق علیہ ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت میں ایک رسول ہی بھیجا تھا جس کی اطاعت کا تمام کو حکم دیا اور مخالفت سے منع فرمایا۔ اگر ائمہ کی محض رائے اور قیاسِ حجت یا واجب الاتباع ہوتی تو اس اُمت کے رسول بھی اتنے ہوتے جتنے مذاہب ہیں۔

اس سے بڑھ کر حق سے بعد اور دُوری کیا ہو سکتی ہے کہ سنتِ صحیحہ کی موجودگی میں ائمہ کی آراء پر عمل کیا جائے اور سنت کو چھوڑ دیا جائے۔ مقلدین کا یہی طریقہ کار ہے کہ وہ سنت کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ ائمہ کی بات کو قبول کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے اندر ایسے علماء موجود ہوتے ہیں جن سے وہ ہر دور میں کتاب و سنت کے دلائل معلوم کر سکتے ہیں۔ عقل و شعور، فہم و ادراک کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔

ان آیات کے علاوہ روئے تقلید میں اور بھی بہت سی آیات ہیں لیکن ہم اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے انہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ طالبِ حق کے لیے تو ایک ہی دلیل کافی ہوتا کرتی ہے لیکن جن کے قلوب پر قفل لگے ہوں ان کے لیے تمام قرآن بھی ہدایت کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

خاتمہ الحمد للہ امام ابن جوزی تقلید میں تبلیس ابلیس بیان فرماتے ہیں۔
ابلیس نے ان مقلدوں پر یہ پرچایا کہ دیلیس کبھی مُشتبہ ہوتی ہیں اور راہِ صواب مخفی ہو جاتی ہے تو تقلید کر لینا سلامت راہ ہے۔ اس راہ تقلید میں بکثرت غلوں گمراہ ہوتی ہے اور عموماً اس سے لوگوں پر تباہی آئی ہے۔

مقلدین کو ہمیشہ دلائل میں اشتباہ پیدا ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ وہ یہی غدر پیش کرتے ہیں کہ اگر ہم امام سے ہٹ کر احادیث پر عمل کریں گے تو احادیث میں اختلاف کی وجہ سے آدمی گمراہ بن جائے گا۔

پھنس جاتا ہے کہ آخر وہ کس حدیث پر عمل کرے لہذا اسلاف اور بزرگوں کو ہی قابل اعتماد سمجھتے ہوئے ان کے قول و فعل کو اپنایا جائے۔ تو مذکورہ آیت میں اس بات کی نفی ہے کہ جب لوگ کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو پھر بڑوں پر الزام لگاتے ہیں کہ ہمارے فلاں نے ایسے کیا، فلاں نے ایسے کیا۔ خود کتاب و سنت کی تحقیق نہیں کرتے کہ کسی ایسے عالم سے مسئلہ دریافت کیا جا سکے جو کتاب و سنت سے فوٹے ہوئے۔

اس سے تعجب خیز معاملہ یہ بھی سماعت فرمائیے کہ جب یہ حضرات قرآن کی آیت پڑھتے ہیں تو اس کا ترجمہ ان الفاظ سے کرتے ہیں کہ بزرگوں نے یوں فرمایا۔ بزرگوں نے ایسے عمل کیا۔ گویا ان کے ہاں بھی کچھ بزرگ ہیں۔ کتاب و سنت کو تقریر سے پہلے محض تبرک کے لیے پڑھتے ہیں اصل مقصد ان کے اقوال کو پیش کرنا ہوتا ہے۔ امام ابن جوزی ان کی اس حالت پر آنسو بہاتے ہوئے فرماتے ہیں :

ابلیس نے اس طرح احمقوں کو قابو میں لاکر محض تقلید کے گرداب میں ڈبو دیا

اور جانوروں کی طرح ان کو قیود (امام) کے پیچھے ہانک لے گیا۔

ہم نے مقلدین کے جو حالات آیات کے ضمن میں بیان کیے ہیں۔ اس میں ذرا بھر غلو سے کام نہیں لیا بلکہ اس سے بھی زیادہ تقلید کے بھنڈ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جہاں ہم نے متقدمین کے بیان و مشاہدات ذکر کیے ہیں وہاں ہمارا ذاتی مشاہدہ بھی اس بات کی بین دلیل ہے کہ یہ لوگ تعصب کے مرض میں اس قدر مبتلا ہیں کہ حامل بالحدیث کو آج بھی طرح طرح لعن و طعن برداشت کرنا چاہتے ہیں۔

تقلید کا رد احادیث سے

اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ احادیث نبویہ علیہ السلام اسلام کا ماخذ اور اصل ہیں۔ جو شخص احادیث کا منکر ہے وہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہے کیونکہ آئمہ السالین کا اجماعی فیصلہ ہے کہ حدیث بھی وحی ہے اور جو وحی کا منکر ہے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا لیکن افسوس کہ سنت نبویہ

کے ساتھ جو زیادتیاں روا رکھی گئیں اس کی مثال کسی دوسری چیز میں نہیں ملتی۔ ہر کسی نے اپنے ملک کو درست ثابت کرنے کے لیے صرف حدیث کی تاویلات کیں بلکہ بہت سی احادیث کا رد کر دیا۔ اس امر کی تفصیل مطلوب ہو تو ہماری کتاب "تاریخ افکار حدیث" میں ملاحظہ فرمائیے۔ اختصار کے ساتھ اس بحث کو اس کے محل پر بھی ذکر کریں گے۔ یہاں صرف احادیث نبویہ سے اس مذہب بدعت کی تردید مقصود ہے جو انکار حدیث کی پہلی کڑی ہے۔

۴۔ عن انس قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا سبنی ان قدرت ان تصیح وقسمی ولس فی قلبک غش لا حد فاضل شعر قال یا بنی وذاک من سنتی ومن احب سنتی فتنہ احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة (مشکوٰۃ ج ۳ ص ۳۱)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے بیٹا اگر تو قدرت رکھتا ہے کہ تو صبح کرے یا شام کرے اور تیرے دل میں کینہ نہ ہو تو ایسا ضرور کر لیکن یہ میری سنت سے حاصل ہوگا۔ اے بیٹا جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

معلوم ہوا کہ کینہ و حسد سے پاک رہنا اس وقت ممکن ہوگا جب رسول اکرمؐ کی سنت پر عمل کیا جائے گا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی سنت پر عمل کیا جائے اگر سنت پر عمل نہیں تو نہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو سکتی ہے اور نہ ہی جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔

۵۔ مگر جنت میں جانے کا ارادہ ہے تمہاری کا یہاں لوگ لے میں کرم محمدؐ کی غلامی کا

اگر مقلدین برائے مائیں تو ہم یہ بات کہہ دیتے ہیں کہ ان حضرات کو حدیث میں اشتباہ اور شک ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے یہ حدیث پر عمل کرنے سے خود کو معذور سمجھتے ہیں اور اس مشہور اصول کی وجہ سے سنت نبویؐ کو ٹھکرا دیتے ہیں کہ جب حدیث قول امام کے مخالف ہو تو پھر حدیث

پر عمل نہیں کرنا چاہیے (مخفاً)

۲۔ عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول لا تشددوا علی انفسکم
فی شدد اللہ علیکم فان قومًا شددوا علی انفسهم فشدد اللہ علیهم
قللک بقایاھم فی الصوامع والدیار رہبانیۃ ابتدعوھا ما کتباھا علیھم
(مشکوٰۃ ص ۳۱)

تم اپنے آپ پر تشدد نہ کرو (اگر ایسا کرو گے) تو اللہ تعالیٰ بھی تم پر سختی کرے گا ایک
قوم نے اپنے نفسوں پر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کر دی۔ ان میں بعض
ابھی تک گرجوں میں باقی ہیں۔ ہم نے ان پر اس قسم (کی چلہ کشی) نہیں فرض کی تھی۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کو یہ قطعاً حق حاصل نہیں کہ وہ کتاب و سنت سے تجاوز کر
کے خود کو تکلفات اور تشدد میں ڈال دے اور ایسے لغو اور بے بنیاد مسائل اختراع و ایجاد کر کے
ان کو قابل عمل سمجھے، تقلید نے امت کو یہی کچھ دیا کہ ایسے فرضی مسائل کا انبار لگا دیا جن کے وقوع
کا قیامت تک بھی امکان نہیں اور جن سے اسلامی معاشرہ گونا گوں مشکلات میں گرفتار ہو گیا۔
صوفیاء کی چلہ کشی، متأخرین فقہاء کی دماغ سوزی، اقوال امام کو درست کرنے کے لیے مناظرہ و جدال
کی محافل و مجالس رہبانیت کا کامل ترین نمونہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اور رسول اکرمؐ نے سختی سے
منع فرمایا ہے۔

۳۔ عن ابن مسعود قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لعنہ اللہ
امراً سمع منا حدیثاً فبلغنا جمیعاً فرب مبلغ احفظ لہ من ساریع (ابن ماجہ ص ۲۱)
اللہ تعالیٰ اس بندے کو خوش رکھے جو ہم سے کوئی حدیث سن کر اس کو اسی حالت
میں دوسروں تک پہنچا دیتا ہے۔ بہت سے ایسے بھی ہیں جو سامع سے بھی زیادہ
یاد رکھنے والے ہیں۔

اس حدیث شریف میں صرف وحی کی حفاظت کا حکم ہے۔ اہل سنت کے ہاں اس میں اختلاف
نہیں کہ وحی قرآن و حدیث کا نام ہے۔ معلوم ہوا کہ وحی کے علاوہ جو ہے وہ باطل ہے۔ تقلید کا
وحی سے تعلق نہیں بلکہ یہ تیسری چیز ہے اسی لیے تو اس لفظ کا قرآن و حدیث میں استعمال انسانی کے

لیے نہیں ہوا بلکہ حیوانات پر ہوتا ہے کیونکہ اس لفظ میں ہی ایسی قباحت موجود ہے جن کا استعمال ذوی العقول (انسان) کے لیے کسی طرح مناسب نہیں۔

۴۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلموا الفرائض والقرآن فانی مقبوض۔ (ترمذی ص ۲۹ ج ۲)

تم فرائض (وراثت کا علم) اور قرآن سیکھو۔ میں فوت کیے جانے والا ہوں۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل اسلام وہ ہوگا جو آپ کے واسطے سے آئے گا اور وہی قابل عمل ہوگا جس کی سند آپ تک پہنچتی ہو۔ اس لیے اگر اسلام آپ کے واسطے کے بغیر بھی حاصل ہو سکتا تھا تو آپ یہ الفاظ ذکر نہ فرماتے کہ میں فوت ہو جانے والا ہوں۔ تقلید کی نسبت رسولِ کرم کی طرف نہیں کی جاسکتی اور اس میں کسی ایک کو اختلاف نہیں۔ مزید تحقیق کے لیے تقلید اور اتباع کا فرق ملاحظہ فرمائیں۔

۵۔ عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العلم ثلاثۃ ایۃ حکمۃ اوسۃ قائمۃ اور فریضۃ عادلۃ وما کان سواہ ذلک فهو فضل۔ (مشکوٰۃ ص ۳۵)

علم کی صرف تین قسمیں ہیں۔ حکم آیات، جمیع سنت اور عادل فریضہ۔ اس کے سوا سب فضول ہے۔

فریضہ عادل کی بہت سی تفاسیر کی گئی ہیں جن کی تفصیل کا موقع نہیں، ہاں یہ بات متفقہ ہے کہ فریضہ عادل وہ ہوگا جس کا نقل کتاب و سنت سے ہوگا۔ اس لیے اسے تیسرے درجہ میں رکھا گیا ہے جو کتاب و سنت سے باہر ہے وہ فضول ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ تقلید فریضہ عادل نہیں بن سکتی کیونکہ یہ لفظ حیوانوں یا جاہلوں کے لیے استعمال ہوتا ہے عقل مندوں کے لیے یہ درست نہیں۔

۶۔ عن عمرو بن عوف قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الدین بدأ عزیباً وسیعود کما بدأ فطربی للغریا وهم الذین یصلحون ما افسد الناس من بعدی من سنتی (ترمذی ص ۲۹ ج ۲)

یہ دین شروع میں غریب پیدا ہوا تھا اور آخر میں ایسا ہی ہو جائے گا۔ پس خوشخبری ہے غریب کو جو مدد ست کریں گے ان لوگوں کو جنہوں نے میرے بعد میری سنت میں فساد برپا کر دیا ہوگا۔

اس حدیث میں آپ نے ان لوگوں کی صفت بیان کی ہے جو سنت کو مفادات سے پاک کریں گے۔ واضح رہے کہ سنت میں سب سے زیادہ خرابی تقلید کی وجہ سے پیدا ہوئی یا تواجد کا انکار کر دیا گیا یا پھر تاویلات کی گئیں۔ مقلدین کے لیے غور و فکر کا مقام ہے کہ وہ دیکھیں انہوں نے اپنے ائمہ کی تقلید میں سنت سے کس قدر اعراض کیا اور کس قدر مخالفت کی۔

(والتفصیل مقام آخر)

۷۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل امتی یذخرون

الجنة الامن ابی قالوا و منیابی قال من اطاعنی فقد

دخل الجنة ومن عصانی فقد ابی۔ (بخاری ۱۰۸۱)

رسول تعین فرماتے ہیں میری تمام امت جنت میں داخل ہو جائے گی لیکن وہ نہیں

جس نے جنت میں جلنے سے انکار کیا (صحابہ کرام نے پوچھا) وہ ایسا کون ہے

جو جنت میں جانے سے انکار کرے۔ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت

میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے جنت میں جانے سے انکار کیا۔

اس حدیث میں جنت کا سرٹیفکیٹ صرف اطاعت رسول سے ہے۔ اس بات سے کسی کو

انکار نہیں کہ تقلید اطاعت نہیں۔ اطاعت کا تعلق صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے

جب کہ تقلید کا امت میں سے کسی ایک امام کے ساتھ۔

۸۔ عن ابن مسعود قال خط لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطاً ثم قال

هذا سبیل اللہ، ثم خط خطوطاً عن یمنہ وعن شمالہ

وقال هذه سبیل علی کل سبیل منها شیطان یعدو الیہ وقرأ وَاَنْ

هَذَا صِرَاطِی مُسْتَقِیماً فَاتَّبِعُوْهُ۔ (مسند احمد ۶۳۵ و ۶۳۶ ج ۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک (سیدھی) لکیر کھینچی اور فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا رستہ

ہے۔ پھر اس کے دائیں اور بائیں کھینچیں اور فرمایا یہ راستے ہیں اور ہر
 رستے پر شیطان ہے جو لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیتا ہے اور آپ نے یہ آیت
 تلاوت فرمائی یہ میرا راستہ ہے صرف اس کی پیروی کرو۔

معلوم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رستے کے علاوہ جو راستے ہیں وہ سب شیطانی ہیں۔
 مکمل آیت کے الفاظ یہ ہیں۔

وَلَا تَتَّبِعُوا الْاَسْبَاطَ تَنْفَرَتْ اَيْكُمْ عَنْ سَيِّئِهِمْ ذُكِّرْكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

اگر تم شیطانی رستوں کی اتباع کرو گے تو تم تفرقہ کے شکار ہو جاؤ گے۔ ہم مقلدین سے
 یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ تم نے دین کو چار حصوں میں تقسیم نہیں کیا ؟ صراط محمدی
 سے ہٹ کر حنفی شافعی مالکی اور حنبلی رستے پر گامزن نہیں ہوئے ؟ ہاں ، ضرور ایسے ہی ہوا
 ہے اور اتنے رستے مختلف ہوئے کہ حلیفوں نے شوافع پر ابلیس جیسے الفاظ استعمال کیے۔
 اسی طرح دوسرے حضرات نے اپنے مخالف سے یہی سلوک کیا۔ یہ بات خالی اور حقیقت
 نہیں کہ تقلیدی وجود سے پہلے تمام امت کا ایک ہی رستہ تھا لیکن تقلیدی جھگڑا اور انحراف
 نے اس شفاف رستہ پر غبار ڈال دیئے اور صحیح رستے کا چہرہ دھندلا گیا۔ امت کو اختلاف
 کی بادی صرصر نے تہہ بالا کر کے رکھ دیا۔ جس سے کئی رستے معرض وجود میں آئے۔ اختلافات
 کی خلیج وسیع ہوتی چلی گئی جس سے امت کو کئی دفعہ شدید حد سے برداشت کرنے پڑے۔

۸۔ ہے فقط توحید و سنت امن و راحت کا طریق

فتنہ و جنگ و جدل تقلید سے پیدا نہ کر

۹۔ عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم

حتیٰ یموت ہواہ تبعاً لما جمعت بہ۔ (مشکوٰۃ ص ۳۳)

کوئی شخص ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی جملہ خواہشات کو میری رستہ
 کے تابع نہ کرے۔

اس حدیث میں تمام خیالات و اقوال کو چھوڑ کر صرف رسول اکرم کی اتباع کو لازم قرار دیا ہے
 جو خمس ایسے نہیں کرتا اس کو مومن بننے کا کوئی حق نہیں ہے۔

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار
مٹ دیکھ کسی کا قول و کردار

۱۰۔ عن معاذ بن جبل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تقلدوا العالم
دینکم۔ (طبرانی فی الاوسط) دین میں کسی عالم کی تقلید نہ کرنا۔

یہ حدیث کس قدر واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقلید کا نام لے کر اس سے منع
کیا ہے۔ ہو سکتا ہے بڑے بڑے فتنوں کی طرح آپ کو اس کا بھی خدشہ ہو کہ اہل کتاب کی
طرح کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان میری سنت کو چھوڑ کر کسی عالم کی تقلید میں گرفتار ہو جائیں کیونکہ اہل
کتاب میں یہ دبا اس قدر جڑ پکڑ چکی تھی کہ انہوں نے کتاب اللہ کی پرواہ نہ کی اور آراء الرجال
پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ آپ نے اس خدشے کی بنا پر امت کو تقلید سے منع فرمادیا
وہ تقلید میں احادیث تو اور بھی بہت سی پیش کی جاسکتی ہیں لیکن ہم طالب حق کو دعوت
فکر دیتے ہوئے ان الفاظ پر اکتفا کرتے ہیں۔

۱۔ کہوں کیا میں تجھ سے کہ کیا چاہتا ہوں
جفا ہو چکی اب دف چاہتا ہوں

تقلید کی تردید آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے :

صحابہ کی جماعت وہ مقدس جماعت ہے جن کے ایمان کی گواہی اللہ کریم نے قرآن کریم میں
ان الفاظ سے دی۔

وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبِيبُ الْيُكْمِ الْإِيمَانِ وَذَيْنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَوَّ الْيُكْمِ الْكُفْرَ
وَالْعُسْفُ وَالْعُيَانِ أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ (مجمرات ۷)

لیکن اللہ تعالیٰ انجبت ڈالی تمہارے دل میں ایمان کی اور اچھا دکھایا اسکو تمہارے
دلوں میں اور برا لگایا تم کو کفر اور گناہ اور بے حکمی، وہ لوگ ہیں نیک چال پر۔

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اکرمؐ کا مشاہدہ کیا۔ آپ کی محبت میں رہ کر علمی استفادہ کیا اور
آپ کے ہر قول و فعل پر بغیر کسی عیب و نقص اور نا فرمانی کے عمل کیا۔ تمام صحابہ میں کسی ایک صحابی کا نام

نہیں لیا جاسکتا جو آپ کی حدیث کا منکر یا تارک ہو۔ تمام کے تمام سنت کے شیدائی اور دین کے محافظ تھے۔ ان کے ہاں کتاب و سنت سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہ تھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب مروجہ تقلید کا کہیں نام و نشان نہیں تھا بلکہ یوں سمجھئے کہ لفظ "تقلید" انسانیت کے لیے استعمال ہی نہیں ہوتا تھا۔ جب فتوحات کا سلسلہ بڑھا تو مسلمانوں کی تعداد میں بھی بہت اضافہ ہو گیا۔ اسلام عرب کے کوہساروں سے نکل کر عجم کی دلگدازہ وادیوں میں داخل ہو گیا تو کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے جنہوں نے سرور کونینؐ کا مشاہدہ نہیں کیا تھا اور وہ اپنے سابقہ مذہب سے مکمل طور پر دامن نہ چھڑک سکے تو انہوں نے عقل اور قیاس کو اس وقت استعمال میں لانا شروع کیا جب ان کے عقائد کو ٹھوکریں لگیں۔ چونکہ یہ ایسے لوگ تھے جو براہ راست آپ کی زیارت سے مشرف نہیں ہوئے تھے اور صحابہ کرام سے بھی ایسا قرب نہ حاصل کر سکے جس سے وہ صحیح اسلام کو سمجھ سکتے۔

جب ان حالات کا علم صحابہ کرام کو ہوا تو انہوں نے قیاس کی سخت مذمت کی مقصد یہ تھا کہ کہیں لوگ آراء الرجال کو اصل سمجھ کر کتاب و سنت سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں۔ ہم تاریخین کے سامنے اکابر صحابہ کرام کے آثار کو بالاخص اپیش کہتے ہیں جن کا معلوم ہو جائے کہ صحابہ کرام سنت نبویؐ کے ہوتے ہوئے کسی کے فتویٰ و قول کو قبول نہیں فرماتے تھے۔

۱۔ صدیق الامتہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

آپ خلافت کا پہلا خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں :

ان اطعت اللہ ورسولہ فاطیعونی وان عصیت اللہ ورسولہ فاقیمونی لہ

علامہ سیوطی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے :

جس نے اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے ہدایت پائی اور جس نے نافرمانی کی وہ گمراہ ہے۔ لوگو! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ سے ڈرو اور احکام الہی کی تعمیل کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے داغ

ہدایت کا انتظام کیا ہے لہ

خلیفہٴ اول کے ان الفاظ پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت کس قدر عیاں ہے کہ جب کتاب و سنت

کی مخالفت میں متدین اکبر کی اتباع نہیں کی جاسکتی تو کسی اور کو یہ حق کیسے دیا جاسکتا ہے کہ اس کی بات کو بلا سوچے سمجھے قبول کر لیا جائے۔

۱۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ:

۱۔ حضرت عمرؓ کی زبان سے حق بولتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی موافقت میں ان کی زبان مبارک گویا ہوتی تھی۔ آپ پہلے کلام فرماتے وحی بعد میں نازل ہوتی۔ آپ خود فرماتے ہیں: **وَأَقْبَتَ رَبِّي فِي ثَلَاثٍ**۔ آپ علم کے بحر بے مثل تھے۔ قیاس کی تردید میں فرماتے ہیں **يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ الرُّأْيَى أَشْأَاكَانَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ مُصِيبًا إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى كَانُ يَزِيهِ وَانْتَابَا هُمَا الْفُتْنُ وَالشُّكْفُ**۔

لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے درست تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو معلوم کرا دیتا تھا ہماری رائے صرف ظن اور شکف ہے۔

۲۔ **السَّنَةُ مَا سَنَّهَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ لَا تَجْعَلُوا خُطَا الرَّأْيِ سَنَةً لَامَةً**۔ سنت کا تعلق اللہ اور رسول سے ہے۔ غلط رائے امت کے لیے سنت نہیں بن سکتی۔

۳۔ **إِيَّاكُمْ وَأَصْحَابَ الرَّأْيِ فَإِنَّهُمْ أَعْدَاؤُ السُّنَنِ**۔ اے صحابہ! اہل رائے ان کو محفوظ رکھنا اور اہل رائے قتل نہ کرو۔ **وَأَضْلُوا**۔ رائے اور قیاس والوں سے بچو کیونکہ یہ سنت کے دشمن ہوتے ہیں اس لیے کہ احادیث یاد کرنے سے عاجز آجاتے ہیں تو رائے سے فتویٰ دیتے ہیں خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیتے ہیں۔

آپ کے ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کتاب و سنت کے علاوہ کسی رائے کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔ بسا اوقات آپ کتاب و سنت سے اعراف کرنے والوں کو کوڑوں کی سزا بھی دیتے۔ اور مسائل کی تحقیق میں بہت سخت تھے۔ اگر اب بھی کوئی حضرت عمرؓ کے سر تقلید کا الزام متھوپنے کی کوشش کرے تو اسے اسی طرح دیکھ لینا چاہیے کہ صحابی رسول پر الزام لگانا

کس حد تک درست ہے؟ کیا صرف اپنے غلط مذہب کو ثابت کرنے کی سعی ناحق ہیں کسی صحابی کو ناجائز طوط کیا جاسکتا ہے؟
حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ مسائل کی تحقیق فرمایا کرتے تھے اور جب حدیث رسول ﷺ مل جاتی تو فوراً عمل کرتے تھے۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رائے اور قیاس کے سخت مخالف تھے۔ اس بنا پر آپ سے اس بارے میں بہت سے اقوال مروی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر ہم کرتے ہیں۔

۱۔ عن ابن مسعود قال لا یأتی علیکم عام الا و هو شر من الذی قبله اما انی لا اقول امیر غیور من امیر ولا عام انصب من عام ولكن فقهائکم یدهبون شمل لا تجدون خلفکم ویجئ قوم یقتلون الامور برأیهم
تم پرجہی سال آئے گا وہ پہلے سے برا ہوگا، میں یہ نہیں کہتا۔ پہلے سال امیر اچھا ہوگا یا وہ سال اچھی عمدہ فصل والا ہوگا لیکن بات یہ ہے کہ علماء فوت ہو جائیں گے پھر تم ان کا جانشین نہ پاسکو گے۔ پھر (اس کے بعد) ایک قوم آئے گی جو امور (مسائل) پر قیاس زنی کرے گی۔

۲۔ ولكن ذهاب خياركم وعلماءكم شر يحدث قوم یقتلون برأیهم
فینہدم الاسلام وثیلم۔ (اعلام الموقعین ص ۲۲۰)

تمہارے بہترین علماء فوت ہو جائیں گے پھر ایک قوم پیدا ہوگی جو معاملات کو قیاس سے طے کرے گی تو اس سے اسلام عیب والا اور منہدم ہو جائے گا۔
۳۔ لا یقلدن رجلاً دینہ ان امن امن وان کفر کفرو۔

کوئی شخص اپنے دین میں کسی شخص کی تقلید نہ کرے اگر جس کی تقلید کی جا رہی ہے مسلمان ہو تو مقلد بھی مسلمان اگر وہ اسلام سے خارج ہو جائے تو مقلد بھی خارج

حضرت عبداللہ کا فرمان کس قدر واضح ہے کہ کوئی شخص اپنے دین میں کسی کی تقلید نہیں کر سکتا۔

لیکن مولانا تقی عثمانی اس اثر کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

ابن مسعود کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ وہ ایمانیات میں کسی کی تقلید کو جائز قرار نہیں دے رہے اور یہ ہم بار بار عرض کر چکے ہیں کہ ایمانیات میں تقلید ہمارے نزدیک درست نہیں ہے۔

مولانا کے علم میں تو کسی کو کلام نہیں لیکن ہمارے خیال میں انہوں نے تقلید کی تعریف میں جو توجیہ پیش کی ہے کہ حضرت عبداللہ ایمانیات میں تقلید کے قائل نہیں تھے لیکن احکام میں اس کو کثرت سمجھتے تھے۔ یہ سراسر صحابی رسول پر اقتراء اور الزام ہے جو صحابی قیاس کے اس قدر مخالف ہو کہ وہ اسے اسلام کے گرانے کا سبب سمجھے، تو یہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ وہ اراء الرجال کی تقلید کو دین میں جائز سمجھے۔ پھر آپ نے اپنے مدعا میں حضرت عبداللہ کا جو قول پیش کیا ہے وہ تمہارے دعوے کو کسی طرح ثابت نہیں کرتا۔ اس لیے کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ صحابی کی اتباع با دلیل ہوتی ہو جس کا تقلید کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ حضرت عبداللہ کے الفاظ یہ ہیں :

من كان مستألفاً من قدمات فان الحى لا تو من عليه الفتنة اولئك اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم كانوا افضل هذه الامة ابرها قلوباً واعلمها علماً واقلمها تكلفاً اختارهم الله لمحبة نبيه - دلالة دينهم فاعرفوا لهم فضلهم وابتعروهم على انفسهم وتبسكوا بما استطعتم من اخلاقهم وسيروهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم تم نے اگر کسی کی سنت پر عمل کرنا ہے تو اصحاب محمد کی سنت اختیار کرو۔ کیونکہ وہ اس امت کے نیک۔ علم میں گہرے۔ تکلف سے کم تعلق رکھنے والے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور دین کے قائم رکھنے کے لیے چنا۔ تم ان کے فضل کو پہچانو اور ان کے آثار کی اتباع (تقلید نہیں) کرو اور ان کے اخلاق و سیرت کو اپناؤ کیونکہ وہ مراہط مستقیم پر تھے۔

مقصود یہ تھا کہ سنت وہ ہوگی جسے کے ایسے اوصاف کے حامل بیان کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی صحبت میں رہے ہوں اور پھر آپ ہی بتائیے کہ سنت کا علم صحابہ کرام کے طریقے کے علاوہ اور بھی کسی طریقے سے حاصل ہو سکتا ہے تو یقیناً آپ ہمارے ساتھ اس بات پر متفق ہوں گے کہ سنت رسول کا علم مولائے صحابہ کرام کے اور کسی طریق سے نہیں ہو سکتا۔ پھر آپ نے اس کلام پر کوئی رائے زنی یا حاشیہ آدلی نہیں کی۔ آپ کا مدعا کسی طرح بھی پورا نہ ہوتا اور نہ ہی اتنی بڑی جرأت کرتے کہ آپ صحابیؓ پر اپنے غلط مذہب کو درست ثابت کرنے کے لیے افتراء باندھتے۔ سنت اور تقلید میں جو واضح فرق ہے اسے پڑھا لکھا آدمی سمجھ سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ گزر چکے ہیں جس میں انہوں نے سنت کی نسبت رسول اللہ کی طرف فرمائی تھی۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود نے لفظ سنت بول کر اس بات کو واضح فرمادیا کہ پیروی سنت کی ہے اور سنت کا حصول صرف صحابہ کرامؓ کے ذریعے ہو سکتا ہے۔

پھر حضرت عبداللہؓ نے شان صحابہ میں جو الفاظ ذکر فرمائے ہیں ان پر غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے واضح کیا کہ صحابہ کرام میں تکلف نہ تھا۔ تکلف کیا ہے؟ وہ قیاس ہی تو ہے اور کیا ہے؟ اور قیاس سے آپ نے سختی سے منع فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

اخذ عالمًا او متعلماً ولا تغذ امعة فيما بين ذلك وقال كنا ندعوا
الامعة في الجاهلية الذي يدعى الى الطعام فيذهب معه باخرو وهو فيكم
اليوم المحقق دينه الرجال۔

قال ابو عبیدہ : اصل الامعة هو الرجل الذي لا راي له ولا عزم فهو يتابع
كل احد على رايه ولا يثبت على شئ له

آپ عالم بنو یا متعلم امعہ (جاہل) نہ بنو۔ ابو عبیدہ لغوی فرماتے ہیں۔ امعہ وہ آدمی ہوتا ہے جس کی ذاتی رائے نہ ہو اور نہ ہی وہ کسی چیز پر ثابت رہے بلکہ رائے کی پیروی کرے۔

اب اگر مولانا تقی صاحب جیسے صاحب علم نے صحابی رسول پر تقلید کا الزام دھر لیا تو یہ ان کی مرقی لیکن یہ بات ضرور یاد رہے کہ فقیہ امت کے متعلق اس قسم کے الزام لگانا خطرے سے خالی نہیں۔

باقی رہا آپ کا استدلال کہ ان آمن و ان کفر کفر سے مراد احکام میں تقلید سے مانعت نہیں۔ یہ اس اعتبار سے بھی درست نہیں کہ یہ الفاظ تقلید کی تفسیر یا دمناحت کے لیے حضرت عبداللہؓ نے ذکر فرمائے تھے کہ مقلد ہوتا ہی وہ ہے کہ جس کی اس نے تقلید کرنا ہوتی ہے اس کی بات کو بلا سوچے سمجھے قبول کر لیتا ہے۔ خواہ وہ غلط ہو یا صحیح۔ جیسا کہ اصول فقہ کی مشہور کتاب مسلم الثبوت میں مقلد کے لیے یہ راہ متعین کی گئی ہے۔

واما المقلد فمستندہ قولی بعتہ حدہ کہ مقلد کو صرف امام کا قول کافی ہوتا ہے۔

اب اس تصریح کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مولانا نے صحابی رسول پر افتراء کی جرات کیسے کی۔ اس قسم کے امور پر تفصیل کا تو موقع نہیں۔ ہاں یہ بات ضرور کہنی چڑتی ہے کہ مقلد علماء کیوں نہ ہو جائے اپنی بساط یا اپنا قدم تقلید سے باہر نہیں نکالتا۔ اگر باہر نکال کر سوچے گا تو وہ مقلد نہیں رہے گا۔ ایسے علماء حضرات کے متعلق ہم بڑے ادب سے کہہ سکتے ہیں۔

حیران ہوں دل کو روؤں کہ بیٹوں جگہ کو میں

معتد دور ہو تو ساتھ رکھوں لوحہ گر کو میں

۴۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔

حبر الامۃ، مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس سنت پر عمل کرنے میں بہت متشدد تھے جب کوئی حدیث مل جاتی اور آپ کا عمل اس کے برعکس ہوتا آپ ذاتی عمل کو چھوڑ کر فوراً حدیث کو قبول فرمالتے۔ تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں ہاں اتنا ضرور ہے کہ آپ راہ نجات صرف کتاب و سنت کو جاننے تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

۱۔ من احدث رأیا لیس فی کتاب اللہ ولم تمض بہ سنۃ من رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم لم یرو علی ما هو منہ اذ الفی اللہ عزوجل لہ۔

جو کوئی دین میں رائے نکالے اور اس کا تعلق کتاب و سنت سے نہ ہو تو اس کے بارے

میں کوئی علم نہیں کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا تو کس حالت میں ہوگا۔

۲۔ انشاہو کتاب اللہ وسنۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال بعد ذلک فلا

ادری انی حسنا تہ یجد ذلک (ام فی سیاتہ لہ)

جو شخص کتاب و سنت کے بعد اپنی رائے قائم کرے تو مجھے اس کے متعلق علم نہیں کہ اس کا نیکووں میں شمار ہوگا یا براٹیوں میں۔

صحابہ کرامؓ میں تقلید کا قطعاً رواج نہیں تھا تو حضرت عبداللہ کی نظر میں کتاب و سنت کے بعد جو امر ہے وہ کسی طرح بھی درست نہیں۔ تقلید کی مذمت تو ان الفاظ لہم میرد علی ہوسے ہو گئی اگر صحابہ کرام کتاب و سنت سے کسی کے قول کو مقدم سمجھتے ہوتے تو بعد والوں کو قطعاً یہ نہ کہتے کہ جو رواج صرف کتاب و سنت کی طرف ہے۔ کسی صحابی نے یہ نہیں کہا کہ مقلد کو اس کے امام کا قول کافی ہے۔ بس یہی ”کافی ہے“ کے الفاظ ابن عباس کی نظر میں محدث اور بدعت ہیں۔

۵۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ:

یہ فقہا صحابہ تھے ان کی فقہانیت کی شہادت رسالت مآب نے اپنی زبان سے دی تھی آپ اتباع سنت میں نمونہ تھے۔ آپ فرماتے ہیں:

تكون فتن فيكثر فيه المال ويفتح القرآن فيستقراه الرجل والمرأة والصغير والكبير والمنافق والمومن فيقراه الرجل فلا يتبع فيقول والله لا قرأته علانية فلا يتبع فيتخذ مسجداً ويبتدع كلاماً ليس من كتاب الله ولا من سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فاياكم واياك فانه بدعة وضلالة قاله معاذ ثلاث مرات لہ

فتن بہت سے ہوں گے۔ قرآن پڑھا جائے گا۔ مرد و عورت بڑھے بچے جوان منافق اور مومن سبھی پڑھیں گے لیکن اس پر عمل نہیں کریں گے۔ مسجدیں بنائی جائیں گی، لیکن وہاں کلام بدعت والا ہوگا۔ جس کا تعلق کتاب و سنت سے نہ ہوگا۔ تم اس سے بچو کہ جو بدعت اور گمراہی ہے۔ حضرت معاذؓ نے یہ کلمات تین مرتبہ دہرائے۔ حضرت معاذؓ کے اس اثر (فرمان) میں چند امور قابل غور ہیں:

۱۔ فتن زیادہ ہوں گے۔ جب تقلیدی جمود نے زور پکڑا تو ساتھ ہی فتن بھی بڑھ گئے۔

۲۔ مال زیادہ ہوگا — غیر القرون کے بعد حکومتوں کا انصرام مقلدین کے ہاتھ میں رہا جس سے ان کے پاس مال و دولت کے انبار لگ گئے۔

۳۔ قرآن پڑھا جائے گا لیکن اس پر عمل نہیں کیا جائے گا — اصول فقہ کی کتابوں میں ہے مقلد قرآن کے ظاہر پر عمل نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے صرت اس کے امام کا قول معتبر ہوگا۔
۴۔ مساجد بنائی جائیں گی لیکن تبلیغ قرآن و سنت کی نہیں ہوگی — آج ہزاروں مساجد موجود ہیں جن میں اقوال ائمہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ کتاب و سنت کا وجود علم کے لیے نہیں بلکہ تبرک کے لیے پڑھا جاتا ہے۔

۵۔ یہ بدعت ہے اس سے بچتے رہنا — اس میں شک نہیں کہ تقلید کا وجود غیر القرون میں نہیں تھا بلکہ یہ چوتھی صدی ہجری میں معرض وجود میں آیا جس کی تحقیق ہم تاریخ تقلید میں کریں گے۔

۶۔ ان کلمات کو تین مرتبہ اس لیے دہرایا گیا کہ سامع ان امور سے اچھی طرح متنبہ ہو جائے۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان فرماتے ہیں:

انہ قد بلغنی ان رجالا فیکم یحدثون باحادیث لیست فی کتاب اللہ ولا توثر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاولئکم جہالکم۔

مجھے اطلاع ہوئی ہے کہ تم میں بعض آدمی ایسے ہیں جو ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جن کا وجود کتاب و سنت میں نہیں۔ یہ جاہل ہیں۔

حضرت معاویہ کی نظر میں علم کتاب و سنت کا نام ہے اس کے علاوہ جو بھی ہے وہ جہالت ہے اور جو اس کی پیروی کرتا ہے وہ بھی جاہل ہے۔

۷۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ان من الغیر کلام من عرفہ اللہ دینہ وکنی بالمرء جہلا ان لا یعرف دینہ

مجھے اس سوال کا جواب نہیں آتا۔

ہم نے اکابر صحابہ کے اقوال پر اتکا کیا ہے۔ اگر آثار صحابہ کو قیاس اور تقلید کے رد میں بالاستیعاب جمع کیا جائے تو یہ ایک ضخیم کتاب بن جائے گی۔

تردید تقلید تابعین عظام سے

تابعین کا دور بالافتاق خیر القرون کا زمانہ ہے اس دور میں کتاب و سنت پر سختی سے عمل ہوتا تھا۔ تقلید کا کہیں نام و نشان نہ تھا لیکن اس دور کے اخیر میں چند لوگ ایسے بھی پیدا ہو گئے جنہوں نے اسلام کے اہم ترین مسئلوں میں قیاس اور رائے سے کام لینا شروع کر دیا۔ تقدیر جیسے اصولی اور بنیادی مسئلہ میں چہ میگہ نیاں شروع ہو چکی تھیں اور مختلف گمراہ فرقے جنم لے چکے تھے۔ جس سے اہل اسلام نے سیاسی اور مذہبی نقصان اٹھائے۔ کتاب و سنت سے ہٹ کر رائے اور قیاس کا رواج پڑنے لگا تو اس اثنا میں محدثین کی مقدس جماعت نے انتہائی کوشش سے کتاب و سنت کی تعلیم اور اس پر عمل کو جاری و ساری رکھا۔ ان میں چند تابعین علماء کے اقوال کو ہم قارئین کی نذر کرنا چاہتے ہیں جس سے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ اس دور میں ان مبارک ہستیوں نے آراء الرجال اور قیاس کی بھول بھلیوں سے علیحدہ رہ کر کتاب و سنت کو شعل راہ بنایا۔ رحمہم اللہ اجمعین

حضرت عروہ بن زبیرؓ

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے نواسے علم حدیث کے مسئلہ امام مفتی مدینہ حضرت عروہؓ بنی اسرائیل کے تواریث سے منحرف ہونے کے اسباب بیان فرماتے ہیں۔

۱۔ لعیزل امر بنی اسرائیل نستقیما حتی ادرک فیہم المولدون ابنا بنیایا

الام فاختذوا فیہم بالرأی فاضلوا بنی اسرائیل لہ

بنی اسرائیل کا معاملہ اس وقت تک درست رہا جب تک ان میں مولدوں (قبیلوں) کی اولاد پیدا نہ ہوئے تو جنہوں نے (تواریث کو چھوڑ کر) قیاس سے کام لیا اور

بنی اسرائیل کو گمراہ کر دیا۔

حضرت عروہ نے واضح کر دیا کہ جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی کتاب کو ترک کر کے قیاس پر عمل پیرا ہوتی ہے تو وہ اس وقت گمراہ ہو جاتی ہے کیونکہ بنی اسرائیل کا معاملہ اس وقت تک درست رہا جب تک ان میں قیاس پر عمل نہیں تھا لیکن جب قیاس پر عمل شروع ہوا تو وہ سیدھے رستے سے بھٹک گئے بالکل یہی معاملہ اہل اسلام کو پیش آیا۔ خیر القرون تک کتاب و سنت کو اصل سمجھا جاتا رہا لیکن جب ان کے بعد والوں نے اصل کو ترک کر کے قیاس جلی یا استحسان پر عمل کیا تو ان کا تعلق کتاب و سنت سے کمزور ہونا چلا گیا۔ حتیٰ کہ بعض فقہاء نے قیاس پر ہی اعتماد اعتکاف کر لیا اور یہ پیشگوئی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھی کہ تم یہود کے نقش قدم پر ضرور چلو گے، پوری ہوئی اور وہی قیاس بعد میں تقلید کا درجہ حاصل کر گیا۔ وہ ہی رہبانیت والا نقشہ یہاں کھینچ گیا۔ جس کی مذمت اللہ تعالیٰ نے کتاب کریم میں بدعت کے لفظ کو استعمال کر کے فرمائی تھی۔

۲۔ ایاکم والمقایسۃ فالذی نفسی بیدہ لمن اخذتم بالمقایسۃ لتحللن فی الحرام وتحرمن الحلال ولكن ما یبلغکم من حفظ عن اصحاب رسول اللہ فاحفظوا تم قیاس سے بچو۔ واللہ اگر تم قیاس پر عمل کرو گے تو حرام کو حلال اور حلال کو حرام ضرور کرو گے۔ ہاں تم کو اصحاب رسول سے حدیث پہنچے تو اس کی (علماً، صدراً و تبلیغاً) حفاظت کرو۔

حضرت عروہ نے جو فرمایا بعد والوں نے اسے حرف بحرف صحیح کر کے دکھایا۔ جب تقلید پر عمل ہوا تو بہت سی حلال چیزیں حرام اور اسی طرح بہت سی حرام، حلال بن گئیں۔
(تفصیل کے لیے فقہ کی کتب کو دیکھا جاسکتا ہے۔)

۴ حضرت مسروق بن اجدع

حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگرد خاص اور فقہ حنفی کے (حنفیوں کے نزدیک) ستم امام حضرت مسروق فرماتے ہیں:

لَا اَقِيْسُ شَيْئًا بَشِيًّا. اخاف ان نزل رحلي لے

میں ایک چیز کو دوسری پر قیاس نہیں کرتا۔ میں تدم کے ڈگ کانے سے ڈرتا ہوں۔
اگر ایسے جلیل القدر امام کو پھسل جانے کا خطرہ لاحق تھا تو مقلدین کو بالادلی خطرہ ہونا چاہیے حقیقت
ہے کہ جب کتاب وسنت سے اعراض کیا جاتا ہے تو اس وقت گمراہی کا خطرہ سر پر منڈلانے لگتا ہے۔
محمّد بن سیرینؒ:

یہ مشہور تابعی میں جن سے بعض اوقات صحابہ کرامؓ بھی خوابوں کی تعبیر دریافت کیا کرتے تھے سلسلہ
السندی ان کو سلسلۃ الذہبیہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

كانوا يرون الله على طريق ما دام على الاثر لے

لوگ اس وقت تک سیدھے رستے پر ہوں گے جب تک احادیث پر عمل کریں گے
ہم قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ:

مشہور قاضی میں جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منصب قضا پر مقرر کیا تھا وہ فرماتے ہیں:
ان السنة سبقت قیاسکم فانبعوه ولا تبسّدوا فانکم لن تفلحوا ما
اخذتم بالاثار لے

سنت تمہارے قیاس سے پہلے وجود میں آچکی ہے۔ تم سنت کی اتباع کرو اور
بدعت کے پیچھے مت بھاگو۔ تم گمراہی سے بچ جاؤ گے اگر تم احادیث پر عمل کرو گے۔
حضرت قاضی کی نظر میں احادیث و آثار کے علاوہ قیاس پر عمل کرنا بدعت کی اتباع کرنا، اسی لیے
تو آپ نے فرمایا کہ بدعت (قیاس) کو چھوڑ کر ضرور آثار پر عمل کرو کیونکہ ہدایت کا سرچشمہ صرف
آثار (حدیث) ہیں۔

واقع رہے کہ آثار کا لفظ قیاس کے مقابل میں استعمال ہوا ہے جو کتاب وسنت دونوں پر
مشتمل ہے۔

۵ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ:

تاجدار حدیث، امام المحدثین حضرت امام زہریؒ ان مقدس افراد میں سے ایک ہیں جن پر

حدیث کا دار و مدار ہے۔ آپ قیاس کے سخت مخالف تھے۔ ایک دفعہ آپ کی موجودگی میں قیاس کا ذکر نکل چلا تو آپ نے فرمایا۔

ان اليهود والنصارى انما السخروا من العلم الذى كان بايديهم حين اشتقوا الراى واخذوا فيه۔ لہ

یہود و نصاریٰ نے جب اصل کو ترک کر کے رائے اور قیاس پر عمل کیا تو وہ (محرک دین) جیسے فتنوں میں واقع ہو گئے۔

۴۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ !

آپ کا تقویٰ اور علم و ورع میں جو مقام تھا وہ کسی صاحب علم سے مخفی نہیں بلکہ صوفیاء کرام تو ایسا سلسلہ سند انہی کے ذریعے بیان کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

انما هلك من كان قبلك حين تشعبت السبل وحادوا عن الطريق فتركوا الآثار وقالوا فى الدين برائهم ففعلوا واضلوا لہ

پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے مختلف رستوں کو اپنایا۔ آثار اور صراطِ مستقیم سے ہٹ کر رائے سے کام لیا خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی کیا۔

حضرت حسن بصریؒ کی نظر میں گمراہی کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں :

صراطِ مستقیم کو ترک کر کے مختلف رستوں کو اپنانا کیونکہ رستہ ایک ہے تین یا چار نہیں ہو سکتے اور وہ صراطِ مستقیم ہے۔ اہل تقلید ایک رستے پر نہیں بلکہ چار مختلف رستوں پر گامزن ہیں۔

آثار کو ترک کر دیا جائے اور رائے یا ظن پر بنیاد رکھ لی جائے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ تقلید کا اصل کتاب و سنت سے نہیں بلکہ یہ ایک تیسری چیز ہے جو محض ظن اور خیال سے معرض وجود میں آئی ہے۔

۵۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ :

مجتہدین تابعین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کتاب و سنت پر ترک کے پابند اور قیاس پر عمل کے سخت

مخالف تھے۔ فرماتے ہیں:

۱۔ ان السنة لم توضع بالمقاييس لقياس كل دهر من احاديث كوترك ليس كياجا
سكتا۔

۲۔ انما هلكتم حين تركتم الآثار واخذتم المقاييس لحيث تم احاديث كوجوڑ كر قياس
پر عمل كرو گے تو ہلاك ہو جاؤ گے۔

ہائے ہی تقلید کا اصل سبب ہے۔ تقلید اس وقت ہوگی جب رائے پر عمل ہوگا، جب رائے پر
نہیں بلکہ حدیث پر عمل ہوگا تو وہ تقلید نہیں ہو سکتی کیونکہ حدیث امام کی ذاتی رائے نہیں ہوتی اگر تقلید
تقلید کو اس نکتہ نگاہ سے جائز سمجھتے ہیں کہ امام نے فلاں مسئلہ حدیث سے بیان کیا ہے تو پھر
وہ امام کی تقلید نہیں رہے گی بلکہ حدیث کی اتباع ہوگی۔ بہر حال یہ فیصلہ ان حضرات کو کرنا ہے کہ
وہ تقلید کے دائرہ میں کس طرح شاد و آباد رہ سکتے ہیں۔ اگر ان کے ہاں صحابہ کی تقلید جائز نہیں تو
پھر امام کی ذاتی رائے پر کیسے عمل ہو سکتا ہے جب کہ ذاتی رائے امام شیعہ کے نزدیک گمراہی ہے۔
حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ راشد جو صداقت و عدالت، علم، تقاہت اور اتباع سنت کے نمونہ تھے، فرماتے ہیں

انه لا رأى لاحد مع سنة سفار رسول الله صلى الله عليه وسلم

سنت کی موجودگی میں کسی کے قول کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ کس قدر واضح ہیں کہ جب سنت موجود ہو تو پھر سنت پر عمل کرنا چاہیے
مقلدین حضرات کو حضرت امام عادل کے اس منصفانہ فیصلہ کو قبول کر لینا چاہیے اور تقلید کو خیر باد
کہہ کے سنت پر عمل کرنا چاہیے۔

۹۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ

عليك يا ثامن سلف وان دفعت الناس واياك وارايد الرجال وان دحضوا

لاك القول

تجھے آثار کو لازم پکڑنا چاہیے اگرچہ لوگ تجھے چھوڑ دیں نہ دیں۔ لوگوں کی آراء سے

پتھر خواہ ان میں سونے کی چمک دمک ہو۔

اگر موجودہ متعصبین حضرات بڑا نہ مابین تو کیا یہ حقیقت نہیں کہ اہل حدیث سے بعض عداوت کے پہاڑ ٹکڑے کیے جاتے ہیں۔ حدیث نبوی کی ذرہ بھر پردہ نہیں بلکہ اقوال آئمہ کو بڑے حسین انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اہل حدیث سے عداوت اس قدر ہے کہ ان کو اپنی مساجد میں نماز پڑھنے سے روکا جاتا ہے۔ عوام کو ان کی بات سننے سے روکا جاتا ہے تاکہ کلمہ حق ان کے کانوں میں نہ پڑ جائے جس سے وہ تقلید کے پٹے کو گلے سے کہیں اتار نہ بھیگیں۔

۱۔ حضرت ابو وائل شفیق بن سلمہ:

ایاک وبالحالۃ من لیتول ارایت ارایت لہ

تم ان کی مجلسوں سے پتھر جو یہ کہتے ہیں میرا یہ خیال ہے

یہ بات مقلدین پر لعینہ منطبق ہوتی ہے۔ ان کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا ہے تو ان کا جواب یہی ہوتا ہے کہ فلاں امام کی یہ رائے ہے، فلاں کا یہ خیال ہے، فلاں امام کا اس پر عمل نہیں، کاشش یہ لوگ تابعین کے اقوال کو سامنے رکھتے تو ایسی قباحتوں سے بچ جاتے اور دنیاۓ اسلام میں ارایت (میرا یہ خیال ہے) کے ذریعے نفرت و افتراق کی جو بار بھٹی ٹپے وہ قطعاً نہ پھوٹتی اور اہل اسلام کو غیر مسلموں کا یہ طعنہ برداشت نہ کرنا پڑتا کہ اسلام میں سوائے اختلاف کے اور رکھا ہی کیا ہے؟ اگر ہم کتاب و سنت پر عمل کرتے اور اسی کو مادی و معنوی و مجاہد و مجاہدہ کے لیے راہ ایک ہوتی اور ہم اتحاد کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے جب تک مسلمان کتاب و سنت کے دامن میں جا گریں رہنے تو دنیا کی سلطنتیں ان کے سامنے تاریک بکھوت کی طرح ٹوٹی رہیں لیکن جب آزاد الرجال پر عمل شروع ہوا تو وہ حکومتیں مسلمانوں کے ماتحتوں زیر و زبر ہوئی تھیں، ان پر غالب آگئیں اور لیظہرۃ علی الدین لکھ (اسلام تمام دینوں پر غالب ہوگا) کا نقشہ اٹک کر رہ گیا۔ تقلید سے مسلمانوں کی قوت کئی محضوں میں تقسیم ہو گئی۔ گروہی اخلافا کی وجہ سے اسلام کو ہر قسم کے مصائب اٹھانا پڑے۔ اگر آج بھی کتاب و سنت پر کھاتہ عمل کیا جائے تو لیظہرۃ علی الدین لکھ والا معاملہ دوبارہ نظر آئے گا۔

ردِ تقلید ائمہ اربعہ سے

تابعین کے مبارک دور میں اگرچہ بعض فتنوں نے سر اٹھالیا تھا لیکن یہ دور ایسا تھا جس کی شہادت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر القرون کے الفاظ سے فرمادی تھی۔ اس لیے اس دور کے فتنے زیادہ تر مخصوص حلقہ تک رہے لیکن بعد کے دور میں یہ فتنے سیلاب کی طرح اُبھ گئے سب سے بڑا فتنہ بدعتی گروہوں کے ظہور کا تھا جن کا مقصد کتاب و سنت سے اعراض اور عقل و قیاس پر عمل کرنا تھا۔ ظاہر ہے یہ فتنہ اسلام کی اساسوں کے بالکل برعکس اور خلاف تھا۔ اس دور میں عقل کو اصل اور نقل (کتاب و سنت) کو تابع قرار دیا گیا۔ اسی بنا پر صفات باری تعالیٰ کا انکار کیا گیا۔ حالانکہ یہ مسئلہ خیر القرون میں کبھی اختلاف کا باعث نہیں ہوا تھا اور اس قسم کے بہت سے مسئلے جن کا وجود کتاب و سنت میں نہیں تھا اختلاف و جدل کا سبب بن گئے۔ عقل و قیاس کی دنیا اور غیر اسلامی نظریات کو اسلام میں داخل کرنے کی کوششیں کی گئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حفاظت کے لیے ایک مقدس جماعت کا انتخاب فرمایا جنہوں نے قیاس و عقل کے خرافات سے نجات دلا کر امت کا نقل کتاب و سنت سے جوڑ دیا۔ فوجہم واللہ اجمعین۔

ائمہ اربعہ اس مقدس جماعت کے سرخیل تھے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ :

امام الفقہا حضرت ابو حنیفہ نقاہت میں لاثانی، تقولے و ورع میں بے مثال، حدیث پر عمل کرنے والے، ضعیف حدیث کو قیاس پر مقدم سمجھنے والے تھے۔ یہ وہی امام ہیں جن کے بارے میں بہت غلو سے کام لیا گیا ہے۔ ہزاروں مسائل آپ کی طرف منسوب کر دیئے گئے جن سے آپ بری الذمہ ہیں۔ خدا آپ پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے اور آپ کی قبر کو منور فرمائے۔ آپ ان مقدس ہستیوں میں ایک تھے جنہوں نے قیاس کو عند الحاجت (مجبوری کے وقت) استعمال کیا لیکن حدیث کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ آپ عامل بالحديث تھے۔ کسی استاذ یا امام کی طرف نسبت کو قطعاً پسند نہیں فرماتے تھے۔ تقلیدی جمود کے اس قدر مخالف تھے کہ اپنے فتوے کے خلاف جب کوئی حدیث یا قول صحابی مل جاتا تو فوراً اس پر عمل

کر لیتے۔ آپ نے تقلید کی تردید مختلف پیراؤں اور مختلف الفاظ سے کی ہے۔ تقلید کے رد میں آپ سے بہت سے اقوال مروی ہیں جن میں بعض کا ہم اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔
۱۔ کسی شاگرد نے حضرت امام سے پوچھا اگر آپ کا فتوے کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ کے خلاف ہو تو کیا کرنا چاہیئے تو آپ نے جواباً فرمایا،

اذا قلت قولاً و کتاب اللہ یخالفہ قال انکرہ و اقول لکتاب اللہ فقیل اذا کان
خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخالفہ قال انکرہ و اقول لخبر رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم فقیل اذا کان قول الصحابۃ یخالفہ قال انکرہ و اقول لقول الصحابۃ
جب میرا فتوے کتاب اللہ، سنت رسول یا قول صحابہ کے خلاف ہو تو میرے
فتوے کو چھوڑ دو اور کتاب و سنت و قول صحابہ پر عمل کرو۔
۲۔ اذا قلت قولاً یخالف کتاب اللہ و خبر رسول فانکرہ و اقول۔

جب میرا قول کتاب اللہ اور سنت نبوی کے خلاف ہو تو اس کو چھوڑ دو۔
۳۔ اذا صم الحدیث فهو مذہبی: مجمع حدیث ہی میرا مذہب ہے یعنی جب بھی صحیح
حدیث کا علم ہو جائے تو اسے میرا مذہب سمجھ لینا۔

۴۔ اذا جاء عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم فعلی الراس والعین واذا جاء عن
اصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم نختار قولهم واذا جاء عن التابعین زحماً
حدیث بسر و ہم قول، اقوال صحابہ میں ہم پسند کریں گے تابعین کے اقوال میں ہم
مناقشہ کریں گے یعنی اگر اقوال صحابہ مختلف ہوئے تو اس قول کو اختیار کریں گے
جو حدیث سے زیادہ قریب ہو اور تابعین کے اقوال میں تحقیق کریں گے۔

۵۔ ما جاء عن النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فعلی الراس والعین وما جاء عن
اصحابه اخترنا ما كان من غیر ذلک فنحن رجال وهم رجال۔

حدیث سر اور آنکھوں پر، اسی طرح اقوال صحابہ بھی پسند ہیں اور جو ان کے بعد
ہیں وہ محض آدمی ہیں اور ہم بھی آدمی ہیں (یعنی ان کے اقوال کو قبول کرنا ضروری نہیں)

۶۔ اخذ بکتاب اللہ فان لم اجد فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فان لم اجد في كتاب الله ولا في سنة رسول الله اخذ بقول اصحابه ثم اخذ بقول من ثبثت منهم وادع قول من ثبثت منهم ولا اخرج من قولهم الى قول غيرهم اما اذا انتفى الامر الى ابراهيم والسبعي وابن سيرين والسن (البصري) وعطاء وسعيد بن المسيب وعد رجالا من التابعين فقوم اجتهدوا وانا اجتهد كما اجتهدوا

میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کروں گا اور گوہاں نہ پائوں تو سنت رسول پر اگر وہاں بھی نہ مل سکے تو اقوال صحابہ کو راہ ہدایت پکڑوں گا۔ اگر صحابہ سے بھی مسئلہ کا جو معلوم نہ ہو سکے تو پھر مرعنی سے جس کے قول پر چاہوں گا عمل کروں گا جب معاملہ ابراہیم نخعی۔ امام شیبی۔ ابن سیرین۔ حسن عطاء۔ سعید بن مسیب اور دیگر اکابر تابعین تک پہنچ جائے تو یہ جتھہ تھے اور میں بھی جتھہ ہوں جیسے انہوں نے اجتہاد سے کام لیا میں بھی اجتہاد کروں گا۔

یہ اقوال حضرت امام ابو حنیفہ کے ہیں جنہوں نے اپنے فرمودات و اقوال میں واضح فرمادیا کہ اگر تم نے میرے پیچھے چلنا ہے تو ان اصولوں کو مشعل راہ اور نور ہدایت بناؤ جن کو میں نے بنایا ہے آپ کے اقوال سے مندرجہ ذیل تصریحات اخذ کی جاسکتی ہیں۔

- ۱۔ کتاب اللہ کا مقام سب سے اعلیٰ و ارفع ہے اسی لیے اس کو عمل میں بھی مقدم رکھنا چاہیے
- ۲۔ بعد ازاں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس کی موجودگی میں کسی ایک کے قول کی ضرورت نہیں۔

۳۔ جب کتاب و سنت کی دلیل کسی مسئلہ میں موجود نہ ہو تو پھر آثار صحابہ پر عمل کرنا چاہیے۔ تابعین اور مجتہدین کے اقوال کو عزم بالجزم سے قبول نہیں کرنا چاہیے۔

یہ وہ سنہری اصول ہیں جن پر تمام علماء کا اجماع ہے اور یہی اصول تقلید کی بیخ کنی کیلئے کافی ہیں، آپ حضرت امام کے ان الفاظ پر غور فرمائیں کہ مجتہدین کے اقوال میں جس کو چاہوں

قبول کر دوں جس کو چاہوں رد کر دوں“ یہ تقلید شخصی کے لیے ایٹم بم کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ تقلید شخصی میں فرد واحد کو معیار تسلیم کیا جاتا ہے جب کہ ایسے الفاظ میں فرد واحد کو معیار تسلیم نہیں کیا گیا۔
ان تمام فرمودات وارشادات سے مقلدین کو سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ وہ تقلید شخصی جیسے فعل کا ارتکاب کر کے امام کی کس قدر مخالفت کر رہے ہیں حالانکہ حضرت امام کے متعلق ان کی رائے یہ ہے۔

فلعنۃ ربنا اعداءہ ^{علی من رد قول ابی حنیفہ}
ہمارے رب کی ریت کے ذروں کے برابر لعنتیں ہوں جو امام ابو حنیفہ کے قول کو رد کر دیں۔

افسوس کہ مقلدین یہ شعر تو پڑھتے ہیں لیکن ان کا اس پر خود عمل نہیں اگر وہ حضرت الامام کے مذکورہ اقوال کو سامنے رکھیں تو تقلید کے ظلمات سے بچ جائیں ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسروں پر لعنتیں بھیجتے بھیجتے خود اس کے مصداق بن جائیں۔
۴ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ :

امام دارالہجرہ امام مالک جو کلمہ حق کہنے میں بے نظیر تھے آپ سند حدیث میں سلسلہ الذہب کی لڑی کے یکتا موقی تھے۔ رد بدعت میں باکمال اور عمل بالحدیث میں لاثانی تھے۔ تقلید کے اولین دشمن تھے۔ حضرت امام قسبنی جو بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ امام مالک کے پاس جاتے ہیں اور امام نزع کی حالت میں تھے اور رو رہے تھے۔ حضرت امام کی اس حالت کو دیکھ کر پوچھتے ہیں آپ کیوں رو رہے ہیں؟ تو حضرت امام فرماتے ہیں، میں کیوں نہ روؤں اور مجھ سے زیادہ اُنسو بہانے کا حقدار کون ہے؟

واللہ لو رددت الی صوبتہ بكل مسئلۃ افتت نہ ہا بالرائی سوطاً
قد کانت لی السعۃ فیما سبقت الیہ ولیتقی لئلا فت بالرائی
واللہ میں پسند کرتا ہوں کہ مجھے ہر اس فتویٰ میں جو میں نے رائے سے دیا ہے

ایک ایک کوڑا مارا جاتا۔۔۔۔۔ کاشش کہ میں برسے سے فتویٰ نہ دیتا۔
 یہ ہیں وہ امام جن کی وفات کے تقریباً اڑھائی سو سال بعد مذہب جاری کر دیا گیا اور آپ کی طرف
 ایسے مسائل منسوب کر دیئے گئے جو آپ کی علمی منزلت اور رفعت کے بالکل منافی ہیں۔ مُتَعَد اور
 ایتالی دُبر جیسے قبیح مسائل کے جواز کا انتساب کر دیا گیا۔ حالانکہ مؤطائیں آپ کا موقف اس کے بالکل
 خلاف ہے۔

۲۔ اِنْدَا اِنَّا بَشَرًا خَطِیٍّ وَاصِیْبٌ فَانْظُرُوْا فِیْ قَوْلِیْ فَكُلُّ مَا وَافَقَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَخُذُوْا
 بِهٖ وَامْلَا یٰوَاغِیْ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ مَا تَرَوْكَ لَہٗ

میں بشر ہوں، مجھ سے غلطی اور درستی دونوں کا احتمال ہے۔ میری ہر ایک بات کی
 تحقیق کیا کرو جو کتاب و سنت کے موافق ہو اس پر عمل کر لیا کرو، جو مخالفت ہو اسے رد
 کر دیا کرو۔

تقلید کے خلاف کس قدر سخت الفاظ ہیں کہ میری بات کی تحقیق کیا کرو جب کہ تقلید میں تحقیق
 جائز نہیں۔ پھر میرا قول اس وقت قبول ہوگا جب وہ کتاب و سنت کے موافق ہوگا ورنہ ترک
 کر دیا جائے گا۔ جب ایسے قول پر عمل درست ہے جو کتاب و سنت کے موافق ہو تو پھر وہ قول
 پر عمل نہیں بلکہ کتاب و سنت پر عمل ہوگا۔

لیکن قربان جائیے کہ بعض حضرات نے امام کے اس قول سے تقلید کا جواز نکالنے کی سعی
 لاحاصل کی ہے وہ یہ کہ امام صاحب نے متبعین کو تحقیق کی اجازت دی ہے نہ کہ قول ترک کرنے کی
 یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ شاید استدلال کرنے والا تقلید کے مفہوم سے غافل ہے یا تقلید
 نے اسے علمی بینائی سے محروم کر دیا ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں :

میری بات کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر پڑھو، اگر اس کسوٹی پر میری بات کھری
 ثابت ہو جائے تو اُسے قبول کرو۔

گویا کہ امام صاحب کے قول کو قبول نہیں کرنا۔۔۔۔۔ بلکہ کتاب و سنت کی اتباع کرنا ہے۔ اگر مقلد
 کو ذرہ بھر علمی امانت کا خیال ہوتا تو مذکورہ بات کہنے کی جرأت نہ کرتے۔ اس لیے کہ تقلید میں

طلب دلیل اور تحقیق سر سے موجود نہیں ہوتی

قارئین حضرات! غور فرمائیے کہ حضرت امام صاحب اپنے فتویٰ بالرائی کی مذمت فرماتے ہیں لیکن یہ حضرات امام کے قول کو غلط رنگ دے کر غلط مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ معاذنا اللہ من ذلک

۳۔ قال لابن العرمز لا تمسك على شئ فيما سمعت متي من هذا الراي
ابن هرمز! میری رائے پر عمل نہ کرنا۔

۴۔ ما من احد الا وما خوذ من كلامه ومردود عليه الا رسول الله صلى الله عليه وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تمام کے کلام کو رد کیا جاسکتا ہے۔
حضرت امام صاحب کی نگاہ میں اگر کسی کی بات کو بغیر سوچے سمجھے قبول کیا جاسکتا ہے تو وہ ضرور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہے۔ کیونکہ آپ کے فرمان میں خطا و غلطی کا وہم تک نہیں ہو سکتا اس لیے کہ آپ کی عصمت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ اور کسی کے متعلق کوئی حق الیقین دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ظالم غلطی سے مبرا و محفوظ ہے۔ حضرت امام فرماتے ہیں۔
ان نطن الا ظناً وما نحن بمستيقنين۔ ہم جو کہتے ہیں ظن سے کہتے ہیں اس پر یقین نہیں ہوتا۔

دین کی بنیاد ظن پر نہیں بلکہ یقین پر ہے اور نہ ہی ہم ظن کی اتباع کرنے کے مکلف ہیں اور نہ ہی ہمیں اسکا حکم دیا گیا ہے۔

ان النطن لا یضی من الحق شیئاً۔ ظن حق سے کچھ کفایت نہیں کرے گا۔
یقین و اعتماد صرف کتاب اللہ اور سنت رسول پر ہو سکتا ہے اس کے مابعد جو کچھ ہے وہ ظن ہے جس کی تعریف علم و یقین سے بالکل مختلف ہے۔

۵۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہہ
امام محمد بن ادریس شافعی تفسیر میں محبت، حدیث میں کامل، سنت میں دلیل، علوم کے سمندر

احکام میں مجتہد، فن مناظرہ کے امام، منکرین حدیث کے بارے میں عقیدہ، قیاس کے دشمن۔
کامل الحجۃ، واضح المنہج، صافی المسک و محبت رسول، امام الہدیٰ اور قائد الاقیار تھے، فرماتے
ہیں۔

۱۔ اذا صحح الحديث فہرمذہبی۔ و اذا راہتم کلامی یخالف الحدیث فاعملوا
بالحدیث و امنوا بکلامی الخاطئ لہ

صحیح حدیث میرا مذہب ہے جب میرے کلام کو حدیث کے خلاف پاؤ تو اس
کو دیوار کے ساتھ مار دو اور حدیث پر عمل کرو۔

۲۔ قال الشافعی، اجمع المسلمون علی ان من استبان لہ سنة رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم لم یحیل لہ ان یدعها بقول احد لہ
تمام مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جب سنت کا علم ہو جائے تو کسی ایک کی بات
بہیں مانی جائے گی۔

امام شافعیؒ نے اس اجماع کا دعویٰ اس دور میں فرمایا جب کہ علم کے دریا بہہ رہے تھے۔
محدثین رات دن احادیث کے جمع اور ان کی تحقیق و تمحیص میں صرف کر رہے تھے۔ اسلامی علوم
کا جتنا کام اس دور میں ہوا نہ پہلے ہوا تھا نہ بعد میں اور شاید نہ کبھی ہوگا اور آئے دن صحیح احادیث
کے بابے میں معلومات ہو رہی تھیں تو اس دور میں حضرت امام فرماتے ہیں کہ جب سنت کا علم
ہو جائے تو اس کو راہ عمل بناؤ۔ کاش کہ مقلدین حضرات امام کے اس فرمان پر عمل کرتے اور امت کو
ابھنوں اور اذیتوں سے بچالیتے۔

۳۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

نقد مع عن الشافعی انہ نفی عن تقلیدہ وعن تقلید غیرہ لہ

امام شافعیؒ سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی اور غیر کی تقلید سے منع کیا تھا۔

حاشا معلوم تقلید پر اجماع کا دعویٰ کرنے والوں کو امام صاحب کا یہ قول نظر کیوں نہ آیا۔ اگر آیا ہے
تو اپنے مفاد کے خلاف سمجھتے ہوئے اس پر کان نہیں دھڑا۔ اگر اسے قبول کر لیتے تو آج دنیا میں

تقلید کا کس نام و نشان نہ ہوتا۔

۴۔ اذا وجدتم فی کتابی خلافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقولوا بسنة
ودعوا ما قلتم لہ

جب بھی تم میری کتاب میں رسول اللہ کی مخالفت پاؤ تو اسے چھوڑ کر سنت پر عمل کرو۔
مقلدین کی آئمہ سے عقیدت کا تو تپ پتہ چلے گا جب وہ خلافت سنت مسائل کو چھوڑ کر سنت نبویہ
پر عمل کریں گے۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو پھر تو مقلد ہوئے اگر ایسا نہیں کریں گے تو پھر ان کو مقلدین
کی صف میں کھڑا ہونے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

تقلید کا یہ مفہوم نہیں کہ من بھاتی کو منظور کر لیا اور دوسری باتوں کی طرف دھیان ہی
نہ دیا۔ کوئی مقلد امام صاحب کے اس قول پر عمل کر کے خود کو مقلد ٹھہرا سکتا ہے یا پھر امام کی
مخالفت کر کے خود کو غیر مقلد کہلوانے کو پسند کرنا ہے؟

آج تک کسی مقلد نے ان اقوال پر عمل نہیں کیا اگر عمل کرتے تو یہ متبعین سنت ہوتے
اور تقلید کا پٹہ ان کے گلے سے کبھی کا اتر چکا ہوتا۔ ہم توحیران ہیں کہ ایک شخص امام کی لعنت
بھی کرتا ہے اور خود کو پھر اس امام کا مقلد بھی ٹھہراتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ تقلید بھی ہو اور امام
کی نافرمانی بھی۔ بہر حال یہ مقلدین نے فیصلہ کرنا ہے کہ وہ خود کو کس زمرہ میں رکھنا چاہتے ہیں؟

۵۔ کل ما قلتم وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلاف قولی مما یصح عند
النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولی بالقبول ولا تقلدونی ۔

اگر حدیث کے خلاف میرا قول آجائے تو میرے قول کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرو
کیونکہ حدیث پر عمل کرنا بہت ہی بہتر ہے اور نہ ہی میری تقلید کرو۔

۶۔ کل مسئلة تکلست خلافہ فاناراجع فی حیاتی وبعدہ فانی لہ

میرا جو فتویٰ حدیث کے خلاف ہو اگر مجھے میری زندگی میں علم ہو جائے تو میں
اس سے رجوع کرنے والا ہوں اگر (کسی کو) میری موت کے بعد پتہ چل جائے
تب بھی اس سے رجوع کرنے والا ہوں۔

۷۔ من تبع سنتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وافقتہ ومن خالف
فترکھا خالفقتہ ۱۰

جو سنت کی پیروی کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوں اور جو اس کے خلاف ہو، میں
اس کا مخالف ہوں۔

۸۔ امام شافعیؒ کا اعلان حق :

قال لا محمد بن حنبل اعلمونی بالحديث الصحيح أصري اليه

آپ احمد بن حنبلؒ کو فرماتے ہیں اگر تمہیں حدیث صحیح کا علم ہو جائے تو مجھے بھی
بتا دینا تاکہ میں اس پر عمل کروں۔

۹۔ وقال ايضا: اذا هم الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فقولوا حقا
اذهب اليه۔

جب صحیح حدیث ہو تو مجھے معلوم کر دینا تاکہ میں اس پر عمل کر سکوں۔
۱۰۔ حضرت امام سے کسی نے دریافت کیا کہ فلاں حدیث کے بارے کیا رائے ہے یعنی اس
پر عمل کرنا چاہیے یا کہ نہیں تو آپ فرماتے گئے ”کیا میں بیوقوف یا دیوانہ ہوں یا عیسائی اور
مشرکوں سے محبت رکھتا ہوں کہ حدیث کے مقابلہ میں کوئی الگ رائے قائم کروں۔ سن
لو، حدیث پر میرا ایمان ہے۔ میں اس پر عمل کرتا ہوں۔ اور ہر مسلمان کی یہی مثال ہے
کہ وہ حدیث پر عمل کرے۔“

حضرت الامام کے اس کلام سے معلوم ہو گیا کہ جو اشخاص حدیث کی موجودگی میں رائے پر عمل کرتے
ہیں وہ دیرانے اور پاگل ہیں اور دوسرے لفظوں میں وہ اسلام سے محبت نہیں رکھتے۔

۱۱۔ واشهد داعی الی راجع عن قولی الی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وان كنت قد بلغت فی قبری ۱۰

لوگو تم اس بات پر گواہ رہو کہ میں اپنے قول کو چھوڑ کر حدیث کی طرف رجوع

کرنے والا ہوں اگرچہ میں قبر میں ہو سیدہ بھی کیوں نہ ہو جاؤں۔

حضرت امام صاحب کے اس قول پر ذرا غور فرمائیے کہ امام صاحب کتنے جلی اور واضح الفاظ میں فرما رہے ہیں کہ میرا اصل مذہب حدیث پر عمل کرنا ہے اگر میں نے کوئی فتوے حدیث کے خلاف دے دیا ہو تو تمہیں اس کا علم میری موت کے بعد ہو تب بھی اس حدیث کو میرا مذہب سمجھنا۔

مقلدین جرأت و جسارت سے کام لے کر امام صاحب کے اس قول کی روشنی میں پی کتب کا جائزہ لیں اور ان میں جو خلاف حدیث مواد ہے اس کو باہر نکال دھکیلیں تاکہ امام صاحب کی رُوح کو بھی راحت نصیب ہو اور وہ بھی متبعین (اہل حدیث) کی صف میں شامل ہو سکیں۔
امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ:

امام اہل سنت، قاطع بدعت، محی الاسلام، الامام الثقتہ الثبت الحافظ احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

۱۔ لا تقلدونی ولا تقلدوا فلا تآخذوا من حیث اخذوا لہ
تم نہ میری تقلید کرو اور نہ کسی اور عالم کی تم علم کو وہاں سے سیکھو جہاں سے انہوں (علماء) نے سیکھا۔

۲۔ لا تقلد دینک احداً من ہولاء ما جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
واسحابہ فخذ بہ شعرا تابعین
دین میں کسی ایک کی تقلید نہ کرو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ سے ہے اس پر عمل کرنا تابعین کے بارے میں تجھے اختیار ہے۔

۳۔ لا تقلدونی ولا تقلدوا مالکاً ولا غیرہ فخذوا من حیث اخذوا
من الکتاب والسنة ۴

۴۔ لا تقلدونی ولا تقلدوا مالکاً ولا الاوزاعی ولا الثعنی ولا غیرہم فخذوا من
من حیث اخذوا من الکتاب والسنة ۵
تم نہ میری، نہ مالک، اوزاعی، امام ثعنی اور نہ کسی ایک کی تقلید کرنا بلکہ کتاب

سُنّت پر عمل کرنا

ہم نے ان ائمہ کرام کے اقوال پیش کیے ہیں جن کے نام پر آج مذہب جاری ہیں۔ یہ ائمہ ان مذہبی نسبتوں سے یقیناً بری ہیں اس لیے یہ نسبتیں چوتھی صدی ہجری میں پیدا ہوئیں اور دسویں گیا ہوئی صدی میں ان کو عروج حاصل ہوا۔ ان ائمہ کرام نے تو کتاب و سُنّت پر عمل کرنے کی وصائے فرما کر اپنا حق ادا کر دیا۔ قیامت کے دن جہاں دیگر معاملات کا حساب ہوگا یقیناً تقلید کے بارے میں بھی ضرور پوچھا جائے گا لیکن امام اس وقت اپنا عذر مقبول پیش کریں گے کہ اے اللہ! ہم نے تو ان کو تقلید سے ایک دفعہ نہیں بلکہ متعدد بار مختلف الفاظ میں منع کیا تھا اور ہم نے ان کو قرآن و حدیث پر عمل کرنے کی وصیتیں کی تھیں۔ ہماری زندگی میں جب ہمیں تیسرے جنب کی حدیث کا علم ہو جاتا، ہم اس پر فوراً عمل کر لیتے اور ذاتی فتوؤں کو حروف غلطی کی طرح ذہنوں سے باہر نکال پھینکتے۔ اے اللہ! بعد والوں نے ہمارے ناموں سے جو سلوک روا رکھا اس میں ہمارا قصور کیا؟ اور ان کا عذر اس آیت سے مختلف نہ ہوگا۔ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم۔ اے اللہ! ہماری تقلید کرنے والے خود اس کے ذمہ دار ہیں جب تک ہم زندہ رہے ہم تو ان کو کتاب و سُنّت کی وصیت دیتے رہے لیکن جب تو نے ہمیں اپنے پاس بلا لیا تو تو ہی ان کا نگہبان تھا۔ ہمیں کیا علم کہ انہوں نے ہمارے بعد کیا کچھ کیا؟ تو مقلدین عدالت میں کھڑے یہ لگا رہے ہوں گے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّخَذْتُكَ مَعَ الرَّسُولِ سِمَةً۔

کاش کہ میں سُنّتِ رسول پر عمل کرتا ہوتا !!

تقلید اور ائمہ عظام

ائمہ اربعہ جن کے مذاہب تمام مقلدین کے نزدیک حق ہیں، ان کے ردِ تقلید میں اقوال پیش کرنے کے بعد مزید ائمہ عظام، مجتہدین اور محدثین کرام کے اقوال پیش کرنے کی ضرورت تو نہ تھی لیکن ہم سینکڑوں میں چند بزرگانِ دین کے اقوال عرض اس خاطر پیش کر رہے ہیں کہ قارئین حضرات اس بات سے باخبر ہوں کہ جو تقلید کے اجماع کا دعویٰ کیا جا رہا ہے وہ کس قدر حقیقت اور صداقت پر مبنی ہے اور اس دعویٰ کی بھی حقیقت معلوم ہو جائے کہ اگر تقلید جائز نہ ہوتی تو بڑے بڑے ائمہ

مقلد کیوں ہوتے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ : موصوف حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد رشید اور آپ کے فیض یافتہ تھے وہ بالکل اپنے استاد گرامی کے مسلک کے مطابق فرماتے ہیں۔
 انما ناخذ بالرای اذا لم نجد الاثر فاذا جاء الاثر تركنا الراي وعملنا بالاثر
 ہم رائے پر اس وقت عمل کرتے ہیں جب ہمیں حدیث نہیں ملتی جب وہ مل جائے تو ہم رائے کو چھوڑ کر اثر (حدیث) پر عمل کرتے ہیں۔

امام موصوف کی امامت میں کسی حنفی کو شک نہیں ہو سکتا بلکہ وہ حنفی مذہب کے بانیوں میں ایک تھے جن کی وجہ سے حنفی مسلک پھیلا۔ وہ کس قدر واضح کر رہے ہیں کہ قیاس اور رائے پر اس وقت عمل کرنا چاہیے۔ جب حدیث نہ ملے اور اگر مل جائے تو اسی کو اور ہٹا اور بھڑکانا چاہیے۔
 ۲۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ : امام طحاویؒ کا اخاف میں جو مقام ہے وہ کسی اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ یہ حنفی مذہب میں متعصب اور متشدد تھے۔ اس کے باوجود وہ تقلید کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ سے فرماتے ہیں۔

ادخل ما قال به ابو حنیفہ۔ اقول به وهل یقلد الا عصبی او غبی ۱
 ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں ابو حنیفہؒ کے تمام اقوال کو قبول کر لوں، تقلید تو معصب اور بیوقوف کا کام ہے۔

۳۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ : حضرت امام ابو یوسفؒ کا مقام فقہ حنفی میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بعد سب سے بڑھ کر ہے۔ آپ کی وجہ سے حنفی مذہب سرکار کی گود کی ذیبت بنا۔ کتب فقہ میں آپ کے ان گنت فتوے موجود ہیں جن کو حنفی حضرات واجب العمل گردانتے ہیں۔ اپنی فتوؤں میں آپ کا ایک یہ فتوہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

انه لا یحیل لاحد ان یتنبی بقولنا ما لم یعلم من این قلنا ۲
 یہ کسی کو جائز نہیں کہ وہ بغیر دلیل کے ہمارے قول پر فتوے دے۔

امام موصوف کا مقصد یہ تھا کہ صرف ہمارے قول کو فتویٰ کی بنیاد نہ بنالیا جائے بلکہ دیکھا جائے کہ

ہم نے جو فتویٰ دیا ہے اس کا اصل کہاں ہے؟ اگر وہ کتاب دست کے موافق ہو تو اس پر فتویٰ دے دیا جائے۔ اگر مجوزین حضرات کے مفہوم کو لے لیا جائے تو ظاہری عبارت کے موافق بھی نہیں کہ میرے قول پر بغیر معلوم کیے کہ یہ کس کتاب میں ہے فتویٰ دینا جائز نہیں تو تب بھی یہ حضرات اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے نظر نہیں آتے وہ اس لیے کہ کتب فقہ کی تدوین جو آپ سے سینکڑوں برس بعد میں ہوئی اور ان میں آپ کے فتوے بغیر سند کے لکھ دیئے گئے ہیں۔ جب تک ان فتوؤں کی سند موجود نہ ہو اس وقت تک کسی کو جائز نہیں کہ وہ یہ کہہ کر فتوے دے دے کہ یہ امام ابو یوسف کا قول ہے۔

کتب فقہ میں ائمہ کرام کے جن قدر ارشادات یا فتوے موجود ہیں وہ سب بے سند اور بغیر دلیل کے ہیں امام موصوف کے مذکورہ قول کی بنا پر کسی مفتی کو یہ روا اور جائز نہیں کہ وہ حضرت امام کے نام کسی مسئلہ کو منسوب کرے اگر وہ ایسا بغیر دلیل کے کرے گا تو وہ مفتری ہوگا اور انفرادہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول و منظور نہیں کیونکہ یہ جھوٹ ہوتا ہے اور کاذب کی بات پر اعتبار نہیں ہوا کرتا۔

پھر امام صاحب کے اس قول میں لطفت کی بات یہ ہے کہ انہوں نے مسائل یا فتوے میں تحقیق کو لازم قرار دیا ہے تو جب کسی مسئلہ میں تحقیق کی جائے گی تو وہ تقلید نہیں رہے گی کیونکہ تحقیق اور تقلید آپس میں متضاد اور مخالف ہیں۔
 ہم علامہ عابد سندھی حنفی فرماتے ہیں :

وجوب تقلید مجتہد لاجہ علیہ لامن جهة الشرعية ولا من جهة العقل
 کسی ایک مجتہد کی تقلید نہ شریعت میں واجب ہے اور نہ ہی عقل اس کو تسلیم کرتی ہے۔
 یہ وہ حنفی بزرگ ہیں جو علوم و فنون کے ماہر تھے۔ انہوں نے کس قدر واضح الفاظ میں فرما دیا کہ تقلید کا شرعی ثبوت ہے اور نہ عقلی۔ یہ حقیقت ہے کہ تقلید کا شرع سے تو اس لیے تعلق نہیں کہ اس میں ائمہ درجہ کی جہالت ہوتی ہے اور دین جہالت کو ختم کرنے کے لیے آیا ہے۔ عمل تقلید کے جائز ہونے کو اس لیے تسلیم نہیں کرتی کہ اس میں بلا وجہ کسی کو امام بنا لینا ہوتا ہے

عقل و دماغ کا نام ہے جو علم چاہتی ہے اور تقلید میں تباہی کرتی ہے جو علم کی روشنی کے بالکل مخالف اور اُلٹ ہے۔ اس اعتبار سے علامہ سندھی کا فیصلہ بالکل حقیقت پر مبنی ہے :

الہی دے اثر ایسا میری بیٹائی دل میں
چلے آئیں کیجیہ تمھام کردہ میسری مغل میں

ہملا علی قاری شارح مشکوٰۃ وفقہ اکبر فرماتے ہیں۔

ومن العلوم ان الله سبحانه وتعالى ما كلف احدًا ان يكون حنبليًا او مالكيًا او
شافعيًا او حنبليًا بل كلفهم ان يعلموا بالكتاب والسنة ان كانوا علماء او
يقتدوا العلماء وان كانوا اطفالا .

یہ بات حق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی بننے کا مکلف نہیں بنایا۔ بلکہ تمام پر کتاب و سنت پر عمل کرنا واجب ہے اگر (جاہل) بڑا راست استفادہ کی ہولیت نہیں رکھتے تو علماء کی تقلید کریں۔

۶۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ : حضرت مجدد الف ثانی کی ذات بابرکات کسی تعداد کی محتاج نہیں، مگر صغیر کا بچہ بچہ آپ کا مجدد ہونا تسلیم کرتا ہے۔ آپ نے اس جمود و تقلید کے دور میں آنکھ کھولی جب کتاب و سنت کے پس پشت ڈال کر ایک نئے تقلیدی مذہب کا آغاز کیا جارہا تھا۔ آپ نے اس تقلیدی مذہب سے ٹکری اور اسے پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ آپ قبل سنت میں باکمال تھے اور ہر فعل میں سنت کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیتے تھے۔ سنت نبوی پر عمل کرنے کی تاکید فرماتے ہیں :

اے فرزند ! روز قیامت کام آنے والی چیز اتباع رسول ہے۔ صوفیاء کے حال وجہ، علوم، معارف، رموز اور اشارات اگر اس متابعت اور اتباع کے موافق ہوں تو بہت بہتر، ورنہ سراسر غالی اور عتاب ربانی کا سرمایہ ہیں۔

مزید فرماتے ہیں :

اگر اچانک اوپر امرے خلاف شریعت ظاہر شود، مرید در آل امر تقلید پیر نہ کند

اگر مرید کو کسی وقت بھی پیر کا فتوے خلاف شریعت معلوم ہو جائے تو پھر اس
معاہدین وہ پیر امام کی تقلید نہ کرے۔

۷۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ :

امام اہلبند جن کے ذریعے اللہ جل شانہ نے ہر زمین ہند میں کتاب و سنت کی شمع کو
روشن کیا۔ آپ نے تقلید محمود اور تعصب کے خلاف طویل قلمی و تصنیفی جہاد کیا جس کی مثال
امام ابن تیمیہ اور ابن قیم کے بعد کسی اور سے نہیں ملتی۔ آپ نے تقلید کے جواز و عدم جواز پر
سیر حاصل بحثیں کی ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے :

لہذا من لعنہ ایاکان انہ ادعی اللہ الیہ وفرض علینا طاعة وانہ
معضوم فان اقتدینا بواحد منهم فذلک لعننا بانہ عالم بکتاب اللہ و
سنة رسوله فلا یخلو قوله اما ان یكون من مویح الکتاب والسنة او
مستنبطاً عنهما ینعمون الاستنباط وعرف بالقراء ان الحكم فی صورة
ما منوط بعلیة کذا واطمین قلبہ بتلك المعرفة نقاس غیر المعصوم فکانه
یقول لمننت ان رسول اللہ علیہ اللہ علیہ وسلم قال کلما وجدت هذا
العلیة فالحکم ثمة هذا والمعتس مندرج فی هذا العموم فہذا ایضا معزی الی
النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولكن فی طریقہ یظنون ولولا ذلک لما قلد مومن بمحمد
قال یفنا حدیث من الرسول المعصوم الذی فرض اللہ علینا طاعة یستصام
یدل علی خلاف مذهبہ وترکنا حدیثہ وابتعنا ذلک الثمین فمن الظلم
مننا وما عذرنا یسوم یقوم الناس لرب العالمین لہ

ہم کسی ایک فقیہ پر ایمان نہیں لاتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی کی ہو
اور اس کی اطاعت کو ہم پر فرض کیا ہو اور یہ کہ وہ غلطی سے پاک ہو۔ اگر ہم
کسی فقیہ کی اطاعت اس وجہ سے کریں کہ وہ کتاب و سنت سے ہے تو یہ
اطاعت اس بات سے خالی نہ ہوگی کہ فقیہ کا فتویٰ کتاب و سنت سے ہے

یا پھر اس نے ان دونوں سے استنباط کیا ہے یا اس نے حکم کو قرآن سے معلوم کیا ہے کہ اس کو فلاں حکم فلاں صورت میں فلاں وجہ سے ہے اور اس کے دل میں یہ بات پختہ ہوگی تو اس نے ایک غیر منصوص صورت کو اس منصوص پر قیاس کیا ہو اور اس کا ظن غالب یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمادیا کہ جب آپ کہیں یہ علت پائی جائے وہاں ایسا ہی حکم ہوگا اور قیاس اس عموم میں داخل ہے تو گویا یہ مسئلہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو گیا، ہاں اس طریق میں صرف ظن ہے یقین نہیں جیسا کہ واضح اور صاف مسئلہ میں یقین ہوتا ہے۔ غرض یہی بات ہے جس کی وجہ سے جائز ہوا کہ جاہل عالم کے قول پر عمل کرے اور اگر یہ بات نہ ہو تو کبھی کوئی مومن کبھی کسی مجتہد کی تقلید نہ کرے۔ اگر ہم کو اس فقیہ کے مذہب کے خلاف کسی معتبر سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مل جائے اور ہم اس حدیث کو چھوڑ کر فقیہ کے گمان پر عمل کر لیں تو ہم سے بڑا ظالم کون ہوگا اور قیامت کے دن رب العالمین کے سامنے ہمارا عذر کیا ہوگا؟

شاہ صاحب کے اس کلام سے مندرجہ ذیل باتوں کا استخراج ہوتا ہے:

۱۔ فقیہ پر دجی نہیں ہوتی جس سے وہ غلطی نہ کر سکے اس لیے کہ فقیہ ہر حال فقیہ ہے نبی نہیں بن سکتا۔

۲۔ فقیہ کا استنباط صرف تمہین، تخریص اور ظن ہوتا ہے اور یہ دین میں حجت یا دلیل نہیں۔

۳۔ جب مجتہد کے فتوے کے خلاف صحیح حدیث مل جائے تو حدیث پر عمل واجب ہوگا اور مفتی کا قول چھوڑنا پڑے گا۔

۴۔ اگر حدیث کے مقابل میں مجتہد مفتی یا امام کے قول کو واجب العمل سمجھیں گے تو ہم سے بڑا مجرم اور ظالم کوئی نہیں ہوگا۔

۵۔ اور یہ جرم بھی ایسا کہ قیامت کے دن ہمارے پاس اس کا کوئی عذر نہیں ہوگا۔

امام الاحاف ابن الہمام فرماتے ہیں:

فلا دلیل علی وجوب المجتہد المبین بالزام نفسه ذلك قولاً وشرعاً

تقلید شخصی کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں۔

۹۔ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی فرماتے ہیں:

خواجہ دہلوی اپنی مجلس میں قرآن وحدیث کی تعلیمات پر گفتگو فرمایا کرتے تھے اور اکثر افسوس سے فرماتے کہ لوگ قرآن وحدیث کو چھوڑ کر اضطراب اور پریشانی میں مبتلا ہو گئے ہیں اور پھر فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول وفعل پر عمل کرنا ہمارے لیے ضروری ہے ایک مسلمان کے لیے ایمان کی بنیاد صرف دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو خدا اور رسول نے فرمایا ہے۔ اس کی اتباع کرے اور دوسری یہ کہ جس چیز سے منع کیا ہے اس کو ترک کر دے۔ کسی دوسری جگہ فرماتے ہیں:

مشرک پر ہجرت نیست دلیل از کتاب و سنت می باید۔

کتاب و سنت کی موجودگی میں امام کا قول ہجرت نہیں ہے۔

۱۰۔ علامہ ابن الحاج حنفی فرماتے ہیں:

لہ یجب اللہ ورسولہ علی احد ان یتخذہ رجلاً من الائمة فیقلدہ فی کل مایاتی ویزرغیرہ

اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم نے کسی ایک شخص کی تقلید کو واجب نہیں کیا کہ وہ تمام کو چھوڑ کر صرف ایک امام کی بات کو قبول کرے۔

علامہ ابن الحاج مشہور حنفی عالم تھے۔ آپ تمام مروجہ علوم وفنون کے ماہر تھے باوجودیکہ آپ حنفی تھے اور حنفیت کو ہی درست جانتے اور سمجھتے تھے لیکن حقیقت کا اظہار کن بلند پایہ الفاظ سے فرما گئے کہ تقلید کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں۔

اگر تقلید کے جوازیں کوئی شرعی دلیل ہوتی تو ابن الحاج جیسے علامہ ضرور اسکو بیان فرماتے معلوم ہوا کہ اکابرین احناف کو بھی کوئی ایسی دلیل نہیں مل سکی جس کو وہ بطور ہجرت اور دلیل کے پیش کرتے۔ خدا جانے بعد والوں نے تقلید کو اتنا سر پر کیوں اٹھا رکھا ہے کہ ان کو ذرا بڑی نجات ہی تقلید میں نظر آیا ہے۔ حالانکہ اگر تقلید ایسی ضروری چیز ہوتی تو اس کے جوازیں ایک

دو لفظوں ضرور مل جاتیں حالانکہ کوئی ایسی نص موجود نہیں جو تقلید کو واجب کرتی ہو اور جو تقلید نہیں کرتے انہیں مجرم ٹھہراتی ہو۔
۱۱۔ حافظ الفقہ حبیب اللہ حنفی تقلید کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

فكان اجماعاً على ان التزام مذهب معين غير لازم له

تقلید شخصی کے لازم نہ ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے۔

موصوف اجل حنفی عالم تھے جو بہت سی درسی کتب کے محشی بھی تھے۔ انہوں نے اپنی تحقیق کا طرے اس بات کو واضح کیا کہ تقلید شخصی کے غیر لازم اور ناجائز ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے۔

۱۲۔ شہید اسلام حضرت اسماعیل دہلوی ثم بالا کوٹی فرماتے ہیں۔

۱۔ ثم ليت شعري كيف يجوز التزام شخصي معين مع تمكن الرجوع الى

الروايات المنقولة عن النبي صلى الله عليه وسلم الصريحة على خلاف قول الامام المقلد فان لم يترك قول امامه فففيه شائبة من الشرع

مجھے علم نہیں کہ تقلید شخصی کیسے جائز ہو گئی جب کہ احادیث کی طرف رجوع کی طاقت بھی موجود ہے اور صحیح صریح احادیث امام کے قول کے مخالف ہوں تو پھر اگر امام کی تقلید کو چھوڑا نہیں جاتا تو اس میں شرک کا شائبہ ضرور پایا جاتا ہے۔

۲۔ تقلید محض بہ نسبت انبیاء علیہم السلام ہمہ کس را تقلید آید بالجملہ تقلید نبی فرما است و تاج

(تقلید اطاعت) صرف انبیاء کرام کی جائز ہے خصوصاً ہمارے نبی جو ہمارے لیے سراپہ فخر اور تاج ہیں۔ ان کی اطاعت اور اتباع ہی ہم پر واجب حضرت شاہ تہیہ نے بہت واضح الفاظ میں فرمادیا کہ اگر احادیث صحیحہ کی موجودگی میں تقلید

کی جائے گی تو اس میں شرک کی تشبیہ اور مماثلت پائی جائے گی۔ یہ فیصلہ اب مقلدین پر ہے کہ وہ حضرت شاہ شہیدؒ کو بھی اخلاف کی صف میں شمار کرتے ہیں کہ وہ اس قول کی صداقت پر کہاں تک ایمان رکھتے ہیں۔

بہشتی زمان مولانا شاء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

۱۔ فمن يتعصب بواحد معین غیر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ویری ان قوله هو الضواب الذی یجب اتباعه دون الائمة المتاخرین فهو

ضال جاہل ہے

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی ایک کے متعلق عقیدہ رکھتا ہے کہ اس کی ہر بات درست اور واجب الاتباع ہے وہ گمراہ اور جاہل ہے۔

۲۔ اگر مجتہد کا فتویٰ قرآن و حدیث کے خلاف ہو اور یہ معلوم بھی ہو جائے تو قرآن و حدیث پر چلنا اور اجتہادی فتوے کو ترک کر دینا ہم پر لازم ہے۔
امام الصوفیاء حضرت نظام الدین اولیاء:

آپ عامل بالحديث تھے اور قیاس کے سخت دشمن تھے۔ کسی ایک مجلس میں فقہاء اخلاف سے مسئلہ سماع میں مناظرے کا رن پڑ گیا۔ شیخ جو سماع کے قائل تھے۔ اپنے مدعا میں ایک حدیث پیش فرماتے ہیں۔ فقہانے کہا تم مقلد ہو تمہیں حدیث سے کیا مطلب۔ اگر فقہ حنفی کی رو سے کوئی بدایت یا دلیل ہے تو پیش کرو۔ یہ سن کر شیخ نے فرمایا۔ وہ ملک کیونکر آباد رہے گا جس ملک میں لوگوں کی رائے کو حدیث نبویؐ پر ترجیح دی جاتی ہو۔ اہل عبارت یوں ہے:

قاضی رکن الدین شیخ گفت: اسے درویش در بابت سرود و سماع چہ حجت

عہ ہماری اس پر بحث نہیں کہ سماع جائز ہے کیونکہ شیخ نے جو حدیث پیش کی وہ منقطع کیا بلکہ موقوف بھی نہیں اور نہ ہی ہم سماع کے قائل ہیں۔ یہاں یہ بتانا مستحب ہے کہ شیخ میں علم بالحديث کا جذبہ کہاں تک کار فرما تھا۔ محمد علی گوندوی

لے تفسیر مظہری طریق محمدی ۱۵۹ ص ۱۷۹ مظہری مترجم

واری۔ شیخ باحدیث نبوی السماع مباح لاہلہ و متمسک بہ گشت۔ قاضی
گفت۔ تراجم حدیث چہ کار۔ تو مرے مقلد سے روایت از ابو حنیفہ بیان کرتا
قبول افتد۔ شیخ گفت: سبحان اللہ! من حدیث صحیح مصطفوی نقل می کنم و تو
ازیں روایت ابو حنیفہ سے خواہی شاید کہ ترار عونت حکومت بریں سے دارد
دور ازیں عہدہ سے شوی۔ بادشاہ چوں حدیث پیغمبر شنید۔ متفکر شدہ ہیچ گفت
ہمارے اس شہر میں فقہی روایات پر عمل کرنا حدیث سے مقدم اور اولی سمجھا
جاتا ہے اور اس قسم کی باتیں وہ لوگ کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی حدیث پر اعتقاد نہیں رکھتے۔ جب آنحضرت کی صحیح حدیث بیان کی گئی
تو برہم ہوئے اور منع کیا اور کہا کہ اس حدیث سے امام شافعی استدلال کرتے
ہیں اور وہ ہمارے علماء (احناف) کے دشمن ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ یہ
عقیدہ رکھتے ہیں یا نہیں۔ حاکم کے سامنے فقہاء مغرورانہ بحث کرتے ہیں اور
صحیح حدیث کو نہیں مانتے۔ میں نے ایسا کوئی عالم نہ دیکھا نہ سنا، جس
کے سامنے آنحضرت کی حدیثیں بیان کی جائیں اور وہ کہے کہ ہم نہیں جانتے
اور نہیں سنتے۔ یہ کیسا زمانہ ہے، یہ شہر جس میں ایسی مغرورانہ بحث یہ کیے با
رہ سکتا ہے۔ عجب نہیں کہ اس کی اینٹ سے اینٹ بچ گئے۔ بادشاہ امر
اور عوام قاضی شہر اور علماء شہر سے یہ سُن کر کہ اس شہر میں حدیث پر عمل
نہیں ہوتا۔ کس طرح آنحضرت کی حدیثوں پر راسخ اعتقاد رکھ سکتے ہیں۔ میں
خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ شہر کے علماء کی اس بد اعتقادی کی وجہ سے شہر میں وبا
اور قحط نہ نازل ہو جائے۔ ۱۱

یہ وہ بزرگ ہیں جن کا عرس ہر سال بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے، برصغیر کے
معتقدین حضرات ہزار صعوبتوں کے باوجود اپنی حاضری کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ کاش
کہ وہ شیخ کے ان خیالات کی پاسداری کرتے جو شیخ نے عمل بالحدیث کے ضمن میں ظاہر

کہے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ شیخ کے مزار کی زیارت کرنے والے سب مقلدین ہی ہوتے ہیں اور عقیدت کا اظہار اس شد و مد سے کرتے ہیں جس سے شاید اکابرین کی مدح سرائی میں یہود بھی متعجب ہوں۔ اگر شیخ سے صحیح عقیدت کرنا ہے تو آپ کے فرمودات پر عمل کرنا چاہیئے۔ لیکن یہ حضرات محض زبانی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ جب عمل کی باری آتی ہے تو شیخ کیا حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بھی بھول جاتے ہیں۔ اگر یہ حضرات جن سے رشتہ عقیدت جوڑتے ہیں ان کے فرامین کو کا حقہ عملی جامہ پہنائیں تو تعلید خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ تمام ائمہ نے کتاب و سنت پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

۱۵۔ شیخ القویۃ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں :

اذا سمع الحديث وعارضه قول صاحب او امام فلا سبيل الى العدل
عن الحديث ويترك قول ذلك الامام والصاحب الخبر ثم قال ولا يجوز
ترك آية او خبر يقول صاحب او امام ومن يفعل ذلك فقد ضل ضللا
وخرج عن دين الله۔ ۱

جب صحیح حدیث ہو اور امام کا قول اس کے مخالف ہو تو اس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے۔ جس نے کسی آیت یا حدیث کو امام کے قول کی وجہ سے ترک کیا وہ گمراہ ہوا اور اسلام سے برگشتہ ہو گیا۔

شیخ موصوف کی نظر میں کتاب و سنت کو چھوڑ کر اقوال ائمہ پر عمل کرنے والا مسلمان نہیں ہو سکتا۔

۱۶۔ شارح مشکوٰۃ فیہ الحدیثین علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں :

في هذا الحديث توجيه وتقریح ينشأ من غضب عظيم على من ترك السنة
وما عمل بالحدیث استغتاوا عنها بالكتب فكيف بمن رجم الراوى على الحديث
واذا سمع حديثا من الاحاديث الصحيحة قال لا على ان اعلم بها
فان لي مذهبا ينته انتهي۔ ۲

(انکار حدیث والی حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے) فرماتے ہیں۔ اس حدیث میں ایسے شخص کو سخت ڈانٹ ہے جو سنت کو درخور اعتنا نہیں سمجھتا۔ تو اس شخص کا کیا حال ہے جو حدیث پر رائے اور قیاس کو ترجیح دیتا ہو یعنی جب صحیح حدیث کو اپنے مسلک کے خلاف مانتا ہے تو کہتا ہے۔ مجھے اس سے کیا کام۔ میں تو اپنے مذہب کا پابند ہوں۔

ایسے حنفی علماء و عوام کی کمی نہیں جو صرف حدیث کو ٹھکرا کر وجہ علیتنا تقلید امامنا (ہم پر ہمارے امام کی تقلید واجب ہے) جیسے مسموم اصول پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو محدث طبعی کے الفاظ پر غور کرنا چاہیے اور حقیقتِ حال سے پردہ اٹھ جانے کے بعد تقلید کو ترک کر کے کتاب و سنت کا متبع بننا چاہیے۔

۱۰۔ ایشاہ عبد العزیز محدث دہلوی

آپ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ اِندَادًا اَنْتُمْ تَعْلَمُونَ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں
دریں جا بایہ والنت چنانچہ عبادت غیر خدا شرک و کفر است۔ اطاعت غیر او تعالےٰ نیز بالاستقلال کفر است و معنی اطاعت غیر بالاستقلال آنت کہ اور در مبلغ احکام نادانستہ رقیقہ تقلید او در گردن اندازد۔ و اورا لازم شمارد و با وجود ظہور مخالفت او با حکم او تعالےٰ دست۔ از اتباع بر ندارد و این ہم نوع است از اتخاذ انداد کہ در آیت کریمہ اتخذوا احیاءهم و ریحانہم اربابا من دون اللہ و المسیح ابن مریم نکولش آن فرمودہ اند۔ لے

جس طرح غیر اللہ کی عبادت مطلقاً شرک ہے اسی طرح غیر اللہ کی اطاعت بالاستقلال کفر ہے۔ اطاعت بالاستقلال کے یہ معنی ہیں کہ تبلیغ احکام میں تقلید کے پتہ کو گرنے میں ڈال لیا جائے اور اللہ تعالےٰ کی مخالفت کے باوجود تقلید کو قابل عمل سمجھا جائے اور یہ قسم اہل کتاب کی اپنے علماء اور حضرت عیسیٰ کو

رب بنانے سے ملتی ہے۔

۱۰۔ تاج المحدثین امام الوقت مجتہد العصر الحافظ الاجل الثقة الثبت ابن خزم ظاہریؒ :
آپ نے تقلید کے رد میں بہت سی تصانیف میں خامہ فرسائی کی ہے۔ جن کے ذکر کا یہاں
محل نہیں۔ البتہ ہم ان کے خیالات کا بالاختصار ذکر کرتے ہیں :

تقليد عدم ولا يحل لاحد ان ياخذ قول احد غير رسول الله صلى الله عليه
وسلم ولا برهان لقوله تعالى : اَتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا
تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ اُولِيَاءَ وَقوله تعالى وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ اَتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ
اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا قَالَ تَعَالَى مَا مَالُكُمْ لِمَ تَعْبُدُونَ
وَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ احسنه اولئك الذين
هداهم الله واولئك هم اولو الابواب وقال تعالى فَاَنْتَ
تَنَادِعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ اِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَمِيزْ اللَّهُ الْبَرَّ مِنَ الْفَاسِقِ الَّذِي يَتَنَادَعُ اِلَى
الْقُرْآنِ وَالسَّنَةِ وَقَدْ صَحَّ اَجْمَاعُ الْعَصَابَةِ كُلِّهِمْ اَوَّلَهُمْ عَنْ آخِرِهِمْ
وَاجْمَاعُ تَابِعِيْنَ اَوَّلَهُمْ عَنْ آخِرِهِمْ عَلَى الْاِمْتِنَاعِ وَالْمَنْعِ مِنْ
اَنْ يَقْصِدَ اَحَدُ اِلَى قَوْلِ النَّاسِ مِنْهُمْ اَوْ مِنْ قَبْلِهِمْ فَيَاْخُذَ كُلَّهُ ۔
تقلید حرام ہے اور کسی کو جائز نہیں کہ وہ کسی کا قول بغیر دلیل کے سوائے رسول
اللہ کے اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تم صرف اسی کی پیروی کرو
جو تمہاری طرف نازل ہوا ہے۔ خدا کو چھوڑ کر اولیاء (رفقاء) کے پیچھے مت
بھاگو اور اللہ کا یہ فرمان جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ تم نازل شدہ کی پیروی
کرو تو وہ کہتے ہیں ہم اس کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا
اللہ تعالیٰ نے تقلید نہ کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے کہ میرے ان بندوں
کو خوشخبری سنا دو جو اچھی بات کی اتباع کرتے ہیں۔ وہی لوگ ہدایت پر ہیں

اور وہی عقلمندی ہے۔ اگر کسی مسئلہ میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس کو دور کرنے کے لئے کتاب و سنت کی طرف رجوع کرو۔ اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اختلاف کے وقت کتاب و سنت کے علاوہ کسی اور کی طرف رجوع کا حکم نہیں دیا۔ تمام صحابہ اور تابعین کا اجماع ہو چکا ہے کہ وہ کسی ایک کی طرف اختلاف کے وقت رجوع کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور یہ صحیح اجماع ہے کہ انہوں نے سلف میں سے کسی ایک کے قول کی طرف (کتاب و سنت کی موجودگی میں) رجوع کو منع فرمایا ہے۔ چند سطور کے بعد فرماتے ہیں:

فان هؤلاء الفقہاء کلہم قد نہوا عن تقلیدہم وتقلید غیرہم
فقد خالفہم من تلذہم وایضاً بنا الذی جاء رجلاً من ہولاء
او من غیرہم اولی بان یقلد من عمر بن الخطاب وعلی بن الج
طالب و ابن مسعود و ابن عمر و ابن عباس و عائشۃ ام المومنین
رضی اللہ تعالیٰ عنہم فلو ساء التقلید کان کل واحد من ہولاء احق
بان یتبع من غیرہ

تمام فقہانے اپنی اور غیر کی تقلید سے منع کیا ہے اور تقلید کرنے والوں نے ان کی مخالفت کی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ اکابر صحابہ کو چھوڑ کر فقہان کی تقلید کی جاتی ہے۔ اگر تقلید جائز ہوتی تو حضرت عمر، علی، ابن مسعود، ابن عمر، ابن عباس اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم زیادہ حقدار تھے کہ ان کی تقلید کی جاتی۔

امام ابن حزم کے اس مدلل کلام سے تقلید کے غلط ہونے میں کسی قسم کا شبہ باقی نہیں رہ جاتا کیونکہ انہوں نے قرآن کریم کی آیات اور آئمہ کے اقوال سے واضح کر دیا ہے کہ تقلید کا جواز نہ قرآن سے ہے، نہ آئمہ کے اقوال سے۔ پھر آخر میں اس نکتہ کی طرف توجہ مبذول کرکے کہ اگر تقلید جائز ہوتی تو صحابہ کرام کی کرنی چاہیے تھی کیونکہ وہ علم، فضل، صحبت، تقویٰ اور

دورع میں ان فقہاء سے ہزار درجہ بلند تھے۔ جب ان کی تقلید جائز نہیں تو پھر ان فقہاء کی تقلید کیسے جائز ہو گئی جب کہ مقلدین کے ہاں یہ مسئلہ اصول ہے کہ صحابی کی تقلید جائز نہیں۔
۱۹ مجدد الوقت امام ابن تیمیہؒ:

امام ابن تیمیہ تفسیر میں کامل، حدیث میں متبحر، بدعت اور اہل بدعت کے لیے سیفِ نبیؐ تھے۔ جن کے علم اور ورع کی شہادتیں آپ کے موافقین اور مخالفین دونوں نے ہی دی ہیں۔
امام موصوف کی تمام عمر تقلید اور جمود کے خلاف جہاد میں گزری۔ آپ فرماتے ہیں،

وَاذَا انْزَلَتْ بِالْمُسْلِمِ نَازِلَةٌ فَانْدِيسْتَفْتِي مِنْ اَعْتِقْدَانِهِ يَفْتِيهِ بِشَرِّ
اللّٰهِ وَرَسُولِهِ مِنْ اَيِّ مَذْهَبٍ كَانَ وَلَا يَجِبُ عَلَى اَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ تَقْلِيدَ
شَخْصٍ بَعِيْنَهُ مِنَ الْعَالَمِ فِي كُلِّ مَا يَقُولُ وَلَا يَجِبُ عَلَى اَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ
التَّزَامُ مَذْهَبَ شَخْصٍ مَعِيْنٍ غَيْرِ الرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كُلِّ مَا
يُوحِيْهِ وَيُخِيْرُ بِهِ بَلْ كُلُّ اَحَدٍ مِنَ النَّاسِ يُوْخِذُ مِنْ قَوْلِهِ وَيَتْرَكُ الْاُخَرَ
رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۛ

جب کوئی مسئلہ پر پیش ہو تو اس عالم سے جو قرآن و حدیث کے مطابق فتویٰ دے پوچھنا چاہیئے اور اس میں کسی ایک شخص کو متعین نہ کرنا چاہیئے کیونکہ مسلمانوں پر واجب نہیں کہ وہ کسی ایک شخص کی ہر بات میں تقلید کرے اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کسی شخص کے مذہب کو اپنے اوپر لازم کر لیا جائے اور اس کے ہر قول و فعل کو واجب سمجھ لیا جائے دنیا میں تمام کے اقوال کو رد کیا جاسکتا ہے اگر کسی کو یہ شرف حاصل ہے تو وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ان کے قول و فعل کو رد نہیں کیا جاسکتا۔
۲۰ امام الموحیدین الحافظ ابن القیم الجوزیہ:

امام ابن القیم کے تبحر علمی میں کسی صاحبِ علم کو شک نہیں۔ آپ اپنے زمانہ کے یکتا روزگار عالم تھے۔ سنت کی اتباع میں نمونہ سمجھے جاتے تھے۔ اسی بنا پر آپ کی جملہ تصانیف ملتِ نبویہ

کی حمایت اور تقلید کے خلاف بھری ہوئی ہیں۔ آپ نے تقریر و تحریر میں تقلید اور عبود کی دھجیاں اڑا دیں۔ تقلید کے خلاف اور سنت کی مدافعت میں جہاد عظیم کیا اور آپ نے اسے اپنی زندگی کا مستقل پہلو بنایا۔ تقلید کے ضد و خال اور اس کی قباحاتوں کا اس انداز سے نقشہ کھینچا کہ حق طلب اس کے مضمرات اور نقصانات سے واقف ہو کر کتاب و سنت کی طرف رجوع کر لیتا ہے۔ آپ کی مشہور عالم کتاب اعلام الموقعین جو چار حصوں پر مشتمل ہے وہ مسئلہ تقلید پر جامع حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں آپ نے جامدین اور متعینین کے جملہ شکوک و شبہات کا ازالہ اور دفعیہ کیا ہے اور بار بار اس کتاب میں مقلدین کو دعوت مبارک دی ہے کہ میدان میں آکر تقلید کے جوازیں ایک ہی قرآن و حدیث سے دلیل پیش کرو لیکن آج تک کسی میں یہ جرات پیدا نہ ہو سکی کہ حضرت الامام کی اس مبارکت کے چیلنج کا جواب دے سکے۔

آپ تقلید پر بحث کرتے لکھتے ہیں :

تقلید کے جوازیں کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ، دلیل اور تقلید باہم متضاد ہیں جب دلیل معلوم ہو جائے تو تقلید ختم ہو جاتی ہے کیونکہ تقلید صرف نہیں اور ظن کا نام ہے۔ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ لَا يُعْنِيهِ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا۔

آپ نے عبداللہ بن عمرؓ کے اس قول کو متعدد جگہ مختلف پیراؤں میں ذکر کیا ہے :
لا فرق بین بھیمة تنقادوا لسان یقلد مقلد اور بھیمة میں کوئی فرق نہیں اسی طرح ایک جگہ تقلید کے مفاسد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

والمصنفون فی السنة جمعوا بین نساد التقلید وابطالہ و بیان زلة العالم لیبینوا بذلك وفساد التقلید وان العالم قد یزل ولا بد اذ لیس بمعصوم فلا یجوز قبول کل ما یقول ، وینزل قوله منزلة قول المعصوم فهذا الذی ذمه کل عالم علی وجه الارض وجرمہ و ذموا اہلہ و هو اصل بلاد المقلدین وفتنہم فافهم یقلدون العالم فیما نزل فیہ و فیما لعزل فیہ و لیس لهم تميز بین ذلك فیاخذون الدین بالقطار ولا بد

فیصلوں ماحرم اللہ و محرمون ما اُحِلَّ اللہ و اشرعون مالم یشرع لہ
تمام علماء کا تقلید کے باطل ہونے میں اجماع ہے وہ اس لیے کہ مقلد اپنے امام
کو معصوم کے درجہ و منزلہ پر سمجھ کر اس کی ہر بات کو قبول کرتا ہے۔ خواہ وہ اس
میں خفی سے دُور ہی کیوں نہ ہو۔ اہل تقلید کی سب سے بڑی آزمائش یہی ہے کہ
وہ اپنے امام کی ہر بات کی بغیر تمیز کیے کہ یہ خفی ہے یا باطل، تقلید کرتے ہیں، دین
کو وہ خطار اور غلطی سے حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ کو حرام اور حرام
کو حلال بنا لیتے ہیں اور اس شریعت پر عمل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نہیں تیار کی
حضرت امام نے مقلدین کے متعلق جو لکھا وہ بالکل بجا اور حق ہے۔ ہم اپنے دور کے مقلدین
کا جب مشاہدہ کرتے ہیں تو اس دور کے تقلید میں سے ان کو بہت متعصب پاتے ہیں اس کی
وجہ یہ ہے کہ مردِ زمانہ کے ساتھ تعصب اور جبر و جبر میں اضافہ ہوتا چلا گیا جس کی وجہ سے مفاسد
بھی بڑھتے گئے۔ جو، کا ذکر ہم تقلید کی کہشوں میں کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

۲۱۔ حافظ العرب ابن عبد البر

حافظ ابن عبد البر عظیم محدث تھے۔ آپ مالکی ہونے کے باوجود تقلید کے سخت مخالفت
اور تحقیق کے دلدادہ تھے۔ آپ نے اپنی لافانی تصنیف بیان جامع العلم میں بہت سے
مقامات پر تقلید کے عدم جواز اور مفاسد پر ہمیشہ کی ہیں، ردِ تقلید میں بہت سے دلائل بیان
کرنے کے بعد فرماتے ہیں،

هدا کلمہ نفی للتقلید و ابطال لہ عن فہمہ و ہدی لرشدہ

ان تمام دلائل میں تقلید کی نفی اور اس کا ابطال ہے۔ اس شخص کے لیے جو تقلید
اور ہدایت کا طلب گار ہو۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں

وفیہ دلیل علی تحویم الاقتداء بالتقلید فانہ اقواء بغیر سنت

اس حدیث (من استحی بغیر صلہ) میں تقلید سے فتویٰ دینا حرام ہے کیونکہ

وہ فتویٰ بغیر دلیل کے ہے۔

تیسری جگہ فرماتے ہیں:

”علم ادراک اور معلوم کا نام ہے اور مقلد عالم نہیں ہوتا کہ چونکہ اس میں علم نہیں“
اور اس کی تائید میں یہ شعر پیش کیا ہے۔

عوت العالمون فضلك بالعلم وقال الجعہال بالتقليد

۱۰۰ مجدد الوقت السیخ الامام صالح بن محمد العمریؒ

امام موصوف نے مسئلہ تقلید پر ایسا ظہم اولی الابصار جیسی محرکہ الاراد کتاب تیسف فرمائی ہے۔ آپ نے تقلید کے جملہ پہلوؤں پر قلم اٹھایا ہے اور تقلید کے بڑے بڑے عقائد نقصانات کو عوام و خواص کے سامنے رکھ دیا ہے۔ کتاب کا انداز علمی اور شوثر ہے۔ آپ اس کتاب میں فرماتے ہیں:

ان المعروفہ قد الصحابة والتابعین ومن تبعهم یا منسان الی یومہ

الذین وعند سائرہ الامر المسلمین ان حکم الحاكم المجتہد اذا خالف

نص کتاب اللہ ارسلتہ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم یرجب نقضہ و منع

نقضہ ولا یارضی نص کتاب والسنة بالاحتمالات العقلیة والخیالات

النفسانیة والعصبیة النفسانیة بان یتقال لعل هذا المجتہد قد اطلع

على هذا النص وتركه لعل ظهرت له اوانه اطلع على دلیل اخر ونحو هذا

مما لہم به فرق الفقہاء والمتعبدین واطبق علیہ جہلۃ المقلدین لہ

تمام صحابہ کرام و تابعین عظام وائمہ اعلام کا فیصلہ ہے کہ جب مجتہد حاکم (امام)

کا فیصلہ کتاب وسنت کے خلاف ہو تو نہ وہ واجب العمل ہو سکتا ہے اور نہ ہی نافذ

عقلی احتمالات، نفسانی خواہشات، ولی خیالات، توہینی جمودات کا مقابلہ کر سکتا

سنت سے نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی کہے کہ یہ مجتہد اس دلیل پر ضرور مطلع ہو گیا اس

کے سامنے کوئی اور دلیل ہو گی جیسا کہ آج کے منتقِب نقباء اور جاہل مقلدین کہتے ہیں

حضرت الامام کے اس قول سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں اور ظاہر ہے کہ مجتہد میں فی نفسہ کوئی اہمیت نہیں کہ اس کی بات کو قبول کر لیا جائے اور قرآن و فرمانِ مصطفیٰ کو رد کر دیا جائے۔ محض عقلی احتمالات، نفسانی خیالات اور تعصب کی بنا پر کلامِ الہی اور فرمانِ رسول کو رد کر دینا بہت بُری بات ہے۔ مقلدین کی کتب پر نگاہ رکھنے والوں کو اس بات میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہو سکتا کہ ان کتب میں ایسی عبارتیں موجود ہیں کہ جب امام کا قول یا عمل قرآن و حدیث کے مخالف ہو تو امام کے قول کو چھوڑ کر کتاب و سنت کے ظاہر پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔ بظاہر یہ بات بہت سخت ہے لیکن مقلدین کے ہاں یہ روٹی بکلا سوغ سے بھی نرم حیثیت رکھتی ہے کیونکہ وہ امام کے قول کو تو اپنا لیتے ہیں لیکن قرآن و حدیث میں توجیہات و تاویلات سے کام لے لیتے ہیں۔ شیخ صالح کے الفاظ کو دیکھا جائے تو یہ الفاظ آج بھی اپنی معنوی خوبصورتی کو اپناٹے ہوئے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ امام کو کوئی اور دلیل مل گئی ہو۔ اسی قسم کے الفاظ مولانا محمود الحسن اور دیگر اکابر مقلدین کی کتب میں لکھے ہوئے سرل جاتے ہیں۔

ہمارے ملک میں احادیث صحیحہ و آیات حکمات سے جو سلوک روا رکھا جاتا ہے اس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملتی اور اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ عوام کے ذہنوں میں بڑے زور شور سے اس مسموم نظریہ کو داخل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ احادیث میں تو اختلاف ہے لہذا امام نے احادیث کو زیادہ سمجھا ہے۔ امام کے بغیر کسی مسئلہ پر عمل کرنا درست نہیں۔ خواہ وہ کتاب و سنت کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔

بڑے لطف کی بات یہ ہے کہ انہوں نے احکام میں تو تاویلات سے کام لینا ہی تھا۔ عقائد کو بھی احکام کی طرح مفلوج کرنے کی مکمل کوشش کی جا رہی ہیں۔ نئے نئے عقائد کی اشاعت پر لاکھوں روپے کا سرمایہ ضائع کیا جا رہا ہے اور بدعات و شرک کو عین اسلام سمجھا ڈالا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ احباب نے جب تقلید پر اعتکا ف کر لیا، کتاب و سنت کی ان کو ضرورت نہ رہی تو جہاں احکام صحیحہ نے متردک ہونا تھا وہاں انہوں نے عقائد سے بھی غلامی چاہ لی۔ یہ بات حقیقت ہے کہ جب قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے رابطہ کٹ جاتا

ہے تو پھر نت نئے مسائل اور عقائد کو اپنانا ہی پڑتا ہے۔ کاش کہ ہمارے متعصبین حضرات کتاب و سنت کے مقام کو سامنے رکھتے اور اس قسم کی لغزشوں سے محفوظ رہتے۔ امت کا شیرازہ بکھرتا۔ نہ آئے دن کی مذہبی منافرتیں پیدا ہوتیں۔

۱۳۳ امام ابو شامہ دمشقی

یہ جلیل القدر امام اتباع سنت کے اس قدر دلدادہ تھے کہ قرآن و حدیث کی موجودگی میں کسی امام کی بات سنا کر انہیں کرتے تھے۔ آپ نے تقلید کے رد میں ایک پُر مغز اور جامع کتاب المحقر المول تصنیف فرمائی ہے۔ جس میں ائمہ شافعیہ کا تذکرہ انتہائی افسوس و ملال کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے احادیث رسول کو چھوڑ کر اپنے امام کو اصل بنالیا ہے۔ حالانکہ امام شافعی نے اس سے منع فرمایا تھا کہ تم نے احادیث کے ہوتے ہوئے میری بات پر عمل نہیں کرنا لیکن انہوں نے اس مسئلہ میں امام کی مخالفت کر کے احادیث کو ترک کر دیا اور امام کے قول پر ایسا تمک کیا کہ گویا وہ نبی مُرسَل تھے۔ آپ اسی کتاب میں ایک جگہ فرماتے ہیں

ان التقلید بغیر الرسول حرام ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کسی اور کی تقلید حرام ہے۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں،

ان الله تعالى افترض علينا طاعة رسوله فقد وصلنا حديثه فلم نرد

بقول احد

اللہ تعالیٰ نے ہم پر صرف رسول کی اطاعت فرض کی ہے۔ ہم حدیث کو کسی

ایک کے قول سے رد نہیں کر سکتے۔

کتنے جلی الفاظ میں حضرت ابو شامہ نے واضح کر دیا کہ اطاعت رسول کی فرض ہے۔ اطاعت کا مفہوم یہ ہے کہ ہمیں جو حدیث مل جائے تو اس پر عمل کرنا چاہیئے اور کسی امام کے قول کی وجہ سے کہ فلال امام کا قول یا فعل حدیث کے خلاف ہے۔ حدیث کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہی اصل بات تقلید کے خلاف ہے کیونکہ مقلد کے نزدیک امام کا قول حجت ہوتا ہے

جب کہ امام ابو شامہ کے نزدیک قول حجت نہیں بلکہ حدیث حجت ہے۔ قول کو ترک کر کے حدیث پر عمل کرنا فرض ہے اور اطاعت کا بھی یہی مفہوم ہے۔

شیخ الکمل، استاذ العرب والعلوم، مسند وقت، حجت کامل، نمونہ سلف حضرت امام ۲۴ سید نذیر حسین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ الکمل شاہ محمد احنی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین تھے۔ آپ کی وجہ سے برصغیر کا جہیزہ قال اللہ وقال الرسول کی صداؤں سے گونج اٹھا۔ ایسا کوئی علاقہ یا ملک نہیں جہاں آپ کے فیض یافتہ اور تربیت یافتہ موجود نہ ہوں۔ جو شب و روز کتاب و سنت کو مادی و مجازی بنائے ہوئے ہیں۔ ان کی وجہ سے ایسا کی تقلیدی دنیا کو نہ بردست دھچکا لگا۔ تقلید کے پاؤں جرقے کی دیواروں سے بھی زیادہ مضبوط ہو چکے تھے۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر رہ گئے۔

رد تقلید کے موضوع پر آن واحد میں بیسیوں کتابیں عوام و خواص کے ہاتھوں میں پہنچیں لوگوں نے ان سے کتاب و سنت کی شمع کو نفاش کر لیا اور کتنے ہی گھرانے تقلیدی جمود کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے، جو اس شمع سے روشن ہو گئے۔ ان کتابوں میں سرسپرست کتاب ”معیار الحق“ تھی۔ جو اسم باسملی ہونے کی وجہ سے حق کے معیار کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر چکی ہے۔ یہ کتاب حضرت شیخ الکمل کی ذاتی تصنیف ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے جو خالص علمی انداز میں لکھی گئی ہے۔ مقلدین آگ بگولہ ہو گئے۔ اور اس پر طرح طرح کے حملے اور نقد شروع کیے لیکن کوئی بھی اس کی تفتیش نہ کر سکا۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

میرے خیال میں جمود کو توڑنے والی اردو زبان کی یہ پہلی کامیاب کوشش تھی اسی لیے تو اس کتاب کو خصوصی نشانہ بنایا گیا ہے، وہ اس لیے کہ شیخ الکمل فی الکمل نے مقلدین کے جہیزے کو شفاف آئینہ کے سامنے کھڑا کر دیا تھا، وہ آئینہ بھی ایسا جو تقلید کے جملہ عیوب کو ظاہر کر دیتا ہے اور طالب حق اس آئینہ سے داغ دھبوں کو دیکھ کر انہیں مٹانے کا علاج سوچ سکتا ہے۔ اور وہ علاج بھی وہاں موجود ہے کہ ان عیوب کا علاج کتاب و سنت پر عمل کرنے سے ہے۔ آپ نے معیار الحق کے علاوہ فتاویٰ نذیریہ میں بھی اسی طرز عمل کو اپنایا ہوا ہے اور

کتاب وسنت کے دفاع میں تقلید کو ہدف اور نشانہ بنایا ہے۔ آپ ایک فتویٰ میں فرماتے ہیں۔
تقلید نہ تو کسی آیت کریمہ سے ثابت ہے اور نہ کسی حدیث سے اور نہ کسی
امام نے اپنی تقلید کرنے کی اجازت دی ہے

آئمہ کے اقوال کو اگر جمع کیا جائے تو ضخیم کتاب بن جائے گی۔ لیکن ہمارا مقصد ضخامت
اور طوالت نہیں بلکہ دلائل حقہ کا ذکر کرنا تھا۔ ہم انہیں آئمہ پر اکٹھا کرتے ہوئے آخریں امام الاحناف
۲۵ محمد بن حسن شیبانی، تلمیذ خاص حضرت امام ابو حنیفہؒ، جن کے متعلق کتب اخاف میں فقہ کے
متعلق یہ الفاظ درج ہیں کہ فقہ حنفی ایک روٹی کی طرح ہے جس کو امام محمدؒ نے تمام لوگوں میں تقسیم
کیا ہے۔ آپ تقلید کے بارے میں اپنی رائے کو ایسے الفاظ سے بیان فرماتے ہیں جو سنہری حروف
سے لکھنے کے قابل ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: لے

ولجأز التقلید کان من معنی من قبل ابی حنیفۃ مثل الحسن البصری

وابراہیم النخعی احرى ان یقلدوا ۛ

اگر ابو حنیفہ کی تقلید جائز ہے تو پہلے جو گذر چکے ہیں ان کی تقلید ہونی چاہیے تھی۔
جیسا کہ امام حسن بصری، ابراہیم نخعی (استاد امام ابو حنیفہ) زیادہ حقدار تھے کہ ان
کی تقلید کی جاتی۔

امام موصوف نے تقلید کے دہانے پر بھاری پتھر کھڑا کر دیا ہے اور تقلید کے تمام راستوں
کو ذرو الفاظ سے بند کر دیا ہے۔ اگر کوئی مقلدان دروازوں کو کھولنا چاہے تو کامیاب نہیں ہو سکتا۔
خاص طور پر حنفی مقلد تو امام محمدؒ کے اس قول کے سامنے بے بس نظر آتے ہیں۔ کیونکہ امام
محمدؒ ان کے ملکہ امام ہیں جن کی تقلید تو نہیں کی جاتی البتہ امام ابو حنیفہؒ کے اقوال کو انہی کے ذریعے
حاصل کر کے واجب الاتباع سمجھا جاتا ہے۔ جب حنفی امام موصوف پر اعتماد نہیں کریں گے تو
ظاہر بات ہے فقہ حنفی پوری کی پوری بے اعتمادی کا شکار ہو جائے گی۔ بہر حال یہ ان حضرات
نے فیصلہ کرنا ہے کہ وہ امام موصوف کے اس قول کی، جو تقلید کی راہ میں بھاری پتھر ہے،
کیا تو خیر کرتے ہیں۔ اگر وہ امام موصوف سے اختلاف اس وجہ سے کریں گے کہ انہوں نے

تقلید کے خلاف فتویٰ دیا ہے تو باقی فقہ حنفی کو کس اتفاق و اتحاد سے قبول کریں گے۔ جب کہ فقہ حنفی میں سرے سے کوئی سند موجود نہیں۔

ہم حنفی دوستوں سے انتہائی خلوص سے عرض کرتے ہیں کہ تقلید کے مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے ان ائمہ کے اقوال کو بھی سامنے رکھیں جو ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں جن میں اکثریت اکابر حنفی علماء کی ہے۔ تو انشاء اللہ مسئلہ صاف ہو جائے گا اور کتاب و سنت کا مقام بھی جو تقلید کی دہرے سے کئی پستیوں کو قبول کر چکا ہے، خود بخود اجاگر ہو جائے گا۔ ملت میں اتحاد، اتفاق اور اخوت کا جذبہ موثر بن ہو جائے گا اور لوگ تقلید کے نقصانات اور مفاسد سے بھی نجات حاصل کر لیں گے۔



باب سوم تاریخ تقلید

سابقہ اوراق میں آپ نے تقلید کے باطل اور ناجائز ہونے کا بادل اٹھایا ہے۔ اب کسی ایسی تفصیل کی ضرورت باقی نہ تھی جس کو مزید ذکر کیا جائے۔ لیکن مجوزین حضرات نے کہیں پاؤں جمانے کے لیے تقلید کے مختلف پہلوؤں کو ہوا دے کر دھڑلے سے لال کر کے لوگوں کے ذہنوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ تمام کوششیں خواہ کس حیثیت سے پیش کی جائیں، ناکام ثابت ہوتی ہیں۔ اس میں سب سے بڑی کوشش تقلید کی تاریخ کے متعلق ہے۔ ہم اس موضوع کا جائزہ نہایت بسطِ قلب سے دیتے ہیں۔

اس میں شک ہے کہ عہد صحابہ و تابعین میں کوئی شخص تقلید کے موجودہ معروف معانی، جو بعد والوں نے اپنی طرف سے وضع کر لیے، واقف نہیں تھا کہ تقلید کے لفظ کا اطلاق انسانوں پر بھی ہو سکتا ہے؟ کیونکہ عموماً اس لفظ کو حیوانوں کے لیے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ قرآن و حدیث میں جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے وہاں انسانوں کے لیے نہیں بلکہ حیوانوں کے لیے ہوا ہے اور عام طور پر قربانی کے جانوروں پر بولا گیا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ مجوزین کے نزدیک مقلدین قربانی کے بکرے ہوں جب وہ چاہیں ان کی قربانی کر دیں۔ خیر القرون میں لوگ اتنے پست نہ تھے کہ وہ اتباع کے معنی خیر لفظ کو چھوڑ کر تقلید کے بے روح لفظ کو اپنے لیے استعمال کرتے۔ اسی بنا پر تو صحابہ میں تقلید کا کہیں نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ تمام صحابہ کتاب و سنت کو مشعل راہ بناتے تھے۔

وہ لوگ جو کتاب و سنت سے براہ راست استفادہ کی قوت نہیں رکھتے تھے۔ وہ جس

عالم سے چاہتے مسائل دریافت کر لیتے۔ جب کسی مسئلہ میں ایک صحابی عالم سے الطینان حاصل نہ ہوتا تو کسی اور عالم صحابی کی طرف رجوع کرتے اور جب مسئلہ کے کتاب و سنت سے پتہ نہ چلتا تو پھر اس پر عمل کرتے، بعض اوقات ایسے بھی ہوتا کہ جب کسی سے مسئلہ دریافت

کیا تو وہ دلیل نہ ہونے کی بنا پر جواب سے معذرت چاہ لیتے اور کسی ایسے صحابی کی طرف سائل کی رہنمائی فرماتے جو ان کے نزدیک اس مسئلہ میں اہل ہوتے۔ تو ایسی صورت میں تقلید کہاں پیدا ہو سکتی تھی۔ اسی بنا پر جب ہم تقلید کے دلدادہ اور اس کو کتاب و سنت کے مقابلہ میں واجب سمجھنے والوں سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تم ذرا یہ تو بتاؤ کہ سب سے پہلا مقلد کون ہوا ہے؟ کیا کوئی صحابی مقلد تھا اگر ایسا ہی ہے تو پھر آپ اس صحابی کے نام کا ذکر کیجئے لیکن یہ نام ذکر کرنے سے اس لیے قاصر ہیں کہ انہیں صحابہ کرام میں کوئی ایک شخص بھی مقلد نظر نہیں آتا جس کا یہ نام پیش کر سکیں۔

تابعین کرام کا دور

صحابہ کے مقدس اور مبارک دور کے بعد جب تابعین کرام کا دور شروع ہوتا ہے۔ یہ ایسا بہترین دور تھا کہ اس میں قرآن وحدیث کے مصطفیٰ چٹھے عالم اسلام کے ذرہ ذرہ کو سیراب کر رہے تھے۔ ہر طرف قال اللہ وقال الرسول کی صدا میں سمندر دل کی لہروں اور موجوں کی طرح فضا میں دھونے پیدا کر رہی تھیں۔ کسی خاص شخص کو مطاع اور امام (خلافت والا نہیں) بطور حجت نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ ایک ایک شہر میں کئی کئی اہل علم موجود تھے جن سے لوگ عند الحاجت مسائل دریافت کرتے اور وہ کتاب وسنت (قیاس درائے سے نہیں) سے ان مسائل کا حل پیش فرماتے۔ قیاس اور آراء کے سخت مخالف تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ صحابہ کرام کے تربیت یافتہ تھے۔ جن کی زندگیوں کا اولین مقصد اشاعت اسلام تھا۔ اسی بنا پر انہوں نے قیاس اور آراء کی سخت الفاظ میں مذمت فرمائی ہے۔ جس کا اجمالی تذکرہ آپ سابقہ ادباق میں پڑھ آئے ہیں۔

احادیث رسول کی حفاظت میں یہ لوگ بہت محنت سے کام لیتے تھے۔ صحابہ کے اقوال کو مرفوع احادیث سے الگ کر کے بیان کرتے تھے تاکہ الفاظ نبوت کے ساتھ کسی امتی کی الفاظ خلط ملط نہ ہو جائیں۔ اب آپ ہی ذرا سوچئے کہ جب حدیث کی حفاظت کا اہتمام اس قدر کیا جائے تو پھر ایسی صورت میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ

کسی ایک آدمی کو اپنا امام اور مقتدا سمجھتے ہوں۔ لہذا تابعین کا یہ مبارک دور جس کے معتبر ہونے کی شہادت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان نے دی تھی، بغیر کسی کی تقلید کے ایسے ہی گزر گیا جیسا صحابہ کرام کا مبارک دور تقلید کے بغیر گزرا تھا اور یہ دور خالص اتباع کا دور تھا۔

تابعین کے دور کے بارے میں ہم نے جن خیالات کا اظہار کیا وہ بالکل حقیقت پر مبنی ہیں ہم اس دور میں کسی ایک شخص (جو اہل بدعت سے نہ ہو) کو کسی کا مقلدین پاتے اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو پھر مقلدین جرأت کر کے کسی معروف تابعی کے نام کا ذکر کریں کہ اس نے فلاں شخص کی تقلید کی ہو۔

بہر ایں خیال است و محال است وجہوں

تابعین کا دور

یہ وہ دور ہے جس میں بڑے بڑے فتنے سراٹھاپکے تھے۔ قیاس و آراء کو جت سمجھا جا رہا تھا۔ قیاسات کو قابل عمل بنانے کے لیے تہمیدیں باندھی جا رہی تھیں لیکن پھر بھی یہ ایسا دور تھا جس میں تقلید کا قطعاً رواج نہیں پڑا تھا۔ بڑے بڑے ائمہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک جیسی مقدس ہستیوں اپنے تلامذہ کو کتاب اللہ اور سنت رسول پر سختی سے عمل کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ اور وہ شاگرد بھی ایسے بالکل تھے کہ وہ اپنے اساتذہ سے ہر اس مسئلہ میں اختلاف کرتے جس کو وہ کتاب اللہ اور حدیث رسول کے خلاف سمجھتے۔ حضرت امام ابو حنیفہ کے تلامذہ پر نظر ڈالیے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ انہوں نے اپنے اساتذہ سے نصف سے زائد مسئلوں میں اختلاف کیا ہے۔ امام زفر، امام ابو یوسف اور امام محمد سبھی اپنے اساتذہ سے زبردست اختلاف رکھتے تھے اور تحقیق کرنے کے بعد اگر اپنے استاد کا فتوے غلط ثابت ہوتا تو اسے ترک کر کے صحیح مسئلہ کی طرف رجوع کرتے۔

امام ابو یوسف کا صاع والاقعہ تمام فقہ کی بڑی کتابوں میں مرقوم ہے۔ اہل عراق اور حضرت ابو حنیفہ بلکہ آپ کے تمام شاگرد کو فی صاع کو درست سمجھتے تھے جب کہ امام مالک مدنی

صانع کو اصل قرار دیتے تھے۔ ایک دفعہ امام ابو یوسفؒ مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے تو حضرت امام مالکؒ سے اسی مسئلہ پر گفتگو ہو گئی۔ فیصلہ امام مالکؒ کے حق میں ہو گیا تو امام ابو یوسفؒ نے اسے فوراً قبول فرمایا۔ جب آپ مدینہ سے واپس کو فہ کی طرف گئے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ داعی اجل کو لبیک کہہ چکے تھے۔ امام ابو یوسفؒ کو اپنے استاد محترم کی وفات کا سخت صدمہ ہوا اور آپ فرمانے لگے میں نے صانع کی تحقیق کی ہے جس سے معلوم ہوا ہے کہ کوئی صانع غلط ہے اور مدنی صانع درست ہے۔ اگر آج میرے استاد موجود ہوتے تو وہ میری اس تحقیق کو منورہ قبول فرماتے۔ امام شافعیؒ اور دیگر اکابر حنفیہ نے صاحبین کا اپنے استاد سے ہر ایک اختلاف نقل کیا ہے۔ اگر یہ بات حقیقت ہے اور یقیناً حقیقت ہے کہ صاحبین کا اختلاف ہر اسے بڑھ کر ہوگا تو کوئی انصاف پسند اتنے بڑے اختلاف کی موجودگی میں تقلید کو جائز و درست تسلیم کر سکتا ہے۔ جب کہ تقلید اختلاف کی متعل نہیں۔

ہم اس بات کے کہنے پر فخر محسوس کرتے ہیں کہ تقلید کے جائز نہ ہونے پر ہمارے موقف اور ائمہ کے موقف میں کوئی فرق نہیں کیونکہ ہم جس دور کی بات کر رہے ہیں اس میں تقلید کی دھجیاں بکھرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ شاگرد استاد سے اختلاف کر رہے ہیں اور کتاب و سنت کے صافی چشمہ سے سیراب ہونے کے لیے دور دراز کے سفر بھی کرتے ہیں۔ جب مسئلہ صحیح ثابت ہو جاتا ہے تو اس مسئلہ میں اپنے استاد کو بھول جاتے ہیں۔ لہذا یہ دوبار بھی جو تقریباً ۲۲ سال تک رہا بغیر تقلید کے گزر گیا اور اس دور کے لوگ علوم و خواص سب متبع تھے۔ مقلد نہیں تھے۔

ائمہ عظام کا دور

اس دور میں اہل حدیث اور اہل الرائے (قیاس کو ماننے والے) دونوں کثرت سے پیدا ہو چکے تھے۔ قیاس آرائیاں اور فرضی مسائل حکومت وقت کے بل بوتے پر عروج حاصل کر رہے تھے۔ بڑے بڑے گمراہ فرستے اپنے ہاتھ پاؤں پھیلا چکے تھے اور ان گمراہ فرقوں کو حکومت وقت کی مکمل حمایت حاصل تھی لیکن اس کے باوجود لوگوں کی اکثریت کتاب و سنت

پر عمل پیرا تھی یہی وجہ تھی کہ معتزلہ کا پیدا ہوا مسئلہ خلقِ قرآن دب کر رہ گیا۔ احادیثِ نبویہ کو کتابوں میں جمع کرنے کا شوق اس قدر عام تھا کہ محدثین کی بہت بڑی جماعت شب و روز اس کام میں مشغول تھی۔ اس دور میں حدیثِ رسول پر جتنا کام ہوا اس کی نظیر کہیں بعد میں نہیں ملتی۔ امام شافعی، امام احمد حنبل، امام یحییٰ بن معین، امام اسحاق بن راہویہ، امام محمد بن امام بخاری، امام مسلم، امام ابن ماجہ، ابو داؤد و ترمذی اور امام نسائی وغیرہم نے اپنی زندگیوں کو جمع حدیث اور اس کی ترتیب و تہذیب کے لیے وقف کیا ہوا تھا۔ ہم اس دور میں بھی اس تقلیدی جہود کو مقصود پاتے ہیں جس پر ہمارے موجودہ حضرات مفسر ہیں۔ یہ دور تقلید سے اس اعتبار سے بھی خالی تھا کہ کسی ایک نے اپنی نسبت ائمہ اربعہ یعنی مالکی، حنفی، شافعی یا حنبلی کی طرف نہیں کی تھی یہ نہیں بعد الاول کی پیداوار ایجاد کردہ ہیں۔

اس دور میں بھی کہیں تقلید کا نام و نشان نظر نہیں آتا۔ یہ دور تقریباً ۲۸۰ھ تک کا ہے۔

چوتھی صدی ہجری

اس سے قبل کے ادوار کا تو آپ نے مطالعہ کر لیا کہ ان ادوار میں تقلید شروع نہیں ہوئی تھی لیکن جس صدی کو ہم اب زیرِ قلم لارہے ہیں۔ یہ پہلی تینوں صدیوں کی نسبت قتلوں، جھگڑوں، اور قیاس آرائیوں سے بھری ہوئی نظر آتی ہے۔ اس صدی میں بڑے بڑے فقہ ائمہ منطوق و فلسفہ پر مشتمل تالیفات و تدبیریں کا کام شروع ہو گیا اور مسلمان اس دور میں تقریباً تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔

ایک محدثین کا گروہ تھا جو کتاب و سنت کے حصول میں رات دن کوشاں تھا۔ اور اپنی زندگی کا مقصد صرف ان دونوں کے تمسک میں ہی پاتا تھا اور انہی دونوں پر عامل چلا آ رہا تھا۔ دوسرا بڑا گروہ اصحابِ الرأے کا تھا۔ جن کو حکومت میں کافی تمکین ہو چکا تھا۔ قاضی اور جج انہیں اصحاب کے اشارے پر مقرر کیے جاتے تھے جس سے حدیث کی بجائے قیاس اور تقلید کو تقویت حاصل ہوتی رہی۔ یہ لوگ اہل جہاز بلکہ اکثر اسلامی علاقوں سے بڑھ کر عراق میں تقویت حاصل کر چکے تھے۔ غیر سے عراق کی زمین شروع سے ایسی تھی جس میں آراء و قیاس کے

جراثیم غیر القرون میں پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے۔ جن کے متعلق امام جعفر صادق جیسے بزرگ اہل بیت نے بڑے تاسف و حزن کا اظہار فرمایا تھا اور کئی دفعہ اہل الرائے سے مناظرہ کا میدان بھی گرمایا لیکن اس کے باوجود اہل الرائے کا اثر و نفوذ بڑھتا چلا گیا حتیٰ کہ چوتھی صدی ہجری میں خلافت کا زیادہ تر انصرام ان کے ہاتھ چلا گیا۔

تیسرا گروہ علم کلام والوں کا تھا جن کے ذریعے وجود باری تعالیٰ، صفات اور دیگر اہم مسائل میں حکومت کی زیر سرپرستی مناظرہ کے رن پڑنے لگے۔ یہ فتنہ اتنا بڑا تھا کہ شاید عالم اسلام میں اس سے پہلے علمی رنگ میں کوئی اس سے بڑا فتنہ پیدا نہ ہوا ہو۔ امام ابن تیمیہ اسی فتنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ ماموں کا یہ گناہ معاف نہ ہو جو اس نے فلسفہ اور منطق کی کتابوں کو غیر اسلامی ممالک سے منگوا کر اس کی اشاعت کے لیے کیا۔

ماموں کا دور اگرچہ اس سے ذرا پہلے کا تھا لیکن اس فصل کی آیا باری اُسی نے کی جواب پھل پر پہنچ چکی تھی جس نے اسلام میں بدعات کے دروازے کھول دیئے کہیں قیاس اور رائے کے جھگڑے تھے اور کہیں علم کلام کا زور شور سنا دے رہا تھا حکومت میں انہی افعاب کو عمل دخل تھا۔ محدثین کو نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ ان کو بے وقوف اور جاہل ہونے کا الزام بھی دیا جا رہا تھا بلکہ لوگ دینی معاملات میں سست ہوتے جا رہے تھے۔ حکومت بھی اہل الرائے اور اہل بدعت کی سرپرستی میں گر جوشی دکھا رہی تھی۔ معتزلہ اور دیگر گروہ قیاس و عقل کے بنیوتے پر بحث و جدل میں مشغول تھے۔ جس سے کچھ لوگ تو کتاب و سنت پر متمک تھے۔ باقی لوگ اپنے اپنے گروہوں کے آئینہ کی طرف جھکے جاتے اور ان مباحث میں حصہ لینے والے اپنے اپنے مذہب کو بچانے کے لیے اپنے مذہب کے امام کی مصمت کو بچانا فرض سمجھتے تھے۔ پس اسی طرز عمل نے تقلید کی داغ بیل ڈالی جو بعد میں اسلامی قوت کو پارہ پارہ کرنے کا موجب بنی۔ امام ابن القیم تقلید کی تاریخ پر اپنے الفاظ میں تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

ان هذا التقليد لم يكن في عصر التابعين ولا تابعي التابعين فليكن بنا
المقلدون برجل واحد سلك سبيلهم الوخيمة في القرون الفضيلة
على لسان رسول الله صلى الله عليه وسلم وانما حدثت هذه البدعة في القرن
الرابع المذموم على لسان رسول الله صلى الله عليه وسلم فالمقلدون لمبتوعهم
في جميع ما قاله يبيعون به الفروج والدماء والاموال ويحرمونها ولا يدرون
اذلالت صواب ام خطأ ۱

تقليد کا وجود تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں بالکل نہیں تھا۔ ہم اگر اس دعویٰ میں
غلط ہیں تو کوئی مقلد ہمارے اس دعویٰ کو غلط ثابت کرے اور میں بتلائے کہ کوئی
شخص بھی (مذکورہ اوور میں) مقلدین کے اس راستے پر چلا ہو جس پر موجودہ مقلدین
چل رہے ہیں۔ یہ بدعت جو حقعی صدی ہجری میں پیدا ہوئی جس کی مذمت رسول
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صادر ہو چکی تھی۔ جس کی وجہ سے ان لوگوں
نے صرف اقوالِ آئمہ سے شرمگاہوں کو حلال کیا۔ غولوں کو بنایا۔ مالِ ناحق کے تصرف
کو جائز کیا۔ بعض حلال چیزوں کو حرام میں بدل ڈالا اور (بعض) حرام کو حلال میں
اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ وہ جس کی تقلید کرتے ہیں ان کے درست اور
غلطی پر ہونے کا انہیں علم نہیں ہوتا۔ (کیونکہ امام معصوم نہیں غلطی اور درستی دونوں
کا احتمال ہے)

امام موصوف نے زور آور الفاظ سے تقلید کی تاریخ کو بیان کیا کہ اس کا وجود پہلی تین قرونوں
میں نہیں ملتا بلکہ اس کا وجود اس صدی سے شروع ہوا جو فقہ نے اور زلازل والی صدی تھی۔ اس کا
وجود اس صدی میں ہوتا کیوں نا جب کہ اسلام میں تقلید بذاتِ خود بہت بڑا فتنہ ہے۔ اس سے
بڑھ کر اور کیا فتنہ ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے احادیث صحیحہ کا انکار ہو گیا۔ اسلام کو آئمہ کے اقوال
پر عمل کر لیا حالانکہ وہ آئمہ اس بدعت سے بالکل بری تھے۔ انہوں نے تو اس سے منع کیا تھا۔
مقلدین کو چیلنج؛ پھر امام نے کلمے بندوں جو زین کو چیلنج کیا ہے کہ تم ایک شخص ہی ایسا پیش کرو

جر پہلی تین قرون میں کسی کا مقلد ہو، لیکن تاہنوز امام صاحب کے اس دعویٰ کو توڑا نہیں جاسکا اور نہ ہی کسی نے امام ابن القیم کے اس چیلنج کو قبول کیا ہے۔ دعویٰ کو سینکڑوں برس گزر گئے لیکن آج تک کسی ایک مقلد کا نام نہیں پیش کیا جاسکا اور نہ ہی انشاء اللہ آئندہ کوئی پیش کیا جاسکے گا۔

امام ابن حزم ظاہری م ۵۶۰ھ مقلد کی ابتداء پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:
 واما ظهور القياس في القرن الرابع مع ظهور التقليد واما ظهور القياس في التابعين على سبيل الرأي والاحتياط والظن لا على الإيجاب حكم به ولا استحقاق مقطوع۔

قیاس اور تقلید کا ظہور چوتھی صدی ہجری میں ہوا۔ تابعین کے دور میں قیاس احتیاط کی بنا پر بھی نہ کہ اس لیے کہ اسے واجب العمل سمجھا جاتا تھا۔ اسے یقین کا درجہ حاصل نہیں تھا بلکہ وہ صرف ظن (خیال) کی حد تک تھی۔

امام ابن حزم کے الفاظ میں قیاس پر عمل اور تقلید چوتھی قرن کی پیداوار ہیں اور پھر قیاس اور تقلید دونوں لازم ملزوم ہیں یعنی جب قیاس آیا تو تقلید بھی ساتھ آئی جیسے محض قیاس سے احادیث کا انکار ہوا اسی طرح تقلید سے بھی احادیث کا انکار ہونا لازمی امر تھا۔
 مجدد الوقت حضرت امام الشیخ صالح العمری تاریخ تقلید سے پروردہ ان الفاظ میں اٹھاتے ہیں:

انما احدث بعد ما سئیت سنة من الهجرة و بعد فناء السردون التي اثنت عليهم الرسول صلى الله عليه وسلم

تقلید کی بدعت رسول اللہ علیہ السلام کے دو سو سال بعد نکلی جب کہ غیر القرون کا زمانہ گزر گیا تھا جس کے بہتر ہونے کی تعریف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔

حضرت امام نے یہاں یہ بتایا ہے کہ تقلید ان ادوار کے بعد کی پیداوار یا ایجاد ہے جو

غیر القرون تھے غیر القرون کا دور جو تقریباً ۲۸۰ھ تک کا ہے۔ تقلید کا وجود اس کے بعد کا ہے جو یقیناً چوتھی صدی ہجری سے جا کر ملتا ہے۔

یہی زمانہ علامہ ثناء اللہ پانی پتی تاریخ تقلید کو ان الفاظ سے ذکر فرماتے ہیں :

فان اهل السنة والجماعة قد اختلفوا بعد القرون الثلاثة ادا الاربع مئة على اربعة مذاهب

اہل سنت میں چار مذہب تین یا چار مدیوں کے گزر جانے کے بعد پیدا ہوئے
 علامہ پانی پتی کی نظر میں تمام اُمت ایک پلیٹ فارم پر جمع تھی لیکن جب چوتھی صدی میں تقلید
 اور مذاہب اربعہ کی طرح ڈالی گئی تو اُمت ایک مرکز سے کٹ کر مختلف چار حصوں میں تقسیم ہو
 گئی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس مذہب اور گروہی تقسیم سے سینکڑوں سال پہلے ہدایت اور نجات
 کے اصولوں کا تعین فرما دیا تھا اور وہ یہ تھا کہ ان ہذا اصولی مستقیماً تابع ہو کہ تم صرف
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رستے کی اتباع کرو اور وہ صرف ایک ہی رستہ ہے جو جنت
 کو جاتا ہے۔ اگر تم اس ایک رستے پر اکتفاء کرو گے تو تم مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے۔
 ولا تتبعوا السبل فتفرق بکیر۔ تم جب تک رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے رستے پر قائم
 رہو گے، گمراہ نہیں ہو گے لیکن جب تم اس رستے سے جدا رستہ تلاش کرو گے تو تم گمراہ
 بندی کا شکار ہو جاؤ گے۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی مشہور حنفی عالم ہیں۔ ان کی بعض کتابیں حنفی مدارس میں پڑھائی
 جاتی ہیں۔ وہ تقلید اور تفرقہ کی تاریخ کو چوتھی صدی بلکہ بعد والی صدی کی ایجاد قرار دے
 رہے ہیں۔

۷۔ انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات اُن کی

انہیں کی محفل سوار رہا ہوں چراغ میرا ہے رات اُن کی

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

آپ نے تقلید کی قیاحوں کو جن الفاظ میں ذکر فرمایا۔ ان کا اجمالی نقشہ آپ ملاحظہ فرمائیے۔

وہ نہایت دلائل اور تحقیق سے تقلید کی ابتداء پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں :

اعلم ان اهل المائتة الرابعة لم يكونوا مجتمعين على التقليد الخالص
على مذهب واحد بعينه له جوہی صدی والے کسی خاص شخص کی تقلید پر جمع نہ تھے۔

مولانا صارم کی غلط تحقیق

مذکورہ آئمہ کی عبارات سے کسی صاحب فہم و فراست سے یہ معنی نہیں ہو سکتا کہ تقلید کا وجود جوہی صدی کی پیداوار ہے۔ ہم نے احتیاط سے ان آئمہ کے اقوال کو پیش کیا ہے جن کے معنی ہونے میں کسی مخالفت سے مخالفت کو بھی انکار نہیں۔ ان آئمہ نے تقلید کی تاریخ کو ہمارے سامنے کھلی کتاب کی طرح رکھ دیا کہ تقلید ایسی بدعت ہے جو رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے چار صدیوں بعد پیدا ہوئی۔ لیکن ہمارے دور کے ایک محقق جن کی علمی رفعت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ جامعہ ازہر کے فارغ اور بہت سی کتابوں کے مصنف بھی ہیں، اہل علم ان سے خوب واقف ہیں اور ان کا اسم گرامی مولانا عبد الحمید صارم ہے۔ آپ تاریخ تقلید کے متعلق تحقیق کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ نے ۱۱۵ھ، امام مالک نے ۱۱۶ھ سے فتویٰ دینا شروع کیا اسی وقت سے ان کے مقلد اور متبع حسب دستور زمانہ پیدا ہو گئے۔ امام مالک ءالہ اور امام ابو حنیفہ ۱۲۰ھ میں اپنے استاد کے جانشین ہوئے۔ اس وقت ان کے مقلدین اور متبعین میں اور اضافہ ہو گیا۔ صاحب ارشاد الساری نے لکھا ہے۔ حضرت طارق بن شہابؓ بجلی صحابی نے ۱۲۳ھ میں وفات پائی۔ اس قول پر یہ کہنے کی جرات کی جاتی ہے کہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کی تقلید جدید صحابہ میں شروع ہو چکی تھی۔

مولانا صارم نے جو کچھ وہ بلا تحقیق اور بغیر تحیض کے لکھا۔ اس کی غالب وجہ یہی ہے کہ موصوف مقلد ہیں اور مقلد کو تحقیق و دلیل سے واسطہ نہیں ہوتا۔ اگر موصوف کو تاریخ کی حقیقت اور

تحقیق کی لاج کی پرواہ ہوتی تو صرف تقلید کے ثابت کرنے میں اتنی بڑی غلطی سے کام نہ لیتے کہ امام ابو حنیفہ کی تقلید صحابہ کے دور میں بھی کی جاتی تھی۔ انہوں نے اس تحقیق کو صرف اس لیے پیش فرمایا کہ وہ ادوروں کو خوش نہیں تو کم از کم خود کو تو تقلید پر مطمئن کر ہی لیں گے۔ لیکن انہیں کیا علم کہ میری اس تحقیق بے بنیاد کی وجہ سے میری کتاب میں نقص پیدا ہو جائے گا جو تمام کادش کو اکارت کر دے گا۔ ہم اس تحقیق کی بنا (جو حقیقت میں تحقیق نہیں) ان دو دہڑوں سے دیکھتے ہیں۔

اول تقلیدی اور جمودی بخوش، منہر ہی تعصب اور حقیقت سے انعام۔

دوم یا پھر تاریخ رجال سے عدم واقفیت اور دور صحابہ سے نادانی۔

آئیے اب ہم مولانا کی تحقیق کو صحیح تحقیق کے ترازو میں رکھ کر ان کا صحیح تجزیہ کرتے ہیں۔ اول، مولانا کے کلام میں تعارض ہے وہ یہ کہ حضرت امام کی تقلید ۱۱۵ھ میں شروع ہو چکی تھی جب کہ آپ کے اساتذہ بھی بقید حیات تھے اور اساتذہ کی موجودگی میں حضرت ابو حنیفہ کی تقلید کی گئی جب کہ آپ کے اساتذہ کی کسی ایک شخص نے تقلید نہیں کی۔ کیونکہ بیک وقت اساتذہ اور شاگرد دونوں کی اکٹھے تقلید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دوم، چند سطور کے بعد فرماتے ہیں۔ آپ مسند پر ۱۲۰ھ کو جلوہ افروز ہوئے تو بتائے آپ کی اس بات کی تصدیق کون بھلا مانس کرے گا کہ امام ابھی مسند فتوے پر فائز نہیں ہوئے تو تقلید پہلے شروع ہو گئی۔ کیا تقلید ذات کی ہوتی ہے یا اقوال کی؟ یہ بات مولانا صاحب کی نہیں بلکہ مقلدین سے اس سے بھی بڑے بڑے معضوۃ فیضانِ اہل سنت ہو جایا کرتے ہیں۔

دور صحابہ کا تعین :

آئیے اب ہم آپ کے سامنے دور صحابہ کا تعین پیش کرتے ہیں جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آخری صحابی کس سن میں فوت ہوئے اور وہ کون تھے؟ اور اس کے ضمن میں حضرت طارق بجلی کی وفات کا بھی تحقیقی تجزیہ ہو جائے گا۔

وفات سے لے کر سو سال کا عرصہ ۱۱۰ھ کو پورا ہو جاتا ہے۔ ہم کیسے گوارا کر سکتے ہیں کہ صحیح مسلم اور ابوداؤد وغیرہ کی صحیح احادیث موجود ہوں جو ہیں۔ ۱۱۰ھ کے متعلق خبر دیتی ہوں اور آپ ان تمام احادیث سے اغراض کسی شارح کی بے ثبوت اور بے بنیاد بات کی وجہ سے کر دیں۔ یا یہ احادیث صحیح کسی ایک قول سے غلط ثابت ہوں اور شخصی آراء کو قبول کر لیا جائے۔

طارق بن شہابؓ کا سن وفات :

آئیے اب مولانا نے جس صحابی کا ذکر فرمایا ہے ان کی وفات کے متعلق بھی سنتے جائیے :

طارق بن شہاب بن عبد شمس بن حلال البجلی الاعسی راى ابى بنى صلى الله عليه وسلم

وردى عنه مراسلا عن الخلفاء الاربعة وبلال وحذيفة وغيرهم من الصحابة

ردى عنه اسماعيل بن ابى خالد وقيس بن مسلم قال ابوداؤد راى ابى بنى صلى الله

عليه وسلم ولعمري سمع منه شيئا قال خليفة وغيره مات سنة اثنين و

ثمانين . وحكى ابن ابى خيثمة عن ابن معين انه مات ۱۲۳ وهو دهم له

طارق بن شہاب نے رسول اللہ کو دیکھا ہے لیکن آپ سے سماع نہیں یعنی کوئی

حدیث نہیں سنی ۸۲ھ کو فوت ہوئے ہیں۔ ابو خيثمة نے ابن معين سے ۱۲۳

کا سن جو ذکر کیا ہے وہ دہم (نفل کرنے والے کی بھول) ہے۔

صاحب مشکوٰۃ آپ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مات سنة اثنين وثمانين سنه ٨٢

آپ ۸۲ھ کو فوت ہوئے ہیں۔

صاحب فتح الحمید نے بھی حضرت طارق کے ترجمہ میں آپ کی وفات ۸۲ھ کو لکھا ہے۔ آپ

حضرت شہاب کا ترجمہ کسی اسماء الرجال کی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں آپ کو ۸۲ھ وفات کا

سال ہی نظر آئے گا۔

مذکورہ احادیث اور رجال کی کتب پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ سن وفات

میں کوئی اختلاف نہیں۔ اگر وفات میں اتنا طویل اختلاف ہوتا جتنا کہ مولانا نے بیان کیا

کہاں ۸۲ھ اور کہاں ۱۲۳ھ یعنی سینے اختلاف میں ۴۱ سال کا اختلاف تو محدثین ضرور بیان کرتے اگر مولانا یہی انصاف کی عینک سے حضرت بجلی کے ترجمہ کو پڑھتے تو ان سے اتنی بڑی غلطی سرزد نہ ہوتی اور وہ اپنی تحقیق کو ۸۲ھ کی بجائے ۱۲۳ھ کے معیار پر قطعاً نہ پرکتے۔

مزے کی بات مینے حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ کو فرمیں رہے۔ زندگی پوری کو فرمیں گزری لیکن امام ابو حنیفہ ان سے ملاقات کا شرف حاصل نہ کر سکے۔ کیا یہ ممکن ہے جو صحابی ۴۳ سال حضرت ابو حنیفہ کی زندگی میں کو فرمیں رہا ہو۔ ایک ہی شہر ہو اور پھر ملاقات نہ ہو سکے۔ جو آپ نے سن وفات ذکر کیا ہے اگر اسے درست تسلیم کر لیا جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر بے نقیب کون ہو سکتا ہے کہ ایک صحابی اسی شہر میں آپ کی موجودگی میں ۴۳ سال بسر کر دے لیکن آپ اس کی ملاقات کے لیے ایک دن حاضر نہ ہوں۔

مولانا انصاف فرمائیے۔ اگر معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے ذکر کیا تو پھر حقیقت کی بنیادیں ہل جائیں گی کہ وہ مذہب کیا ہے جس کے بانی نے اپنے شہر میں رہتے ہوئے ایک صحابی سے ملاقات نہیں کی۔

تقلید اسی کا نام ہے کہ اس میں تمام سوچ مفلوج ہو جایا کرتی ہے اور آدمی ان ہونی بائوں پر اتر آتا ہے۔ اگر صحیح خواہی نہ ہو اور طبیعت اس کی متعل ہو تو پھر غالب کا ایک شعر سنتے جلیے جو انہوں نے کسی ایسے موقع پر ہی کہا ہوگا۔

نہ بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ

کچھ نہ سمجھ حُسنِ اکبر سے کوئی !

کیا تقلید بدعت ہے ؟

اس سے پہلے کہ ہم تقلید کے بدعت ہونے پر دلائل یا ثبوت پیش کریں، بدعت کی تعریف اور اس کے مفہوم کو سمجھ لینا چاہیئے تاکہ اس سے کماحقہ آگاہی ہو جائے۔

تعریف بدعت : احداث مالہ مکین فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کا وجود رسول اللہ کے زمانہ میں نہ پایا جائے۔

امام شافعی نے بدعت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے :

البدعة ما خالف كتابا أو سنة أو إجماعاً أو إضراعاً عن بعض اصحاب النبي
صلى الله عليه وسلم -

جو کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع امت یا صحابہ کے آثار کے خلاف ہو
وہ بدعت ہے۔

بدعت کی تعریف میں ہم نے دو رائے پیش کی ہیں۔ پہلی تعریف میں قدرے ابہام ہے
جب کہ دوسری میں تفصیل ہے۔ امام شافعی نے بدعت کی تعریف میں کتاب و سنت کے ساتھ
اجماع اور آثار صحابہ کو بھی شامل کیا ہے۔ بعض نے اس سے زیادہ قیود بھی لگائی ہیں لیکن وہ کسی
صورت میں درست نہیں۔ عرفاً بدعت ایسے امور کو کہا جاتا ہے جس کی دلیل کتاب و سنت
اور صحابہ کرام سے نہ ہو اور اسے دین سمجھ کر یا ثواب سمجھ کر کیا جائے۔

بدعت رائج کیوں ہوتی ہے؟ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے جو کام رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے نہیں کیا یا صحابہ نے اس کام کو ہاتھ نہیں لگایا تو بعد والے اسے معمول بہ کیوں
بناتے ہیں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے دین میں اقتراع سے کام لیا جاتا ہے۔
۱۔ بدعت جاری کرنے والے کے سامنے کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ یعنی ایسا معاملہ ہوتا ہے
جس کے کرنے میں وہ مصلحت سمجھتا ہے۔

۲۔ بعض دفعہ ذاتی اغراض اور مقاصد سامنے ہوتے ہیں۔

۳۔ بدعت جاری کرنے والے کو اس میں دیگر احکام سے نسبت یا مشابہت نظر آتی ہے۔

۴۔ بسا اوقات وہ دین سمجھ لیتا ہے جو حقیقت میں دین نہیں ہوا کرتی۔

۵۔ اپنے نظریہ و عقیدہ کی حمایت مقصود ہوتی ہے۔

۶۔ بعض اوقات حکومت کی ہاں میں ہاں ملانا پڑتی ہے جس سے بدعت کی مخالفت نہیں
ہو سکتی۔ تو بعد والے اس کو دین سمجھ لیتے ہیں جیسا کہ میلاد النبی کی محافل و جلوس اور تقاریب
یہ ہیں۔

۷۔ کسی عالم سے سوال کیا جاتا ہے جو عدم واقفیت کی بنا پر اصل مسئلہ کو سمجھ نہیں سکتا تو اس

کے متعلق غلط فتویٰ صادر کر دیتا ہے جو عوام میں مقبول ہو جاتا ہے اور اس پر عمل شروع ہو جاتا ہے۔

۸۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر بدعت کا رواج جس بنا پر کیا جاتا ہے وہ مذہبی تعصب اور مخالف سے عناد کا نتیجہ ہوتا ہے۔ تقلید بھی اسی کی مرہون منت ہے۔ بدعت کا حکم؛ بدعت کو غواہ کئے درجوں میں تقسیم کر لو وہ بہر حال بدعت ہے تمام المصلحت بدعت کے خلاف فیصلہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

کل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار (ترمذی)

ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں ہے۔

بدعت سے بچاؤ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اطہر سے ثابت ہو گیا ہے کہ تمام بدعتیں گمراہی ہیں تو پھر اس سے اجتناب اور بچاؤ کے احکام بھی چاہئیں۔ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچنا بہت بڑا کام ہے تو اس سے اجتناب اور بچاؤ کے احکام بھی اس مبارک زبان سے صادر ہوئے ہیں جس زبان سے اس کو گمراہی کہا گیا ہے۔ آپ نے ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے یہ حدیث لوگوں تک پہنچائی۔

۱۔ انه من يعش منكوفي اخلاقا كثيرا فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين

المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها لنواجز واماكم وحدثات الامور

فان كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة (ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ ترمذی)

تم میں جو زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا تم نے میری اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا ہے اور اس پر سختی سے عمل کرنا ہے۔ ہر نئے کام سے بچو، ہر نیا کام (دین میں) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

۲۔ عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أحدث في أمرنا

هذا ما ليس منه فهو رد (متفق علیہ)

جس نے دین میں کوئی نیا کام جاری کیا وہ مردود ہے۔ (یعنی وہ قطعاً قابل عمل نہیں)

(نہیں)

ان ہر دو احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وقوع ہونے والے اختلاف کا ذکر فرمادیا تھا اور ساتھ ہی اس اختلاف سے بچنے کا حل بھی ذکر فرمادیا تھا کہ تم میری سنت اور خلفاء راشدین جو صحیح معنوں میں ہدایت یافتہ ہیں ان کی سنت پر سختی سے عمل کرنا۔

اب قابل غور مقام یہ ہے کہ کیا تقلید کی وجہ سے امت میں اختلاف نہ پڑے اور اس سے اسلام کو کتنے بڑے حوادث برداشت کرنا پڑے۔ کیا تقلید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھی یا صحابہ کے دور میں کوئی کسی کا مقلد تھا اس کی حقیقت سے آپ تاریخ تقلید کے بیان میں روشناس ہو چکے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے ہم اس کام کو فوراً بدعت قرار دیتے ہیں جو صحابہ کرام کے دور تک نہ ہوا ہو تو یہ تقلید جو چوتھی صدی میں پیدا ہوئی کیسے بدعت نہیں ہو سکتی۔ یقیناً بدعت ہے اکابر علماء نے اس کے بدعت ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ جن کا اجمالاً ہم مذکر کر رہے ہیں۔ امام ابن قیم فرماتے ہیں۔

انما حدثت هذه البدعة في القرن الرابع له

تقلید کی بدعت چوتھی صدی میں پیدا ہوئی۔

امام صالح عمری نے اس بدعت کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے :

هو ايضا في نفسه محدثة في تقلید بنفسه بدعت ہے۔

امام الموحدين في الهند شاه اسماعيل شهيد نے تقلید کو بدعات حقیقیہ میں شمار کیا ہے آپ فرماتے ہیں :

وجوب تقلید شفعی من اذائم مجتہدين از قبيل بدعات حقیقیہ است تقلید شفعی ائمہ مجتہدين کی حقیقی بدعت ہے۔

ہم نے ان تینوں ذہنوں کے اقوال محض تائید کیلئے پیش کیے ہیں ورنہ یہ بات تو تاریخ تقلید سے ثابت ہو چکی ہے کہ اس کی ابتداء رسول مقبول کے سینکڑوں برس بعد ہوئی اور جس کو حکومت دینیہ پھرنے کا موقع خوب ہاتھ آیا۔ جس وہ اسلام کے رگ و ریشم میں سرایت کر گئی حالانکہ اسکے بدھونے میں کسی کو انکار نہیں ہونا چاہیے تھا کیونکہ یہ ایسا امر ہے جس کا وجود رسول اللہ کے دور میں اور نہ ہی صحابہ اور تابعین کے دور میں تھا تاریخ تقلید کی اتنی زبردست شہادتیں خود اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ تقلید بدعت ہے

باب چہارم تقلیدِ شخصی

معاہدہ یا بیجا رسید کہ تقلیدِ شخصی کو ہمارے اس دور میں جو رواج ہے۔ شاید اتنا اس پہلے کہیں نہ ہو۔ آئے دن اس پر مناقشے اور مناظرے کے میدان گرم ہوتے نظر آتے ہیں۔ ہم اس ضمن میں اپنی علمی بساط کے مطابق گفتگو کریں گے۔

اس سے قبل کہ ہم اس موضوع کو نوکِ قلم پر لائیں اس بات کو ذہن میں لانا بہت ضروری ہے کہ جب مطلق تقلید کی نفی میں ہم نے کتاب اللہ، احادیثِ رسول، آثارِ صحابہ اور اقوالِ ائمہ پیش کر دیئے ہیں اور اتنے مضبوط اہلِ قوی دلائل سے جن کا طور ہنوز مقلدین پیش نہیں کر سکے تو تقلیدِ شخصی کے لیے ان کے پاس سب سے بڑی دلیل اجماع امت کی ہے۔ وہ بھی حقیقت کے سراسر خلاف۔ اس اجماع کی حقیقت عنقریب آپ کے سامنے آجائے گی۔ انشاء اللہ۔

تقلیدِ شخصی کے سلسلہ میں ہم طرفین کے دلائل پیش کرتے ہیں تاکہ درست فیصلہ کی صحیح صورت انصاف پسند حضرات کے سامنے آجائے۔

تقلیدِ شخصی کے وجوہی دلائل

مقلدین حضرات اس سلسلہ میں عموماً تین یا چار دلائل پیش کرتے ہیں جو حقیقت میں تقلید کے جواز میں نہیں بلکہ رد میں ہیں جیسا کہ آپ اس سے قبل ان دلائل کو ملاحظہ فرمائے ہیں جو یہ تقلیدِ مطلق کے جواز میں پیش کرتے تھے جس طرح بحمد اللہ وہ سبھی دلائل تقلید کے رد میں ثابت ہوئے اس طرح یہ دلائل بھی تقلید کے باطل ہونے کا فیصلہ دیں گے۔ وبالله التوفیق

۱۔ عن معاذ بن جبل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما بعثہ الی الیمین قال کیف تعفی اذا عرض لك القضاء قال اتعفی بكتاب الله قال فان لم تعجد فی كتاب الله قال فبسنة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔ قال

فان لم تجد في كتاب الله ولا في السنة قال اجتهد برأى ولا آلو
فغوب رسول الله صلى الله عليه وسلم صدره فقال الحمد لله الذي
وفق رسول الله صلى الله عليه وسلم لما يرضى رسوله -

آپ نے حضرت معاذ کو یمن کا عامل بنا کر بھیجتے وقت فرمایا۔ اے معاذ تم
فیصلہ کس طرح کر گے تو معاذ فرماتے گے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے۔ آپ نے
مزید فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب سے مسئلہ حل نہ ہو تو معاذ عرض کرنے لگے
یا رسول اللہ! آپ کی سنت سے۔ اگر دونوں میں سے مسئلہ کا حل نہ ملے تو
پھر کیا کرو گے۔ معاذ رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں اجتہاد سے کام لوں گا اور
اس میں کسی قسم کی کمی نہیں کروں گا۔ آپ نے یہ بات سن کر حضرت معاذ
کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا الحمد للہ جس نے رسول خدا کے اچھے کو ایسی توفیق
بخشی ہے جس سے اللہ کا رسول راضی ہو۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے متقلیدین فرماتے ہیں۔ آپ نے تمام یمن والوں
پر حضرت معاذ کی تقلید کو واجب کیا تھا۔ تقلید واجب کی یہ بات محل نظر اور قابل گرفت
ہے۔

۱۔ وہ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کسی ایک کی تقلید کا سوال
ہی پیدا نہیں ہوتا اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔

۲۔ اور پھر ہم سابقہ ادراک میں تفصیل سے بحث کر آئے ہیں کہ معافی کی تقلید نہیں ہوتی
بلکہ کتاب و سنت سے دلائل کی وجہ سے اتباع ہوتی ہے۔

۳۔ کیا یمن میں کوئی اور عالم موجود تھا جس کی طرف مسئلہ کی تحقیق کے لیے رجوع کیا جاسکتا۔
اور یہ حقیقت پر مبنی ہے کہ حضرت معاذ اکیلے ہی وہاں عالم تھے۔

۴۔ حضرت معاذ کے علم کی شہادت خود رسول اللہ نے فرمائی ہے آپ اوامر و نواہی سے
اچھی طرح واقف تھے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ پر اعتماد تھا۔

۵۔ اس حدیث میں کہاں ہے کہ وہ لوگ حضرت معاذ کی تقلید قیامت تک کریں۔

۶۔ آپ دہاں حاکم کی حیثیت سے گئے تھے۔ اسی بنا پر تو آپؐ نے فرمایا تم فیصلہ کیسے کرو گے۔ جب کہ قضا کا اطلاق عام طور پر دُنیادوی فیصلوں پر ہوتا ہے۔ احکام میں فتویٰ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

۷۔ اگر اس حدیث کو تعلق بالقبول کا درجہ حاصل ہے لیکن اس کے ضعف میں جو خدشہ ہے وہ کسی اہل علم سے مخفی نہیں کیونکہ یہ حدیث جن طرق (سندوں) سے مروی ہے وہ ضعیف ہیں۔ اتنی توجہات و احتمالات سے اگر آپ کو اب بھی تقلید نظر آتی ہے تو ہم پھر اس کا کیا علاج کر سکتے ہیں۔ جب کہ آپ کی کتابوں میں مرقوم ہے، اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

پھر حضرت معاذؓ نے جو اصول پیش کیے ان پر غور کرو۔ کیا اگر وہ کتاب اللہ سے فیصلہ کرتے ہیں یا سنت رسولؐ سے تو وہ تقلید ہوگی۔ ہرگز اس کو تقلید نہیں کہا جاسکتا۔ وہ تو براہ راست کتاب و سنت کی اتباع ہوگی۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ قیاس سے فیصلہ کریں گے۔ تو آپ ان اقوال کا کیا حل سوچیں گے جن میں حضرت معاذؓ نے قیاس کی شدید مذمت کی ہے۔ جیسا کہ آپ کا ایک قول یہ ہے کہ چکا ہے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ آپ قیاس کی مذمت بھی فرمائیں اور خود اس پر عمل کریں۔ تو گویا حضرت معاذؓ کے اقوال میں تضاد پیدا ہو گیا تو آپ کے اصول کے مطابق تناقض کے وقت احوط اور محتاط امر کو قبول کیا جاتا ہے تو یہاں محتاط امر یہی ہے جس سے انہوں نے ڈرایا ہے اور اس کی مذمت کی ہے۔ گویا کہ آپ کا استدلال اصول فقہ کی وجہ سے باطل ہو گیا اور ہمارا مدعا ثابت ہوا کہ اس حدیث سے کسی طرح بھی تقلید شخصی کا جواز نہیں نکالا جاسکتا۔

حضرت ابو موسیٰ کا فرمان:

لَا تَأْكُلُوا مَادَامَ هَذَا الْخَبَرِ فَيَكُونُ حَبْ تَمَّ فِيهِ عِبَادَةُ اللَّهِ بْنِ مَسُودٍ وَجُرُودٍ
ہیں۔ تم مجھ سے سوال نہ کرو۔

اس اثر سے اہل تقلید نے یہ سینے کی کوشش کی ہے کہ تم حضرت عبداللہ کی طرف رجوع کرو اور ان سے مسائل کا حل کروایا کرو۔ اس استدلال کا بطلان ہم دو طرح سے عرض کرتے ہیں۔

اول یہ واقعہ کو ذکا ہے اور حضرت ابو موسیٰ کو ذکا کے حاکم تھے۔ آپ انتظامی مصروفیات کی وجہ سے عام مسائل کے حل کے لیے حضرت ابن مسعود کی طرف رجوع کا حکم دیتے۔ پھر حضرت ابن مسعود طویل صحبت رسول کی بنا پر حضرت ابو موسیٰ سے دینی امور کے زیادہ عالم تھے کیونکہ اس کی شہادت خود رسول مقبول سے وارد ہے۔ پھر استدلال بھی عجیب ہے کہ اصل الفاظ کو بھول کر اپنی جانب سے غلط مفہوم نکالنے کی کوشش کی ہے۔ اگر اصل الفاظ پر ذرا غور کرتے یا دیانت داری سے کام لیتے تو ایسا استدلال کرنے کی کبھی جسارت نہ ہوتی وہ اس لیے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں جب تک ابن مسعود یہاں موجود ہیں اس وقت تک تم ان سے مسائل دینیہ کا حل معلوم کیا کرو۔ گو یا جب وہ کو ذکا سے چلے جائیں یا وفات پا جائیں تو اس وقت تم سنے ان کی تقلید نہیں کرنی۔ اگر آپ نے اس اثر سے استدلال کرنا ہے تو تمام الفاظ کو سامنے رکھیے۔ یہ نہیں کہ اپنے مطلب کی بات کو قبول کر لو۔ اور باقی کی طرف دھیان ہی نہ دو۔ خدا را الصاف سے سوچیے کیا موجودہ تقلید کی یہی صورت ہے کہ تقلید اس کی کی جائے جو موجود ہو۔ اگر موجود نہ ہو تو اس کی تقلید نہیں؟ کیا تمہاری تقلید بھی اسی قسم کی ہے؟ کیا تم موجودہ علماء کی تقلید کرتے ہو۔ جب تم خود ابو موسیٰ کے اس فرمان پر عمل نہیں کرتے تو پھر اس سے دلیل پکڑنا کیسا؟

آمد اربعہ کو کتنا عرصہ ہوا وہ دنیا فانی سے ابدی جہاں کو سہارا گئے اور غم ابھریک ان کی تقلید میں پھنسے ہوئے ہو۔ اگر تم نے اس اثر کو دلیل بنانا ہی ہے تو آج ہی جہاں کر کے حضرت ابو حنیفہ کی تقلید کے ناجائز ہونے کا اعلان کر کے ابن مسعود کی تقلید کا اعلان کرو یا پھر اس اثر کے مطابق ابو حنیفہ کی تقلید کو ترک کر کے کسی زندہ کی تقلید کرو۔

ووم حضرت ابو موسیٰ کے اس فرمان میں کہاں ہے کہ تم ابن مسعود کی تقلید کرو۔ یہاں تو تصریح ہے کہ تم ان سے بچنا کرو کیونکہ وہ اس وقت کہ زمین سے بڑے عالم تھے۔ بڑے عالم کی طرف رجوع کرنا کیا تقلید ہے۔ اگر صرف مسئلہ طلب ہے کہ نام تقلید ہے تو موجودہ تقلید حنفی تو نہ ہو بلکہ وہ جس مسئلہ معلوم کریں گے، مقلد اسی کے ہوں گے۔

اہل مدینہ کا قول: عن عکرمہ ان اهل المدينة سألوا ابن عباس عن امرأۃ

لہ اصل میں یہ حدیث وراثت کے بتائیں آئی ہے کہ لوگوں نے حضرت ابو موسیٰ سے وراثت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے اس کا جواب دیا ابن مسعود نے تم اٹھا کر فرمایا کہ یہ جو غلط ہے تو تب آپ نے فرمایا تم ابن مسعود سوال کیا کرو۔ (مشکوٰۃ)

طاقت شہدافت قال لہو تنفر قالوا لا ناخذ بقولک و ندع قول زید
اہل مدینہ نے ابن عباس سے دریافت کیا کہ ایک عورت طواف کے بعد
جیض والی ہو جاتی ہے تو وہ کیا کرے تو ابن عباس نے فرمایا کہ وہ طواف وداع
کے بغیر جاسکتی ہے۔ اہل مدینہ کہنے لگے ہم زید کے قول کو ترک کر کے ابن عباس
کے قول پر عمل نہیں کریں گے۔

اس اثر سے استدلال کرتے ہوئے مقلدین کہتے ہیں۔ اگر اہل مدینہ کے نزدیک تقلید
شخصی واجب نہ ہوتی تو وہ یہ کہنے کی جرأت نہ کرتے کہ ہم زید کے قول کو نہیں چھوڑ سکتے لیکن
یہ استدلال کئی لحاظ سے لغو اور باطل ہے۔

۱۔ یہ تو آپ کو تسلیم ہے کہ اہل مدینہ نے ابن عباس سے مسئلہ ضرور پوچھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ
ابن عباس کے جواب پر مطمئن نہ ہوئے ہوں کیونکہ حضرت ابن عباس نے اس مسئلے کا
صل مرفوع حدیث سے بیان نہیں کیا۔ اگر وہ اسی مسئلہ کو مرفوع روایت سے بیان کرتے
تو اہل مدینہ ضرور قبول کرتے۔ اگرچہ یہ مسئلہ ابن عباس کے قول کے مطابق تھا لیکن
انہوں نے حضرت زید کے ذاتی قول کو سن کر مرفوع حدیث کے لیے ابن عباس کی طرف
رجوع کیا کہ ہو سکتا ہے کہ ابن عباس سے حدیث مل جائے۔ اب انہوں نے مرفوع روایت
بیان نہیں کی بلکہ اپنی رائے سے فتوے دیا تو اہل مدینہ نے حضرت زید کے قول کو
ترجیح دی۔

۲۔ اہل مدینہ کے نزدیک حضرت زید ابن عباس سے زیادہ عالم تھے۔ وہ اس لیے کہ حضرت
زید صحبت رسول میں پڑے تھے اور کاتب وحی بھی رہ چکے تھے۔ پھر جامع قرآن بھی
تھے اور بعض علوم میں مضبوط اور کچھ کار تھے جس کی وجہ سے انہوں نے حضرت زید
کو ابن عباس پر ترجیح دی۔

۳۔ نیز تقلید شخصی کن الفاظ سے ثابت ہوتی ہے۔ انہوں نے کب کہا ہے کہ ہم پر حضرت
زید کی تقلید واجب ہے لہذا ہم صرف زید کے قول پر ہی عمل کریں گے۔ اس مسئلے میں
تو انہوں نے ابن عباس پر زید کو اس لیے ترجیح دی تھی کہ انہوں نے بھی اپنا خیال ظاہر

کیا تھا نہ یہ کہ انہوں نے کہا کہ حضرت زید ہی ہمارے لیے حجت ہیں۔ اگر ابن عباس کوئی حدیث پیش کرتے تو اہل مدینہ اسے فوراً قبول کر لیتے۔ اگر انہوں نے حدیث کو قبول نہیں کرنا تھا تو انہوں نے ابن عباس سے حضرت زید کی موجودگی میں مسئلہ کیوں دریافت کیا ؟

۴۔ جب امام مالک اہل مدینہ کا اجماع نقل کرتے ہیں تو اس وقت آپ کہہ دیتے ہیں کہ صرف اہل مدینہ کا ذاتی عمل کافی نہیں اور نہ ہی یہ شرعی حجت ہے۔ اگر اس وقت اہل مدینہ کے عمل حجت نہیں ہو سکتے تھے تو مسئلہ تقلید کے بارے میں کیوں حجت ہیں ؟ کیا یہ کمال تناقض نہیں کہ ایک بات کسی موقع پر حجت ہو جب کہ وہی بات کسی دوسرے موقع پر شرعی حجت سے خارج سمجھی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ مقلدین اکثر طور پر تناقض کا شکار رہتے ہیں۔

۵۔ اگر امام مالک کے مسئلہ (جو عمل مدینہ کے بارے میں ہے) پر کلام کی جاسکتی ہے تو پھر اہل مدینہ کے اس قول پر کیوں کلام نہیں ہو سکتی۔
۶۔ پھر فقہ کے مشہور اصول کے مطابق کسی ایک شہر خواہ مدینہ ہو یا مکہ کا اجماع تمام مسلمانوں کے لیے حجت نہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

اجماع اهل المدينة على الأفراد هو ليس بحجة عند الجمهور لانهم
بعض الامة

صرف اہل مدینہ کا اجماع حجت نہیں اس لیے کہ وہ مکمل امت نہیں بلکہ اس کا ایک جزو اور حصہ ہیں۔

۷۔ جب اہل مدینہ کا اجماع تمام امت کے لیے حجت نہیں تو ظاہر ہے کہ یہاں تمام مدینہ والوں نے حضرت ابن عباس سے سوال نہیں کیا ہو گا بلکہ ان میں سے بھی بعض نے کیا ہو گا تو پھر ان بعض کا قول کیسے حجت ہو سکتا ہے۔ اگر آپ کے لیے اہل مدینہ کے تمام اجماع اور اقوال حجت ہیں تو آج ہی ان مسائل کو فقہ حنفیہ سے باہر نکال چھینکیے جو اہل مدینہ کے

مذہب کے خلاف ہیں۔

المختصر کتاب وسنت سے ایک بھی دلیل ایسی نہیں جس سے تقلید شخصی کا ثبوت ملتا ہو، تقلید کا ثبوت ہو بھی کیسے۔ اللہ کے دین میں ایک اُمتی کو معیار قرار دے دینا در آنحالیکہ وہ معصوم نہ ہو اور پھر اس کے ہر قول و فعل کو بلا غور و فکر قبول کر لینا، کتاب وسنت سے اس کی قطعاً اجازت نہیں ملتی کیونکہ کتاب اللہ اور احادیث رسول منجانب اللہ ہیں، لصوص اور دلائل پر مبنی ہیں۔ اسی لیے تو قرآن حکیم میں کہیں نہیں کہ جھگڑا فیصلہ کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بغیر بھی کسی کے مسئلے پیش کیا جاسکتا ہو۔

احادیث کی دعوت بھی یہی ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول کی موجودگی میں کسی اور کو حاکم نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ کسی اور کے حاکم بنانے سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تفتیش لازم آئے گی اور گستاخی کا وہ پہلو سامنے آجائے گا جس سے اللہ تعالیٰ منع فرمایا ہے۔

تقلید شخصی کا ایک اور پہلو

مؤرخین حضرات جب کسی مسئلے میں کتاب اللہ، احادیث رسول اور سلف صالحین سے اس کے جواز میں دلائل پیش کرنے سے عاجز آجاتے ہیں تو پھر خیالی دنیا کی سیاحت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ تقلید کے سلسلے میں بھی وہ انہیں حالات سے دوچار ہوتے نظر آتے ہیں۔

اگر تقلید شخصی کو عمل میں نہ لایا جائے تو ذہنوں میں آوارگی پیدا ہو جاتی ہے۔

جس کی وجہ سے انسان دین میں خود مختار بن جاتا ہے۔

چنانچہ اسی غواہی دنیا میں پہنچ کر ایک صاحب فرماتے ہیں:

اگر یہ کثرت کا سلسلہ اسی طرح چلتا رہا تو اسلام کی شکل ہی بدل جائے گی اور گھر گھر مذہب اور معتہد پیدا ہو جائیں گے، فقہ پر نااہلوں اور غیر متدین لوگوں کو دست درازی کا موقع مل جائے گا۔

اسی عالم خواب میں جب ایک صاحب پہنچے تو یہ انکشاف فرمادیا۔

اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرمائے ہمارے بعد کے نقباء پر جو اپنے اپنے زمانے کے
نقص شناس تھے اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمانے کے بدلتے ہوئے حالات پر
نگاہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائی تھی۔ انہوں نے بعد میں ایک زبردست انتظامی
مصلحت کے تحت تقلید شخصی کو اختیار فرمالیا۔

چند سطور کے بعد فرماتے ہیں:

وہ زبردست مصلحت کیا تھی خواہش پرستی اور زبردست گمراہی جو بجا اوقات
انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔

ان دونوں بزرگوں کو تاہیکین تقلید اور متبعین رسول میں خواہش پرستی اور گمراہی نظر آئی اور وہ
گمراہی بھی ایسی جو کفر سے کم نہ ہو اور اس گمراہی سے محفوظ کیے رہا جاسکتا ہے وہ ان کی نظر میں
صرف تقلیدی حصار اور قلعہ ہے جس میں پناہ لینے سے گمراہی اور کفر لازم نہیں آتا خواہ کتابت
سے مذاق اور احادیث رسول سے اعراض کیوں نہ ہو جائے۔

لیکن انہوں نے جو نتیجہ اخذ کیا وہ یقیناً غلط اور انفس سے جالی نہیں۔

اولاً یہ حضرات جن کی تقلید کا ڈھنڈو دہرایٹھے ہیں کیا وہ کسی کے مقلد تھے۔ جب وہ کسی کے
مقلد نہ تھے تو پھر یہ زردان پر بھی پڑتی ہے کہ وہ غیر مقلد اور متبع ہو کہ گمراہ ہوئے تھے۔
اگر وہ متبع ہو کہ گمراہی اور خواہش پرستی سے محفوظ تھے تو کیا قرآن مجید یا احادیث رسول
میں کوئی تبدیلی واقع ہو گئی ہے جس پر عمل کرنے سے گمراہی اور خواہش پرستی لازم آتی ہے۔ اگر
وہ ائمہ متبعین رہ کر ایمان کے مضبوط اور خواہش سے دور بھاگنے والے تھے تو آج بھی تقلیدی
پھندے سے آزاد ہو کر اسی طرح ایمان مضبوط اور پائیدار ہو سکتا ہے۔

ثانیاً پھر یہ بات اس اعتبار سے بھی غلط اور لغو ہے کہ تمام مذاہب کے مقابلہ میں اسلام
ہی ایسا مذہب ہے جو علم کے حصول کو واجب قرار دیتا ہے تو یہ کیسے تسلیم اور یاد رکھا جاسکتا
ہے کہ اس مذہب کے علوم پر تالا جڑ دیا جائے۔ مجتہد کون ہوتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول

کا کا حق، عالم ہو لیکن ان کی نظر میں اجتہاد کو جاری رکھنا اسلام کو ختم کرنے کے مترادف ہے باقی رہا معاملہ خواہش پرستی کا تو شاید ان حضرات کے نزدیک اسلام میں تحقیق کرنا خواہش پرستی ہے حالانکہ ایسی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ ایک شخص علوم اسلامیہ میں گہری نظر رکھتا ہو، اور پھر وہ حالات کے مطابق پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کرے تو خواہش پرستی کا الزام لگا کر اسے کفر کی سرحدوں تک پہنچا دیا جائے۔ اگر اسلامی علوم میں تحقیق کا نام خواہش پرستی ہے تو موجودہ اخلاف اس مسئلہ کی کیا توضیح پیش کریں گے کہ اسلام عبود کا نہیں بلکہ اجتہاد کا داعی ہے۔ جب بات اپنے مقصد پر پوری اترتی نظر آتی ہے تو یہی حضرات جواب اجتہاد کے اتنے مخالف ہیں کہ مجتہد کو حصار اسلام سے باہر نکلنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں تو حضرت معاذ والی حدیث بیان کرتے ہوئے اجتہاد کو جائز سمجھتے ہیں۔ عجب بات ہے ایک طرف تو یہ تقلید جامد کی رٹ لگاتے ہیں اور پھر کتب حنفیہ میں ہزاروں بے بنیاد اور بے سند مسائل کو عقل اور نقل سے ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔

ثالثاً اصل بات یہ ہے کہ جو شخص تقلید کے پھندے کو گلے سے اتار کر کتاب و سنت پر عمل کیلئے کمر بستہ ہوتا ہے تو وہ ان کے نزدیک خواہش پرست اور کفر کے قریب پہنچ جاتا ہو اگر کوئی شخص تقلید سے آزاد ہو کر اپنی مسائل کو سمجھے جن کو آئمہ نے سمجھا ہے تو وہ ہر طرح کا مجرم اگر اپنی مسائل میں کبھی ان کو تحقیق کا موقع مل جائے تو نہ صرف تقلید سے بغاوت کریں گے بلکہ یہ بکے مسلمان ٹھہریں گے۔ پھر اس وقت ان میں نہ خواہش پرستی پیدا ہوگی اور نہ ہی یہ گمراہی کے نزدیک پہنچیں گے۔ ان کے اس اصول کے مطابق اگر انہوں نے اپنے آئمہ کے فتاویٰ کو درست کرنے کے لیے اسلامی علوم میں تحقیق کرنا ہی محی تو یہ خود کو پہلے ان الزامات کا منکر ٹھہراتے جو یہ دیگر حضرات پر لگاتے ہوئے نہیں ٹھکتے۔ جب ایک ہی بات کو اپنے آپ پر عائد نہیں کر سکتے تو پھر متبعین (الحدیث) کو گمراہی کا الزام دینا تعجب خیز معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ یہ اصول ہی غلط ہے اس لیے کسی طریقے سے بھی کسی ایک پر منطبق نہیں ہو سکتا۔ یہ محض خبیث باطن کا نتیجہ ہے جس کا مقصد اسلام پر عبود طاری کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ کیا ایک شخص کو معیار قائم کرنے سے گمراہی کا زیادہ امکان ہے یا پھر کتاب و سنت پر

عمل کرنے سے؟

دایعاً اگر غیر القرون اور مابعد دلتے مسلمان تقلید سے ناواقف نہ کہ گمراہ اور باغی نہیں ہو سکتے تو کیا وجہ ہے کہ موجودہ حضرات پر لغو اور باطل قسم کے فتوے چسپاں کیے جائیں جو حقیقی طور پر اسلاف کی وراثت کے امین ہیں۔ اگر سابقین تقلید کے بغیر ہدایت پر تھے تو اہل حدیث بھی تقلید کے قائل نہ ہو کر ہدایت یافتہ ہو سکتے ہیں۔

ایک اور خام خیالی

احناف کے ایک بہت بڑے بزرگ تقلید شخصی کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
 بلا دلیل تسلیم کرنا تقلید ہے اور شیطان نے حکم کو بلا دلیل نہ مانا، غیر مقلد ہو کر
 کافر و مرتد ہو گیا۔

ابھی ان کی عالم خواب کی حالت آپ نے دیکھ لی کہ تقلید کے جواز میں کس قدر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں لیکن معاملہ کہیں سے حل نہیں ہوتا اب ان حضرات نے قرآن کریم کو تختہ مشق بنانے میں بھی کمی نہیں کی۔

متبعین کو شیطان سے تشبیہ دی کیونکہ اس نے دلیل طلب کی تھی۔ لہذا جو بھی دلیل طلب کرتا ہے وہ شیطان ہے۔ اگر معاملہ ایسے ہی ہے تو آج کے پڑھے لکھے مقلدین جو معنوی حیثیت سے مقلد نہیں بن سکتے کیونکہ یہ تحقیق میں آئمہ سابقین سے دو چند آگے ہی ہیں، سب سے بڑے شیطان ہیں کیونکہ اقوال آئمہ کی تائید میں انہوں نے شروعات کے انبار لگا دیئے جن میں وہ دلائل جمع کیے جو ان کی فقہ کی کتب میں نہیں ملتے۔ پھر دوسرے اعتبار سے بھی وہ اسی زمرہ میں آتے ہیں کیونکہ تقلید محض نفسانی خواہش کا نتیجہ ہے جس کی دلیل کوئی نہیں تو جس طرح شیطان نے نفسانی خواہش سے کام لے کر اللہ تعالیٰ کے حکم کو ٹھکرا دیا۔

انذار من اتخذ الہمہ ہواہ۔ اسی طرح یہ متبعین سے نام کٹا کر مقلدین کی صف میں ہوتا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ پھر تقلید کا کمال ملاحظہ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ان کو دلیل

نظر نہیں آتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا حکم بذاتِ خود دلیل نہیں تو پھر دلیل کیلگی۔ کیا دلیل عقلِ تمہارا قیاس کا نام ہے۔

حالانکہ شیطان نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو (کہ آدم کے لیے سجدہ کر) اس لیے رد نہیں کیا تھا کہ وہ دلیل نہیں بلکہ دلیل پر خواہش اور غرور کو مقدم سمجھا تھا اسی لیے تو وہ کہتا ہے کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں۔ اور آدم مٹی سے۔ بعینہ یہ اصحاب ہیں۔ ان کے سامنے ان کے مذہب کے خلاف آیات پیش کر کے دیکھ لو تو یہی جواب آئے گا کہ میرے امام کا فلاں قول ہے ہم پر تقلید واجب ہے۔ تو انصاف کیجئے کیا شیطان کی حمایت تقلید کرنے سے نہیں تو اور کس سے ہے؟

وہ اے چشمِ اشکبار ذرا دیکھنے تو دے
ہوتا ہے جو خراب وہ میرا ہی گھر نہ ہو

تقلید شخصی علماء احناف کی نظر میں

مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث موجود ہو اور وہ مفادِ ضہ سے سالم ہو یعنی حدیثِ صحیح ہو (جیسا کہ بخاری و مسلم کی احادیث میں) اور اس کا کوئی ناسخ بھی معلوم نہ ہو تو امام ابو حنیفہ کا فتویٰ اس سے برخلاف ہو اور ائمہ اربعین سے کسی ایک کا عمل ہو تو پھر اس حدیث پر عمل کرنا واجب ہے اور تقلیدی جمود کو اس حدیث سے مانع نہیں ہونا چاہیے ورنہ مخلوق میں بعض کا بعض کو رب بنانا لازم آئے گا۔

مولانا حکیم محمد اشرف علی تھانوی تقلیدِ شخصی کے تابا نثر ہونے کا اعلان فرماتے ہیں: اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص تقلید پر اس قدر جامد ہو جاتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے برخلاف کوئی آیت یا حدیث کا ان میں پڑ جائے تو اس کے دل

میں افشراح و انبساط نہیں رہتا بلکہ اوّل اسٹنکار (حدیث یا آیت کو قبول نہ کرنا) قلب میں پیدا ہوتا ہے۔ پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی بعید کیوں نہ ہو۔ خواہ دوسری حدیث اس کے معارض ہو۔ بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بحر قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت بھی نہ ہو مگر نصرت مذہب کے لیے تاویل مزدوری سمجھتے ہیں۔ دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کریں۔

بعض سنن مختلفہ فیہا مثلاً آئین بالجہر وغیرہ پر حرب و ضرب کی ذنبت آجاتی ہو اور قرون ثلاثہ میں اس (تقلید شخصی) کا شروع نہ ہوا تھا بلکہ کیف ما اتفق " جس سے چاہا مسئلہ دریافت کر لیا۔ اگرچہ اس امر پر محض خیالی اجماع نقل کیا گیا ہے۔ مذہب خاص مستحدث کرنا جائز نہیں یعنی جو مسئلہ چاروں مذہبوں کے خلاف ہو۔ اس پر عمل کرنا جائز نہیں کہ حق دائرہ و منحصر ان چار میں ہے۔ مگر اس پر بھی کوئی دلیل نہیں کیونکہ اہل ظاہر (اہل حدیث) ہر زمانہ میں رہے ہیں اور یہ بھی نہیں کہ سب کے سب اہل ہوں اور وہ اتفاق سے علیحدہ رہے۔ دوسرے اگر اجماع ثابت بھی ہو جائے مگر تقلید شخصی پر تو کوئی اجماع بھی نہیں ہوا۔

مولانا اشرف علی تھانوی کی تحقیق میں تقلید شخصی پر نہ کبھی اجماع ہوا ہے اور نہ ہی تقلید پر کوئی دلیل ہے۔

مولانا بھکر العلوم عبد العلی حنفی فرماتے ہیں کہ تقلید اصل میں خواہش پرستی کا نتیجہ ہے۔ بعض لوگوں نے ائمہ اربعہ پر اجتہاد کے ختم ہونے کا دعوے کر کے یہ قرار دے دیا کہ ان چاروں میں سے کسی ایک کی تقلید ضروری ہے لیکن یہ ان کا خیال محض ہوس نفسانی اور خواہش پرستی ہے۔ اس پر اللہ کے پاس کوئی دلیل نہیں اور ان کے ایسے کلام کوئی وزن نہیں رکھتے۔ ایسے ہی لوگوں پر چھ مہریش نبوی صادق آنہی ہے کہ بلا علم فتوے دینے والے آپ بھی گمراہ ہوئے

اور دوسروں کو گمراہ کیا ہے

مولانا بحر العلوم کے نزدیک تقلید محض خواہش پرستی سے پیدا کی گئی۔ اس پر مقلدین کے پاس کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ مذکورہ حدیث کی بنا پر مجرم بھی ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ مقلدین میں خواہش پرستی کا الزام دیتے تھے لیکن قصور اپنا نکل آیا۔

حضرت امام الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا
مولانا منصور علی خانی مراد آبادی فرماتے ہیں۔

جو شخص واقعہ سنت ہو اس کو حنفی یا شافعی بنا کچھ ضروری نہیں اور جو مسائل صریح قرآن و حدیث سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ ان میں تقلید محض بے اصل اور لغو ہے
مذکورہ بالا عبارت جس کتاب سے لی گئی ہے اس پر چار سو چھیاسٹھ (۴۶۶) علماء کے تصدیقی دستخط ثبت ہیں گویا کہ اس وقت کے تمام علماء احناف نے مولانا مراد آبادی کی رائے کو قبول کیا تھا۔ اگر موجودہ حنفی علماء اس اقتباس پر غور کریں اور اپنے سابقین کی طرح حق اور انصاف سے کام لیں تو مسلک اہل حدیث کے متعلق تقریر و تحریر میں تند و تیز لہجہ استعمال کرنے کا سلسلہ انشاء اللہ ختم ہو جائے گا۔ اور سنت پر عمل کرنے سے ان حضرات کو جو گریز اور تکی کا سامنا ہے اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ اور پھر دعوت اہل حدیث کا لکھا رہی ان کے سامنے آ جائے گا کہ کیا اہل حدیث مسلک کی بھی یہی دعوت نہیں کہ وہ مسائل جو کتاب و سنت میں ہیں ان کو قبول کر کے عملی جامہ پہنایا جائے۔ معلوم ایسے ہوتا ہے کہ اس وقت کے احناف اور اہل حدیث میں نظریاتی اور دعوتی سطح اتنی وسیع نہ تھی جس قدر آج کے احباب نے کر دی ہے۔ جب بھی کوئی نظر انصاف سے اہل حدیث کو دیکھے گا تو اس دعوت کے حق ہونے کو ضرور تسلیم کرے گا۔
مجدد العلوم مولانا عبدالحی مکنوی فرماتے ہیں۔

زمانہ سلف میں تقلید کسی امام اور مجتہد قاضی کا معمول نہ تھی۔ جو شخص عالمی ہوتا اس کو اختیار تھا کہ زمانہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین میں سے جس عالم سے چاہے دریافت مسائل شرعیہ کر کے موافق اس کے عمل کرے، کوئی ان

پراٹکا رہیں کرتا تھا۔

مولانا لکھنوی کی تحقیق میں تقلید کا وجود نہ تھا بلکہ عوام کو جن مسائل کی ضرورت ہوتی تو وہ جس عالم سے چاہتے مسائل دریافت کر لیتے اور یہی بات تقلید شخصی کے خلاف اور برعکس ہے۔ علامہ محمد حیات سندھی تقلید شخصی کے باطل اور ناجائز ہونے کا اعلان ان الفاظ سے فرماتے ہیں:

فمن یقصد لواحد معین غیر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ویروی ان قوله هو الصواب الذی یجب اتباعه دون الائمة الاخرین فهو ضال جاهل بل قد یكون كافرا قسأب فان تاب والقتل فانه سخی اعتقد انه یجب علی الناس اتباع احد بعینہ من هؤلاء الائمة دون الاخرین فقد جعله بمنزلة النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے علاوہ کسی خاص مذہب پر اڑ جائے اور وہ یہ سمجھے کہ میں جس مذہب پر اڑا ہوں وہ ہی درست ہے اسی کی اتباع اور پیروی واجب ہے۔ دوسرے ائمہ کی نہیں تو ایسا شخص گمراہ اور جاہل ہے بلکہ وہ تمصب کی وجہ سے کفر تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ ایسے تمصب سے توبہ کرائی جائے۔ اگر وہ تائب ہو جائے تو بہتر ورنہ اس کو زندہ رہنے کا حق نہ دیا جائے کیونکہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی امام اور مجتہد کی اتباع کو ضروری سمجھا۔ دوسرے ائمہ کو ترک کر کے صرف ایک کی اتباع کرنا ایسے ہی ہے جیسا کہ کسی امام معین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب پر لاکھڑا کر دیا جائے۔

(منقولہ از خاتمہ اختلاف الخاتمہ الحدیث الامام عبدالجبار کھنڈیلوی ج ۱)

ہم نے نہایت اختصار سے چند نامور حنفی علماء کے تقلید شخصی کے رد میں خیالات ضبط تحریر کئے ہیں۔ کتاب کی طوالت کا خطرہ نہ ہوتا تو اور بہت سے اکابر احناف و دیوبند کے خیالات قلم بند کیے جاتے۔

تقلید شخصی اور اجماع اُمت

کیا تقلید شخصی پر کبھی اجماع ہوا؟ یہ سوال اپنے اندر بہت جاذبیت رکھتا ہے۔ کیونکہ مقلدین کی تمام تر توجہ اسی پر مرکوز ہے کہ تقلید پر اجماع ہو چکا ہے۔ لہذا اجماع بھی بذات خود ایک جہت اور دلیل ہے۔ لیکن یہ اجماع ہوا کب؟ کس صدی میں ہوا اور اس اجماع میں کون سے علماء شامل تھے؟ کیا اس وقت کوئی ایسی صورت موجود تھی جس سے پتہ چل جائے کہ فلاں وقت کے تمام علماء نے تقلید کے جائز بلکہ واجب اور فرض ہونے پر اتفاق کر لیا تھا۔ کیونکہ اجماع کا دعوائے اختلاف معلوم کیے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ اور پھر یہ بھی قابل غور امر ہے کہ تقلید پر اجماع ہونے کا دعوائے کس نے پیش کیا ہے کیا ہمارے دور کے مقلدین کا ہے یا سابقین میں سے کسی ایک کا ہے؟

لیکن ان تمام سوالوں کا جواب ملنا انتہائی مشکل ہے بلکہ اکابر حنفی علماء کے خیالات اجماع کے حق میں نہیں بلکہ اختلاف میں جاتے ہیں۔ چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں۔

”تقلید شخصی پر کبھی اجماع نہیں ہوا۔“
ان کے علاوہ ان علماء کو سامنے رکھو جن کا تذکرہ ہم اس سے پہلے کر آئے ہیں کہ وہ تقلید شخصی کے سخت مخالف تھے۔ رہی اجماع کی حقیقت تو جب کہ فتہ شد شاہد من اھلھا کہ تقلید کے قائلین نے ہی واضح کر دیا کہ تقلید شخصی پر کبھی اجماع نہیں ہوا، ہاں تقلید کے خلاف سبقت صالحین میں اجماع ضرور تھا کیونکہ ان میں کوئی ایک بزرگ تقلید کا قائل ہی نہیں تھا۔ امام العصر محدث الوقت الفقیہ، المحقق المدق حافظ ابن حزم غلاہری قرطبی فرماتے ہیں،
”تقلید کے خلاف علماء کا اجماع ہے۔“

حضرت شاہ ولی اللہ نے حافظ ابن حزم کے بیان کو ان الفاظ سے مرقوم کیا ہے،
وقد صم اجماع الصحابة کلہم اولہم من اخرہم واجماع التابعین

اولہم من اخرہم علی الامتناع والتمنع من ان یعتقد احد الی قول النان

منہم اود من قبلہم فی اخذ کلمہ لہ

تمام صحابہ تابعین اور تبع تابعین کا تقلید شخصی کے خلاف اجماع ہے۔

ابن حزم کے اس قول کے مطابق اجماع تقلید کے جواز میں نہیں البتہ اس کے خلاف ضرور ہوا ہے۔ اجماع کی بات آئی تو یہ بھی سنتے جلیئے کہ اجماع کا تعین مشکل امر ہے۔ ایک ملک کے علماء کا اجماع معلوم کرنا سہل معاملہ نہیں چہ جائیکہ پوری امت کے اجماع کا دعویٰ کیا جائے خاص طور پر جب کہ سلف صالحین میں سے کسی ایک نے ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ جب وہ ایسے دعوے کرنے سے اعراض نکال رہے تو آج گھر بیٹھے بٹھائے کیسے دعویٰ کیا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی دور میں بھی تقلید کے واجب ہونے پر اجماع نہیں ہوا ہم ذیل میں ہر صدی کے آئمہ اور اکابر علماء کا تذکرہ مع حوالہ پیش کرتے ہیں۔ جن کی نسبت کسی ایک امام کی طرف نہیں بلکہ وہ تقلید اور مجرور کے سخت مخالف تھے۔ ان میں سے بہت سے علماء کے اقوال کو ہم سابقہ اور اہل حق میں درج کر آئے ہیں۔

اسماء الائمة والعلماء شیخین وفات	اسماء الائمة والعلماء شیخین وفات
امام ابو حنیفہ ۱۵۰	امام حنبلی ۲۸۵
عاصم بن سلیمان ۱۴۳	امام مسلم ۲۶۱
احوال بصری	امام ابو داؤد ۲۴۵
عبدالملک بن عبدالحق ۱۵۰	ابن ماجہ ۲۴۵
بن جریر	امام مروزی ۲۹۴
محمد بن اسحاق ۱۵۱	امام نسائی ۳۰۳
صاحب المغازی	امام موصلی ۳۰۷
امام اوذاعی ۱۵۷	ابن سریج ۳۰۶
امام مالک بن النضر ۱۷۹	نفیل بن عیاض ۱۸۷
	امام عبداللہ بن مبارک ۱۸۱

لے احوال کو ہم سابقہ اور ان میں درج کرنا ہیں

لے عقدا الجید ۹

اسماء الائمه والعلما	سین و قاف	حوالہ	اسماء الائمه والعلما	سین و قاف	حوالہ
امام ابو یوسف	۱۸۲	اعلام الموقعین	امام شافعی	۲۰۴	ایقاف
بقی بن مخلد	۲۰۶	تحریک آزادی فکر	ابوالولید طیبی	۲۲۷	تذکرۃ الحفاظ
امام حمیدی	۲۱۹	تذکرۃ الحفاظ	بصری		
یحییٰ بن معین	۲۳۳	" "	علی بن مدینی	۲۳۴	شروعات مشکوٰۃ
امام احمد بن حنبل	۲۴۱	کتب کثیرہ	امام خزاعی	۲۳۰	فتح الباری
یحییٰ بن یحییٰ اندلسی	۲۴۴	ظفر المبین	امام دارمی	۲۵۵	مقدمہ دارمی
امام بخاری	۲۵۶	فتح الباری	امام مجلسی	۲۶۱	کتاب الثقات
ابو حاتم رازی	۲۷۷	کتب رجال	امام داؤد ظاہری	۲۷۰	تاریخ بغداد
ابن ہمدان اصفہانی	۳۰۹	تذکرۃ الحفاظ	امام ابن خزیمہ	۳۱۰	تذکرۃ الحفاظ
امام ابن المنذر	۳۱۸	تحریک آزادی فکر	امام ابن اصرم	۳۴۴	تذکرہ
امام مقرئ اندلسی	۴۲۹	تذکرہ	نیسا پوری		
حافظ ابن فدرک	۴۰۲	مقدمہ ہدایۃ المتفید	حسن بن سعد الجعفیہ	۳۳۱	" "
امام باقلانی	۴۰۳	" "	القرطبی		
حافظ مسطی	۴۴۱	تحریک آزادی فکر	امام آجری بغدادی	۳۶۰	" "
ابو عبد اللہ صوری	۴۴۱	تذکرۃ الحفاظ	امام ابن السنی الدیوبی	۳۶۴	" "
خطیب بغدادی	۴۶۳	کتب کثیرہ	امام دارقطنی	۳۸۵	دارقطنی
امام ابن حزم ظاہری	۴۵۶	مغلی، الاحکام	امام خطابی	۳۸۸	معالم السنن
حافظ عبد الرحمن بن	۴۷۰	ظفر المبین	امام طبرانی	۳۹۰	مقدمہ ہدایۃ المتفید
مندہ			امام جرجانی	۳۷۰	اعتقاد الی السنۃ
امام حمیدی ظاہری	۴۸۸	تاریخ الرجال فی الجعفیہ	امام ابن شاین	۳۸۵	مقدمہ ہدایۃ المتفید
امام صوری کا حصہ کی مدد تفہیم کی نہایت ایک قصیدہ ہے۔			حاکم نیسا پوری	۴۰۵	علوم الحدیث

اسماء الائمة والعلماء	سنین وفات	حوالہ	اسماء الائمة والعلماء	سنین وفات	حوالہ
امام ربیعانی	۴۱	تذکرۃ الحفاظ	امام منافری المالکی	۵۴۳	نظر المبین
محمد بن طاہر المقدسی	۵۰۷	"	امام ابن جوزی	۵۹۷	تلبیس ابلیس
امام شیرویه	۵۰۹	"	حافظ عبد الغنی المقدسی	۶۰۰	تذکرہ
امام عبد بن اندیس	۵۲۴	"	محمی الدین ابن العربی	۶۳۸	معیار الحق
تیمی طبعی - اصغہانی	۵۲۶	"	ابن الرومیہ ظاہری	۶۳۷	تذکرہ
ابوسعبد البغدادی	۵۴۰	"	امام فخر الدین رازی	۶۰۶	تفسیر کبیر
محمد بن ناصر سلمی	۵۵۰	"	نجم الدین الحرانی	۶۹۵	ہدایۃ المستفید
امام سلفی اصغہانی	۵۷۶	"	شیخ کوشیار	۶۹۹	"
سعید بن القریبی	۶۱۱	تذکرہ	ابن سید الناس شیبلی	۶۵۹	تذکرہ
ابوشامہ	۶۶۵	المختصر المودل	ظاہری		
شیخ الاسلام ابن تیمیہ	۷۲۸	امام ابن تیمیہ	ابن الدقیق	۷۰۲	تذکرہ
شمس الدین ترک	فقہا ہند		ابن الزبیر غزالی	۷۰۸	تذکرہ
الہندی			ابن فوطی شیبانی	۷۲۳	تذکرہ
امام ابن القیم	۷۵۱	اعلام الموقعین	امام مزنی دمشقی	۷۴۲	"
امام المفسرین ابن کثیر	ابن کثیر		امام ذہبی	۷۴۴	
شیخ محمد ابن سبکی	۷۵۷	فقہا ہند	مولانا فخر الدین نرداکی	۷۴۸	فقہا ہند
چراغ دہلوی			نظام الدین اولیاء	۷۷۰	مقالات ندوی
جلال الدین المحلی	۸۶۴	نظر المبین	محمد الدین فیروز آبادی	۸۱۷	کتب متعددہ
عبد مجتہد ابن حجر عسقلانی	۸۵۲	فتح الباری	شمس الدین ایساظمی	۸۴۲	المقدم فی اصول
			الدين		
			امام سخاوی	۹۰۶	ہدایۃ المستفید

اسماء الائمہ والعلماء	سین و ف	حوالہ	اسماء الائمہ والعلماء	سین و ف	حوالہ
شیخ عبدالعزیز بن عبدالحلیم	۹۶۷	ہدایۃ المستفید	شیخ شہاب الدین	۹۵۱	تحریک آزادی فکر
شیخ عبدالوہاب	۹۷۳	الارشاد	عبدالقادری دہلوی	۱۰۰۴	فقہ ہند
امام متقی صفائی	۱۰۴۶	لفظ المبین	سید سحیح بن حسن	۱۰۸۰	تحریک آزادی فکر
محمد و العف ثنائی	۱۰۷۰	مکتوبات ربانی	احمد الوارثی المغربی	۱۰۴۵	ہدایۃ المستفید
امام کوکائی	۱۱۵۹	لفظ المبین	شیخ البحر اتری	۱۰۵۷	" "
علی بن لطف اللہ	۱۱۶۵	" "	صالح بن محمد عیدی	۱۱۰۸	تحریک آزادی فکر
صفائی					
سید امیر یانی	۱۱۸۲	سبل السلام	عبدالقادری البدری	۱۱۶۰	" "
صالح بن مہدی	۱۱۵۸	الارشاد	شاہ ولی اللہ دہلوی		حجۃ اللہ
محمد حیات سندھی	۱۱۶۳	ایقاظ	الانصاف		
شیخ الاسلام مولانا	۱۳۶۷	اجتہاد و تقلید	حسن بن مہدی	۱۱۷۷	معارج الابواب
ثناء اللہ امرتسری			امام شوکانی	۱۲۵۰	القول السدید
شاہ اسماعیل الشہید	۱۲۴۲	ایضاح الحق	محمد بن عبدالوہاب الحمد	۱۲۰۶	الہدیۃ
عبدالرحمن بن حسن	۱۲۸۵	فتح المجید	شاہ عبدالعزیز دہلوی		تفسیر عزیزی
محمد المنجدی			المجدد العری	۱۲۱۸	ایقاظ
امام عبداللہ غزنوی	۱۲۹۸	حیات غزنوی	نواب صدیق الرحمن خاں	۱۳۰۷	نیل المرام
مولانا بشیر سہرانی	۱۳۰۶	صیغۃ الانسان	شیخ الکل سید نذیر	۱۳۲۰	معیار الحق
مولانا جون گڑھی	۱۳۶۰	طریق محمدی	حسین دہلوی		
مولانا محمد اشرف		نتائج تقلید	مولانا عبدالرحمان	۱۳۵۳	شکوۃ الاحمدی
سندھو			مبارک پوری		
علامہ وحید الزمان		ترجمہ تفسیر وحیدیہ	مولانا دہلیا نوزی		عنوان المعبود

۱۔ آپ فرماتے ہیں ہمارا تعلق کتاب اللہ سے ہے تقلید سے نہیں۔ (فقہ ہند)

اسماء الائمہ والعلماء سینن وفتا حوالہ	اسماء الائمہ والعلماء سینن وفتا حوالہ
حافظ عبداللہ روپڑی ۱۳۸۴ فتاویٰ امجدیہ	مولانا محمد ابوالحسن ظفر البین
حافظ عبدالجبار عمر کویری ۱۳۳۲ مصمم التوحید	مولانا شرف الدین ۱۳۳۸ فتاویٰ نذیریہ
مولانا محمد عبدہ ۱۳۳۳ المنار	دہلوی ابوالقاسم بناری ۱۳۶۹
مصری حنین الاحول ۱۳۲۷ حقیقہ شرعیہ	مولانا عبدالجبار ۱۳۸۴ خاتمہ اختلاف
الطرابلسی محمدیہ	کھنڈیلوی الیہ السابقی المصری
مولانا احمد دین گڑھی ۱۹۶۹ء کتب کثیرہ	سید رشید رضا مصری ۱۹۳۵ء
المعروف مناظر اسلام	ابن شہاب الوسی ۱۳۱۷ تفسیر روح المعانی
مولانا عبدالقادر ۱۴۰۱ مضامین کثیرہ	شیخ اکل امام الوقت مدظلہ العالی
حصار دی علامہ العصر مولانا ۱۳۸۸ کتب کثیرہ	حافظ محمد گوندوی
محمد اسماعیل السفنی	سید بدیع الدین " قول سدید
	شاہ

ہم نے اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان مشاہیر کا ذکر کیا ہے جو اپنے ادوار میں مسلمہ حیثیت کے مالک تھے۔ شاہ ولی اللہ کی تحریک عمل بالمحدیث کے بعد اگر علماء اہل حدیث اور ان علماء کے اسماؤ کو جمع کیا جائے تو ضخیم دفتر بن جائے گا۔ یہ برصغیر کے علماء کی سماعی ہیں اگر موجودہ دور کے عالم اسلام کے ان علماء کی فہرست مرتب کی جائے تو یہ منظر آب کی آنکھوں کے سامنے آئے گا۔

سہ ساری دنیا ہے مری سارا زمانہ میرا
جس کو سنتا ہوں وہ کہتا ہے قاتل میرا

انتقال مذہب

تقلیدی جمود و حجت نہ ہونے کی ایک یہ بھی بڑی جامع دلیل ہے کہ وہ حضرات جو مذاہب اربعہ

میں سے کسی ایک کی طرف نسبت رکھتے تھے۔ بوقت ضرورت وہ اس مذہب کو ترک کر کے دوسرے امام کے قول پر عمل کرتے اور اپنے مذہب کو چھوڑ دیتے۔

تمام مذاہب کے علماء کا اتفاق ہے کہ ہر قول و فعل میں ایک کو کافی سمجھنا اتخذاً اجادہم ورہباً دفعہ کے متنازع اور مترادف ہے۔ اسی بنا پر تو انتقال مذہب یعنی اپنے امام کی بات کو نص شرعیہ کے خلاف سمجھتے ہوئے اس کو چھوڑ دینا اور اس دلیل کو قابل عمل بنانا جو کتاب اللہ یا احادیث صحیحہ سے ہو۔

سلف نے اس معاملہ کو اچھی طرح پرکھ لیا تھا کہ اگر آئمہ اربعہ میں کسی ایک کی تقلید کو واجب یا فرض کر لیا جائے تو اس سے بہت سے نقصان اٹھانا پڑیں گے۔ چنانچہ انہوں نے دور رس نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات کو واضح کر دیا کہ حق جہاں سے ملے خواہ امام کی مخالفت کیوں نہ ہو اسے قبول کر لو۔

اسی سلسلہ میں ہم چند علماء کے بیان نقل کرتے ہیں جس سے مسئلہ کی وضاحت بخوبی ہو جائے گی۔

امام ابن الصلاح شافعی فرماتے ہیں۔

فمن وجد من الشافعية حديثاً يخالف مذهباً ان كملت آلات الاجتهاد فيه مطلقاً او في ذلك الباب او المسئلة كان له الاستقلال بالعمل به۔

اگر کوئی شافعی مسلک کسی حدیث کو اپنے مذہب کے خلاف پاوے اور اس میں درجہ اجتہاد اتم موجود ہو یا کسی ایک باب میں یا پھر صرف اسی مسئلہ میں تو وہ اس حدیث پر عمل کر لے اور اپنے مذہب کو ترک کر دے۔

امام نووی شارح صحیح مسلم فرماتے ہیں۔

هذا الذي قاله حسن متعين له

ابن الصلاح کی بات بہت اچھی ہے۔ اسی پر عمل کرنا چاہیئے۔

محقق الاخاف الامام ابن الہمام فرماتے ہیں:

بجوز تقلید من شار من المجتہدین وان دوت المذاهب کا یوم فله الانتفا
من مذہبہ لہ

مقلد جس امام کی چاہے تقلید کرے اور اسے اپنے مذہب کو بدلنا جائز ہے۔
علامہ محمد حیات سندھی انتقال مذہب پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
ابن الہمام نے تقلیدی مذہب کی تبدیلی کے بارے میں جو فرمایا وہ کتاب و
سنت اور سلف صالحین کے قول کے موافق ہے۔ اس شخص کو کوئی وقعت
حاصل نہیں جو اس کے خلاف کہتا ہے۔ کیونکہ ہر وہ قول و عمل جو کتاب و سنت
کے خلاف ہو ناقابل عمل اور مردود ہے۔ اس میں سوائے جاہل اور متعصب
کے کسی ایک کو اختلاف نہیں ملے
امام الاحناف قاضی ابویوسف کا اعلان حق؛

مارون الرشید کی خلافت کا زمانہ ہے۔ خلیفہ مدینہ منورہ میں آتا ہے۔ امام
مالک منہ درس پر مسجد نبوی میں رونق افروز ہیں۔ امام شافعی اور امام ابو یوسف
بھی درس میں موجود ہیں۔ خلیفہ، امام مالک، شافعی اور ابویوسف چاروں
بزرگوں کا اجتماع حرم رسول میں ہے۔ امام ابو یوسف و شافعی کے مابین
مسائل میں نزاع پیدا ہو جاتا ہے۔ امام ابو یوسف کے دل میں خیال گزرتا ہے
کہ ان مسائل میں فیصلہ کا موقع آج سے زیادہ مناسب اور کوئی نہیں ہو سکتا۔
حکم بنانے کے لیے امام مالک اور صدر مجلس خلیفہ سے زیادہ کون ہستی موزوں
ہو سکتی ہے۔ بحث تین مسائل قرار پاتے ہیں۔

۱، وقت ۲، صاع ۳، اقامت

امام ابو یوسف کی طرف سے بتقلید ابی حنیفہ دعویٰ پیش ہوتا ہے کہ وقت خود
صرف ایک دھیت ہے۔ اگر قاضی نے جاری کر دی تو جاری رہے گی۔ صاع
کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ آٹھ رطل عراقی ہے۔ اقامت کے بارے میں خیال

ہے کہ اقامت اکبری نہیں بلکہ دوسری کہنی چاہیے۔ امام شافعی کا مسلک ان تینوں مسئلوں میں امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد بادقا ابو یوسف کے خلاف ہے۔ آپ فرماتے ہیں وقت شرعی مسئلہ ہے جو قاضی کے فیصلے سے پہلے جائز اور جاری ہو جاتا ہے۔ صارع عراق کا معتبر نہیں بلکہ مدنی جس کا وزن پانچ رطل باؤ ایک تہائی ہے درست ہے۔ مبحث طے ہونے کے بعد مجلس مناظرہ شروع ہوئی ہے۔ امام شافعی سے دلیل طلب کی جاتی ہے۔ آپ ان اصحاب رسول کی اولاد کو طلب کرتے ہیں جو آپ کے دور کے مؤذن تھے اور ان سے دیانت کرتے ہیں تم اذان کیسے کہتے ہو اور اقامت کیسے؟ وہ کلمات اذان و اقامت پڑھ کر سناتے ہیں تو اقامت اکبری درست ثابت ہوتی ہے۔ شافعی فرماتے ہیں تم نے یہ اقامت کس سے سیکھی؟ جواب ملتا ہے اپنے باپ سے، انہوں نے انہوں نے اپنے دادا سے، یہاں تک کہ سندر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر اہل مدینہ کو حکم دیتے ہیں کہ جس صارع سے تم فطرانہ دیتے ہو وہ لے آؤ۔ بہت سے صارع جمع ہو جاتے ہیں۔ ان میں ناپ کر تو لا جاتا ہے تو وزن وہی ہوتا ہے جو امام شافعی فرماتے ہیں۔ بعد ازاں آپ حاضرین مجلس کو لے کر مدینہ منورہ کے باہر جاتے ہیں اور ایک زمین کی طرف اشارہ کر کے ادھیڑ عمر والے بزرگ سے دریافت کرتے ہیں۔ یہ زمین کس کی ہے؟ جواب آتا ہے۔ یہ حضرت ابو بکرؓ کی وقت ہے۔ ایک اور طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں یہ زمین کس کی ہے؟ اہل مدینہ سے جواب ملتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی وقت کردہ ہے اور یہ زمین حضرت عثمانؓ کی وقت کی ہوئی ہے اور اسے حضرت علیؓ نے مسکین پر وقت کیا تھا اور یہ فلاں صحابی نے وقت کیا ہے۔ ان دلائل کے پیش کرنے کے بعد خلیفہ کو کہتے ہیں میں نے اپنے دلائل کو پیش کر دیا ہے اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ جو رسول اللہ یا آپ کے صحابہ نے کام کیا ہو اس میں کسی مسلمان کو اختلاف کا حق ہو۔ میرے نزدیک قابل قبول وہ امر ہے

جو سنت رسول کے مطابق ہو، نہ وہ جو آپ کے خلاف ہو جس پر آپ کی ہر نہ لگی ہوئی ہو۔ خلیفہ ہارون الرشید نے فرمایا بالکل درست اور ٹھیک ہے۔ وہ امر قابل قبول نہیں جس پر آپ کی ہر نہ لگی ہو۔ اب امام ابو یوسف پر حق ظاہر ہو چکا تھا۔ آپ اس وقت بلا کم و کاست قبول کر لیتے ہیں اور اعلانِ حق فرماتے ہیں۔ شافعی صداقت پر ہیں اور میں غلطی پر تھا۔

حق وہ ہے جس کے دلائل پختہ ہوں۔ جو شافعی نے بیان کر دیئے ہیں۔ میں اپنے اساذ کے ان مسائل کو پھوڑتا ہوں اور شافعی کے دلائل کو قبول کرتا ہوں۔ امام دار کی کا انداز فتویٰ :

امام دار کی جو ائمہ شافعیہ میں بلند مقام رکھتے تھے۔ آپ فتویٰ دیتے وقت تقلید کو نہیں بلکہ کتاب و سنت کو سامنے رکھتے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ خطیب بغدادی کے حوالہ سے فرماتے ہیں :
دار کی بنا اوقات شافعی کے مذہب کو ترک کر کے ابو حنیفہ کے مذہب پر فتویٰ دیتے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ دونوں مذہبوں کو ترک کر کے فتویٰ دیا تو کسی کہنے والے نے یہ الفاظ کہہ دیئے، هذا يخالف قولهما فيقول ويلكم حدث فلان عن فلان عن النبي صلى الله عليه وسلم هكذا الاخذ بالحديث اولى من الاخذ بقولهما اذا خالفاه ثم کہ دار کی ابو حنیفہ اور شافعی دونوں کی مخالفت کرتا ہے تو امام دار کی فرماتے ہیں۔ تم پر افسوس ! میں حدیث بیان کرتا ہوں اور حدیث پر عمل کرنا ان دونوں کی رائے پر عمل کرنے سے بہتر ہے جب دونوں کا عمل حدیث کے خلاف ہو۔

مذکورہ حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ تقلید جامد اور شخصی کا وجود پہلے علماء میں نہیں پایا جاتا تھا۔ یہ جو مردِ مردمانہ اور تمسک فی الدین کم ہونے سے ہوتا ہے۔
مذہب اربعہ سے خروج : آج بعض سر پھرے مذاہب اربعہ سے تعلق نہ رکھنے

والوں کو طرح طرح کے الزام و اتہام دیتے ہیں لیکن پہلے بزرگ قطعاً ایسے نہ تھے وہ تعجب اور جہود کے بجائے حق کے طالب تھے۔ امام الاخاف ابن ہمام فرماتے ہیں:

فان وجد نقل معيهم منهم في مسئلة فالعمل به والعمل بفتوى الائمة
الاربعة سواء له

کسی مسئلہ میں حدیث صحیح مل جائے تو اس پر عمل کرنا اور ائمہ اربعہ کے فتوے پر عمل کرنا برابر ہے۔ مزید فرماتے ہیں۔

فان وصل فتوى سفیان بن عیینة او مالک بن دینار او غیرہم یجوز
الاخذ به كما یجوز الاخذ بفتوى الائمة الاربعة له

اگر محدثین میں سفیان، مالک بن دینار یا اور کسی کا فتوہ مل جائے تو اس پر عمل کرنا ایسے ہی جائز ہے جیسا کہ آئمہ اربعہ کے فتوؤں پر کرنا ہے۔

امام ابن الہمام کے اس فتوے کے علاوہ متاخرین احناف نے علماً ثابت کر دیا کہ آئمہ اربعہ کے فتوؤں کے بغیر بھی عمل کیا جاسکتا ہے جیسا کہ انہوں نے بعض مسائل میں ابن ابی یعلیٰ کے فتوؤں کو معمول بہا بنایا ہے۔

لیکن ہمارے دور کے احناف کو دیکھو ان کو حدیث پر عمل کرنے سے ہمیشہ فساد کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ اگر آئمہ اربعہ سے الگ کسی مسئلہ کو اپنایا جائے جو حدیث صحیح کے بالکل موافق ہو، تب بھی انہیں گم اور شکوہ رہتا ہے اور یہ کیوں نہ ہو۔ جب کہ ہندوستان کی تاریخ میں حضرت شیخ اکل کے دور سے لے کر عمل بالحدیث میں جو پیش رفت ہو چکی ہے وہ پہلے کبھی نہ تھی۔

ہر شہر میں ائمہ حدیث کی مساجد اور مدرسے قائم ہیں۔ ان حضرات کو یہ خدشہ نہیں کہ کتاب و سنت پر عمل کرنے سے فساد برپا ہوگا بلکہ اصل خطرہ و خدشہ یہ ہے کہ عوام میں تحقیق اور تحسس کا ملکہ بیدار ہو چکا ہے۔ قرآن حکیم اور حدیث رسول کی کڑیں بڑھنے کے دور دراز علاقوں میں پہنچ چکی ہیں جس سے محمود اور تقلید ختم ہونے کا امکان قریب ہے

ہوتا جا رہا ہے۔ جب جہود اور نصیب کے خلاف بات ہوتی ہے تو یہ اسے دین پر ضرب سمجھ بیٹھتے ہیں۔ عوام میں ائمہ دین کے خلاف نہ ہر بلا مواد، جس کا اہل حدیث سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ پھیلا یا جاتا ہے کبھی ان پر گستاخی کا الزام ہے۔ کبھی اکابر کی توہین کا، کبھی کرامات اور معجزات کے انکار کا۔

لیکن ان کے یہ تمام من گھڑت الزامات صد بعصر اثابت ہو رہے ہیں۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تم ہی بتاؤ حدیث پر عمل کرنا گستاخی ہے یا اس کو چھوڑ دینا؟ اور کیا امتی کے فتوؤں کو قابل عمل سمجھتے اور حدیث رسول کو پس پشت ڈال دینے سے توہین کا پہلو نکلتا ہے یا حدیث پر عمل کرنے سے؟

کیا محبت کا یہی تقاضا ہے کہ زبانی اور لفظی محبت سے فضا کو گرما دیا جائے لیکن جب محبوب بکریا کی سنت پر عمل کرنے کی باری آئے تو کسی اور کے فتوے کو اپنا لیا جائے؟ ہرگز نہیں! محبت کرنا ہے تو محبوب کے اسوۂ حسنہ اور قول و فعل کو اپنانا ہوگا۔

مقلد مفتی کے بارے میں حکم

کسی مسئلہ میں فتویٰ دینا انتہائی ذمہ داری کا معاملہ ہے۔ اسی بنا پر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے فتویٰ دینے سے منع فرمایا ہے۔ حدیث میں مفتی کو ان الفاظ سے انتباہ کیا گیا ہے۔

من اختی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاکہ - (ردود ۱۵۵)

جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دے تو اس کا گناہ اسی پر ہوگا۔

فتوے سے منع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ مفتی کو بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بغیر علم کے فتوے دے اور اس فتوے کے گناہ کا بوجھ خود پر لا دے۔ اس لیے مفتی پر لازم ہے کہ وہ جس مسئلہ میں فتوے دے رہا ہے اس سے کما حقہ واقف ہو۔ اس مسئلہ کی دلیل سے واقف ہو۔ احادیث اور علل الحدیث کا خوب واقف ہو۔ امام اہل سنت احمد بن حنبل سے کسی تلمیذ یا تلمیذ نے مفتی کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے

فرمایا۔ ”چار لاکھ احادیث کا حافظ ہو۔ یہ بات اس دور کی ہے جب احادیث کو کاغذ کے سینے پر رقم کرنے کا کام انتہائی عروج پر تھا۔ اب جب کہ کتب احادیث کی تدوین مکمل ہو چکی ہے تو مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کتب سے مکمل واقفیت رکھتا ہو اور ان کا ایسا ماہر ہو جیسے وہ اسے حفظ ہیں لیکن اگر وہ احادیث رسول پر دسترس نہیں رکھتا تو اسے فتوے دینے کا کوئی حق نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۔ بَلَا عِلْمٍ فَتُؤْمَرُ بِمَا جَازٍ نَحْنُ ۔

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ علم کے بغیر فتویٰ دینا جائز نہیں بلکہ شرعاً حرام ہے تو تقلید کی تعریف کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ مقلد کو فتویٰ دینے کا کوئی حق نہیں کیونکہ وہ علماء کے ذمے میں شامل نہیں۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں :

انه لا يجوز الفتوى بالتقليد لانه ليس بعلم والفتوى بغير علم حرام
ولا خلاف بين الناس ان التقليد ليس بعلم وان المقلد لا يطلق عليه اسم
العالم

تقلید سے فتویٰ دینا جائز نہیں اس لیے کہ تقلید علم نہیں ہوتا اور بغیر علم کے فتوے دینا حرام ہے اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ تقلید علم نہیں اور مقلد عالم نہیں ہوتا۔

جیسا تقلید سے فتویٰ دینا جائز نہیں اسی طرح کسی قاضی کو بھی تقلید کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وَإِذَا حُكِمْتُمْ بِهِ فَمِنْ النَّاسِ أَنْ تُهَكِّمُوا بِالْعَدْلِ

جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل اور انصاف سے کرو۔

عدل اور علم کا آپس میں گہرا تعلق ہے کیونکہ علم کے بغیر عدل حاصل نہیں ہو سکتا وہ اس لیے کہ عدل و انصاف کے لیے تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی تحقیق کا نام علم ہے۔

اگر کوئی قاضی عدل سے کام نہیں لیتا تو وہ شرعی مجرم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

القضاة ثلاثة اثنان في النار وواحد في الجنة رجل عرف الحق ففطن
به فهو في الجنة ورجل قضى بين الناس بالجهل فهو في النار ورجل
عرف الحق فجار فهو في النار۔

قاضی تین قسم کے ہیں۔ ان میں دو جہنم والے ہیں اور ایک جنت والا۔ وہ
قاضی جو حق کی تحقیق کر کے درست فیصلہ کرتا ہے وہ جنت میں ہے اور وہ
قاضی جو بغیر تحقیق کے فیصلہ کرتا ہے وہ آگ میں ہے۔ اسی طرح وہ قاضی بھی
آگ میں ہے جو حق معلوم کر کے پھر ظلم سے فیصلہ کرے۔
مجتہد الوقت حضرت امام شوکانی فرماتے ہیں۔

قضاء اس کے لیے جائز ہے جو مجتہد ہو کیونکہ قرآن نے قضاء کو ان کے
ساتھ خاص کیا ہے جو انصاف سے فیصلہ کرتے ہیں۔ انصاف کو صرف
مجتہد معلوم کر سکتا ہے۔

ولا يعرف ذلك الا بمجتهد لان المقلد انما يعرف قول امامه دون
حجة۔

مقلد صرف اپنے امام کے قول سے واقف ہے اور وہ بھی بغیر کسی دلیل
معلوم کیے۔

ومعلوم ان المقلد لا يعرف كتابا ولا سنة ولا رايا له بل لا بد بان الحكم
موجود في الكتاب والسنة فيقفى به له

اس بات میں کسی کو شک نہیں کہ مقلد کتاب و سنت سے واقف نہیں
ہوتا اور نہ ہی اس کی ذاتی رائے ہوتی ہے۔

اگر کوئی مقلد قاضی اجتہاد سے فیصلہ کرے تو وہ اس معاشرہ میں صادق نہیں ہوگا کیونکہ

اسے علم نہیں کہ یہ فیصلہ کتاب و سنت میں موجود ہے یا کہ نہیں۔ اگر وہ فیصلے کا محل کتاب و سنت سے تلاش کرے گا تو دائرہ تقلید سے خارج ہو جائے گا۔

جب تک مفتی یا قاضی تقلیدی بندھن میں بندھا ہو وہ فتویٰ دینے کا مجاز نہیں اور نہ ہی اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ مقلد ہوتے فتویٰ دے یا کوئی فیصلہ کرے۔ مفتی اور قاضی دونوں کے لئے مجتہد ہونا ضروری ہے۔ حضرت معاذ بن جبل والی حدیث میں ہے۔

بہر تقضی؟ قال بکتاب اللہ - قال فان لم تجد قال بسنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فان لم تجد قال اجتهد برأی - امام ابو یوسف اور دیگر آئمہ اخاف نے بڑے زور دار الفاظ میں مانعت کر دی امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں :

انه لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا ما لم یعلم من این قلناہ لہ
ہر ہی الفاظ امام ابو یوسف اور امام زفر سے مروی ہیں۔
لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا ما لم یعلم من این قلناہ لہ
بغیر دلیل معلوم کیے فتویٰ دینا جائز نہیں۔

آئمہ اخاف اور امام احمد بن حنبل کے فرامین سے یہ واضح ہو گیا کہ کوئی عالم تقلیدی حالت میں فتوے نہیں دے سکتا۔ اگر وہ تقلیدی حیثیت سے فتوے دے گا۔ تو وہ اپنے مقتدا آئمہ کی مخالفت کرے گا جس کی تقلید قطعاً اجازت نہیں دیتی۔ اس دور میں کتب احادیث کی اشاعت ہو چکی ہے اور ان پر علماء کے تحقیقی کام بھی مطبوع ہو چکے ہیں۔ اگرچہ کتب احادیث سے کسی مسئلہ کا تلاش کرنا تو کسی دور میں بھی مشکل نہ تھا لیکن بعض لوگوں نے کتب احادیث کو ایک ہوا بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی تھی۔ اب وہ ہوا بھی ختم ہو گیا ہے۔ ہر کتاب احادیث پر تحقیقی نوٹ موجود ہیں اور پھر کتب احادیث کے تراجم بھی بڑی تحقیق و تمحیص کے ساتھ ہو گئے ہیں

جو کتب فقہ پر نہیں ہیں۔ اس لیے فقہ سے مسئلہ دریافت کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں جب کہ کتب احادیث میں یہ سب آسانیاں موجود ہیں۔
 اللہ تعالیٰ محدثین اور ان کی کتب پر تحقیقی کام کرنے والوں کو جزائے خیر دے
 کتب احادیث پر عمل کرنے سے ایک تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بھی راضی ہوں
 گے۔ دوسرے آراء الرجال اور قیاس و خیالات سے بھی نجات مل جائے گی اور
 امت میں اتحاد و یکگانیت کا جذبہ بھی پیدا ہو جائے گا۔

ودع عنك اراء الرجال وقولهم فقول رسول الله اذكي واشهر
 قیاسات کو ترک کر کے حدیث پر عمل کرو۔ کیونکہ احادیث بہت مناسب
 اور دافع ہیں۔



باب پنجم مذہب اربعہ کی حقیقت

نام نہاد اجماع کا دعوے کرنے والے ہونہ عیب و غریب دعوے کرتے رہتے ہیں ایک دعویٰ تو آپ پیچھے دیکھ آئے ہیں کہ تقلید شخصی پر اجماع ہو چکا ہے اور پھر اس کی حقیقت بھی آپ نے جان لی ہے۔ اب ایک نیا دعویٰ ملاحظہ فرمائیے۔ مذاہب اربعہ کے حق ہونے میں امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ لیکن یہ دعوے بھی محض دعوے ہے جس کی حقیقت کچھ نہیں۔ ہم اختصار سے اس دعوے کا توڑ پیش کریں گے۔

۱۔ حق ہمیشہ ایک ہوا کرتا ہے اور اس میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا۔ حق میں اتفاق و اتحاد کا ہونا ضروری ہے ورنہ وہ حق نہیں ہوگا۔ جیسا کہ قرآن کریم حق ہے اور اس میں اختلاف نہیں۔

وَلَوْ كَانِ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا

۲۔ کسی امر کے حق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ من جانب اللہ ہو۔ اگر وہ من جانب اللہ نہیں تو سمجھ لو وہ حق نہیں۔ مذاہب اربعہ کا حق ہونا، اس پر کوئی شرعی دلیل نہ کتاب اللہ اور نہ ہی احادیث رسول سے پیش کی جاسکتی ہے۔ اگر ہے تو کوئی صاحبِ بیتا کہ شائع علیہ السلام نے فرمایا ہو، میرے بعد تم حق کو آئمہ اربعہ میں تلاش کرنا۔

۳۔ مذاہب اربعہ میں اختلافات کی خلیج اتنی وسیع ہے کہ اس کو پاٹنا ناممکن ہے کوئی ایسا مسئلہ ہوگا جس میں آئمہ اربعہ کا اتفاق ہوا ہو۔ ورنہ ۹۹ فیصد میں آپ کو اختلاف نظر آئے گا۔

۴۔ فقہ حنفی اور شافعی دونوں کے قبول کرنے والے ایک دوسرے کو حق پر سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔

۵۔ آئمہ اربعہ کے مقلدین نے اپنے اپنے امام کی مدح میں یا دوسروں کی تنقیص میں کئی قدر

غلو سے کام لیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شوافع کے نزدیک امام ابو حنیفہ اور احناف کے نزدیک امام شافعی امت کے لیے فتنہ تھے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بعض احناف نے اپنے امام کی مدح میں سراج امتی جیسی حدیث وضع کر دی اور امام شافعی کی تنقیص میں یہ حدیث بنا ڈالی۔

يكون في امتي رجل يقال له محمد بن ادریس يكون افعر علی امتی من ابليس له

میری امت میں محمد بن ادریس ایک شخص ہوگا جو میری امت کے لیے شیطان سے بھی زیادہ نقصان دہ ہوگا۔

کسی اصولی حنفی نے حضرت امام کے متعلق خامہ فرسائی ان الفاظ میں کی۔

والجعل فی نحوہ کجھل الشافعی فی جواز القضاء بشاهدین بلہ

امام شافعی جاہل تھے۔

ایک اور جگہ اصولی حنفی فرماتے ہیں:

وجھل من خالفت فی اجتہادہ الکتاب کجھل الشافعی فی حل متروک التسمیة

عامداً قیاماً علی متروک التسمیة ناسیاً۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

لا یصلح عذر فی الاخرة۔

تمام عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ بعض مسائل میں امام شافعی ایسے جاہل تھے جو قریب الکفر ہو اور امام شافعی بدعتی ہیں اور بدعت بھی ایسی کہ جو قیامت کے دن معاف نہ ہو۔

ملا جیون منہ مارتے ہیں؛

قد نقلنا هذا ما قال اسلافنا۔

امام شافعی کے جاہل اور بدعتی ہونے کے متعلق ہمارے اکابر کا یہی نظریہ تھا۔

واضح رہے کہ اس عبارت کے تحت احناف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی بدعتی

کہا ہے اور فرماتے ہیں وہ بھی شافعی کی طرح اس قسم کے بدعتی ہیں جن کا قیامت کے دن کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔

مذکورہ عبارت پر غور کیا جائے تو اخاف کا تعصب کئی کتاب کی طرح سامنے آجائے گا کیا وہ شخص حق پر ہو سکتا ہے جو ابلیس سے بھی برا ہو، بدعتی اور جاہل ہو۔

المحدث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو ان تمام الزامات سے بری سمجھتے ہیں۔ اور ان کی شان میں کوئی نازیبا اور غلط کلمہ کہنے کی جسارت نہیں کر سکتے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اخاف نے حضرت الامام کے متعلق مسموم لہجہ کیوں استعمال کیا وہ اس لیے کہ حقیقت اور شافعی حکومت وقت کی زیر سرپرستی پھیلے جس کے ہاتھ حکومت آئی اس نے مخالف پر تنقید کرنا اپنا فرض سمجھا۔ پھر یہ دونوں بغداد اور عراق سے پیدا ہونے والے مذاہب تھے۔ جس کی وجہ سے ان کی مٹ بھڑھوتی رہی۔ بعض دفعہ مخاصمانہ اور مناظرانہ میدان بھی گرم ہو جاتے۔ فریقین دونوں کو نیچا دکھانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے۔ میدان شوافع کے ہاتھ ہوتا جس وجہ سے اخاف امام شافعی کی تنقیص پر اتر آتے

شوافع کا قتل عام

جب معاملہ امام شافعی کی تنقیص سے بھی حل ہوتا نظر نہ آیا تو ایک دور میں اخاف نے شوافع سے اپنے مناظروں کی شکست کا بدلہ قتل سے لیا۔ وہ ایسے کہ ۵۷۸ھ میں عیسیٰ بن مالک بادشاہ حنفی مذہب پر تھا اور تعصب میں لاثانی اور بے نظیر تھا۔ مسعودی کی کتاب اس کو تمام یاد تھی۔ لوگوں کو حنفی ہونے کی ترغیب دیتا اور کہتا۔ عمل صرف ابو حنیفہ کے فتوے پر ہے۔ صاحبین (ابو یوسف و محمد) کے اقوال کو بھی چھوڑ دو۔ حنفی فقہانے اسے ایک کتاب صرف ابو حنیفہ کے اقوال پر مرتب کر دی جس کو اس نے یاد کر لیا۔ اور تعصب کی بنا پر شافعی مذہب لوگوں کو اندھا دھند قتل کرنا شروع کر دیا اور جتنے شافعی اس کے ہاتھ لگے۔ سب کے سب قتل کر دیئے گئے۔

اگر اخلاف کے نزدیک شافعی حق پر تھے تو امام شافعی کے متعلق ایسی غلط زبان کیوں استعمال کی گئی، یہ گناہ شوافع کا غول کیوں بہایا گیا؟ اس کا جواب ہم موجودہ اخلاف سے طلب کرنے ہیں حق بجانب ہیں۔ اور یہ ان پر فرض ہے کیونکہ مذاہب اربعہ کے حق ہونے کا شور انہیں حضرات سے سنا جاتا ہے کیا ان کے نزدیک حق یہی ہے کہ کسی بزرگ امام کو ایسے، بدعتی اور جاہل جیسے قبیح الفاظ سے تعبیر کیا جائے؟

”امام احمد غیر فقیہ تھے۔“

متعصبانہ اور تقلیدی جھگڑوں نے صرف شافعی ہی پر طبع آزمائی نہیں بلکہ امام اہل سنت احمد بن حنبلؒ جیسے محدث، مجتہد کو بھی اپنی پلیٹ میں لے لیا۔ علامہ کوثری جو مصر میں موجودہ صدی کے حنفی مجدد تسلیم کیے گئے ہیں وہ تائیب میں فرماتے ہیں۔

انہ محدث غیر فقیہ عندہ۔ والی لغیر الفقیہ ابداء راہی۔

فی فقہ الفقہاء ۱۰

وہ صرف محدث تھے، فقیہ نہیں تھے، غیر فقیہ کی رائے فقہاء کے ہاں کب وزنی ہو سکتی ہے۔

ہم نہایت ادب سے گزارش کرتے ہیں اگر امام احمد غیر فقیہ تھے تو پھر ان کی تقلید کیسے واجب ہو گئی اور حنا بلہ کیسے حق پر ٹھہرے؟ کیونکہ ان کے ہاں تقلید صرف مجتہد کی جائز ہے۔

تمام مذاہب والے دوسرے پر عیب لگاتے ہیں۔

صاحب شرح نامی مذاہب اربعہ کا ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے کی معقول وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وکل واحد یجہل الآخر فیما خالفہ یقول انہ مخالف المستتہ ۱۱

حاشیہ ۱: شاید ان کے نزدیک فقیہ وہ ہوتا ہے جو احادیث کی تاویلات میں ماہر ہو اور احادیث رد کرنے میں غلطی نہارت رکھتا ہو لہذا امام احمد غیر فقیہ تھے کیونکہ وہ اپنا اور حنا پھوٹا احادیث نبویہ کو سمجھتے تھے اور مولانا کوثری کے ہاں احادیث پر عمل کرنا محدث کا کام ہے فقیہ کا نہیں۔ (محمد یحییٰ گوندلوی)

مذہب اربعہ والے ایک دوسرے پر جہالت جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اور ہر ایک کو سنت کا مخالف قرار دیتے ہیں۔

یہ ایک ایسے حنفی عالم کی تحقیق ہے جو مرد و جہ علوم میں فائق تھے۔ انہوں نے کتنے دامنغ الفاظ میں فرمادیا کہ چاروں مذہبوں کے پیروکار ایک دوسرے کو منکرین سنت ہونے کا الزام دیتے تھے تو اب یہ فیصلہ حنفی حضرات نے کرنا ہے کہ کیا حق اس کا نام ہے کہ حق کی بھرپور مخالفت کی جائے۔ اور حق والوں کو سنت کا دشمن قرار دیا جائے۔

امام ابو حنیفہ کے قول کا رد

حنفی اصحاب نے جتنا غلو سے کام لیا دوسرے اس کے عشر عشر کو بھی نہ پہنچ سکے۔ اس کی وجہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور پھر جتنا غلو برصغیر کے احناف میں پایا جاتا ہے اس کی نظیر آپ کو کہیں نہیں ملے گی۔ ہاں البتہ احناف کے ایک طبقہ نے مولوی احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں جو رویہ اختیار کیا وہ تمام احناف کے لیے سامانِ حیرت پیدا کرتا ہے۔ بالکل احناف کے ہاں صرف عمل فقہ حنفی پر باقی سب باطل۔ ملاحظہ فرمائیے۔

تلعنۃ ربنا اعداد مل علی من رد قول ابی حنیفہ لہ

اس پر ریت کے ذروں برابر لعنت ہو جو ابو حنیفہ کے قول کو رد کرتا ہے۔ ایک صاحب نے یہ فتوے بھڑکے دیے۔

وجب علی مقلد ابی حنیفہ ان یعمل بہ ولا یجوز لہ العمل بقول غیرہ لہ ابو حنیفہ کے مقلد پر صرف ابو حنیفہ کے قول پر عمل جائز ہے اور کسی کے قول

پر نہیں۔ حنفی مذہب کو ترک کرنا

فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار میں ہے :

من ارتحل الی مذہب الشافعی یعزر

جو حنفیت کو ترک کر کے شافعییت کو قبول کرے گا اس کو منزا اور تعزیر دی

جائے گی۔

ایک نظر آگے جھانکیے تو آپ کو یہ الفاظ دکھائی دیں گے۔

ولا تقبل شهادة من انتقل من مذهب ابی حنیفہ الی مذهب

الشافعی۔

حنفیت سے منہ پھیر کر شافعیت کو قبول کرنے والے کی شہادت قبول نہ ہوگی۔

برادران اسلام! اگر مذاہب اربعہ حق ہیں تو حنفیت کے تارک کو اتنا بڑا مجرم کیوں قرار دیا گیا۔ کیا وہ ایک مذہب حق کو ترک کر کے دوسرے حق مذہب میں داخل نہیں ہوا۔ اگر ایک حق سے نکل کر دوسرے حق میں داخل ہوا تو اسے تعزیر کس بات کی؟ اس کی شہادت کو رد کر کے اس کو فاسق اور فاجر کیوں قرار دیا گیا؟ معلوم ہوا کہ مقلدین کے نزدیک سوائے اپنے امام کے مذہب کے دوسرا مذہب حق نہیں۔

صرف حنبلی مسلمان ہیں:

مذاہب اربعہ میں حق و باطل کا معرکہ تقلید کے ابتدائی زمانہ سے ہی گرم چلا آ رہا ہے۔ ہر ایک نے خود کو حق پر ہونے کا دعویٰ کیا اور مخالفین کو باطل پر ثابت کرنے کی کوشش کی۔ خاتمہ کے بہت بڑے امام ہر وہی فرماتے ہیں۔
من لیس بحنبلی فلیس مسلماً

جو حنبلی نہیں وہ مسلمان ہی نہیں۔

خاتمہ میں کسی شاعر نے اپنا وصیت نامہ ان الفاظ میں رقم کیا ہے۔

انا حنبلی ما حییت وان امت فوصیتی للناس ان یتحبوا

میں زندگی بھر حنبلی رہوں گا میرے مرنے کے بعد لوگوں کو یہ وصیت ہے

کہ وہ حنبلی ہو جائیں۔

کسی شافعی نے یہ سنا تو اس نے اس شعر میں یہ ترمیم کر ڈالی۔

انا شافعی ما حییت وان امت فوصیتی للناس ان یتشفعوا
میں آخر زندگی تک شافعی مسلک پر ہوں۔ میرے مرنے کے بعد لوگوں کو
وصیت ہے کہ وہ شافعی بن جائیں۔

بلکہ یہی الفاظ کسی حنفی نے اس تحریف و ترمیم کے ساتھ کہہ دیئے۔
انا حنفی ما حییت وان امت فوصیتی للناس ان یتشفعوا
کہ میں خود حنفی ہوں، میری موت کے بعد لوگوں کو وصیت ہے کہ وہ بھی حنفی بن جائیں۔

اگر اب بھی چاروں مذاہب دلبے بیک وقت سہی کے حق ہونے کا دعوے کریں تو گمان
غالب یہی ہوگا کہ ان حضرات سے یہ دعوے کسی حالت سکر میں صادر ہوئے ہوں گے۔ ورنہ صحیح
حالت میں یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی ایسے دعوے کا قائل ہو۔ مقلدین اکثر حالت صحو
کی بجائے حالت سکر میں ہی مستغرق رہتے ہیں۔ تبھی ان سے اس قسم کے دعوے گاہے بگاہے
صادر ہوتے رہتے ہیں۔

خدا کرے یہ لوگ کبھی صحیح حالت میں آجائیں اور تقلیدی غار دماغ سے اتر جائے
تو ان پر واضح ہو جائے گا کہ حق چارہ نہیں بلکہ ہمیشہ ایک ہوا کرتا ہے۔ اگر حق کو چارہ حصوں
میں تقسیم کیا جائے تو اس سے اجتماع نفیضین (یعنی دو مخالفت اور متضاد چیزوں کا
ایک جگہ جمع ہونا) لازم آئے گا جو کسی مذہب کے نزدیک بھی جائزہ اور درست نہیں۔
آپ ان اہمات مسائل کو سامنے رکھیے جن میں شافعیوں اور حنفیوں کا اختلاف
ہے تو آپ کو یقیناً ایک کو حق پر کہنا پڑے گا اور دوسرے کو باطل پر۔

امام شافعی فرماتے ہیں سورۃ فاتحہ کی قرأت ہر رکعت میں فرض ہے خواہ وہ نماز
امام کے پیچھے ادا کی جائے یا منفرد حیثیت سے۔ اور جو فاتحہ کا منکر ہے اس کی غائہ نہیں
ہوتی لیکن احناف کے نزدیک مقتدی کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتی ممنون ہے۔
اسی طرح آئمہ ثلاثہ رفع یدین کو سنت قرار دیتے ہیں اور احناف رفع یدین کو منوع
تصور کرتے ہیں۔ آئمہ ثلاثہ ایمان میں کمی اور زیادتی کے قائل ہیں جب کہ احناف کے

نزدیک فاجرا و ربی کا ایمان برابر ہے۔ اور اس قسم کے سینکڑوں مسائل جن میں اختلاف ہی اختلاف ہے۔ اسی لیے آپ کو فریقین میں سے ایک کو حق پر اور دوسرے کو باطل پر ٹھہرانا پڑے گا۔ بالجمہ مقلدین کے پاس کوئی ایسی دلیل موجود نہیں جس سے وہ بیک وقت ہر مسئلہ میں مذاہب اربعہ کو حق پر ثابت کر سکیں۔ یہ تو عین ممکن ہے کہ کسی مسئلہ میں کوئی حق پر ہو اور دوسرا حق پر نہ ہو۔ جیسا امام شافعی کا قاتحہ کو واجب قرار دینا اور دفع یدین کو سقت قرار دینا حق ہے لیکن اخاف ان دو مسئلوں میں حق پر نہیں۔ اسی طرح ہاتھ چھوڑ کر ناز پڑھنے کا انتساب امام مالک کی طرف اگر درست ہو تو وہ حق پر نہیں بلکہ دیگر ائمہ ثلاثہ جو ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں وہ حق پر ہیں۔ لہذا یہ ثابت ہوا کہ مقلدین میں سے ہر ایک فرقہ کچھ حق اور کچھ باطل پہ عمل پیرا ہے۔ لیکن اس سے تو شدید گمراہی کا خطرہ لاحق ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حنفی نصف حق اور نصف باطل پہ عمل کرتے ہیں۔ اسی طرح دیگر مقلدین نصف باطل پر اور نصف حق پر عمل پیرا ہیں۔

۱۔ آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

الغرض مقلدین کا یہ دعوئے کہ چاروں حق پر ہیں۔ نہ عقلاً ثابت ہوتا ہے نہ ہی کوئی شرعی دلیل اس کی تائید کرتی ہے۔ اگر چاروں کو حق پر ماننا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ چاروں کو باطل پر بھی ماننا پڑے گا کیونکہ مذاہب اربعہ کا مسائل میں شدید اختلاف ہے۔

تقلیدی نسبتیں

دنیا کا اصول ہے کہ ہر مذہب کی نسبت صاحب مذہب کی طرف ہوتی ہے۔ مثلاً عیسائی مذہب کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے۔ اس لیے چاہیئے تو یہ تھا کہ مسلمانوں کی نسبت بھی صاحب مذہب کی طرف ہوتی یعنی ہم محمدی ہوتے۔

خدا ان حضرات کو رحم فرمائے۔ انہوں نے اپنی نسبتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توڑ کر امتیوں سے جوڑ لیا۔ احاف نے اپنی نسبت کو امام ابوحنیفہ سے جوڑا۔ حنابلہ نے

امام احمد سے، اسی طرح شوافع اور مالکی وغیرہ ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان چاروں نسبتوں کا قطعاً مکلف نہیں بنایا تھا اور نہ ہی ہمیں حکم دیا تھا کہ تم اپنا انساب ان چارہ اماموں کی طرف کرو اور نہ ہی کسی صحابی یا تابعی سے کوئی ایسا ثبوت ملتا ہے کہ اس نے اپنی نسبت کسی امتی کی طرف کی ہو۔ خیر القرون کا زمانہ بیت گیا۔ اختیار الامت کو ان امتی نسبتوں کا خیال تنگ نہ گزرا کہ ہم نے صاحب الشریعت سے نسبت توڑ کر کسی امتی کی طرف کرنا ہے بلکہ نسبتوں کی دبا تین صدیاں گزر جانے کے بعد پھوٹی۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ان نسبتوں کے متعلق فرماتے ہیں :

اعلموا انه لم يكلف الله تعالى احداً من عباده ان يكون حنفياً او
مالكياً او شافعيّاً او حنبليّاً بل اوجب عليهم الايمان بما بعث به سيدنا
محمد صلى الله عليه وسلم

کم و بیش یہی الفاظ علامہ قاری حنفی نے فرمائے ہیں۔

ما كلف الله احداً ان يكون حنفياً او شافعيّاً او مالكياً او حنبليّاً
الله تعالیٰ نے کسی مسلمان کو حنفی، شافعی اور مالکی، حنبلی ہونے کا مکلف
نہیں بنایا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کو واجب کیا ہے۔
ان دونوں مسلمہ حنفی بزرگوں کے کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ نسبتیں غلط ہیں اور نہ ہی کسی
کو اللہ تعالیٰ نے ان نسبتوں کے اپنانے کا حکم دیا ہے۔

لیکن بعض حضرات کو اصرار ہے کہ حق صرف ان نسبتوں میں ہے اور جو ان چاروں سے
باہر ہے وہ جنت کا مستحق نہیں لیکن یہ دعویٰ اہل کتاب کے دعوے سے مطابقت رکھتا ہے۔
جو یہ کہتے تھے لن یدخل الجنة الا من کان هوداً او نصارى جنت میں جانے کا اہل
کتاب کو حق ہے۔ حالانکہ یہ صرف خیالی باتیں تھیں جن پر کوئی ذیل نہیں تھی۔ اسی لیے تو
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قل ها تو ابرها نكلو ان كنتم صادقين۔ اگر تم اپنے دعوے میں
سچے ہو تو کوئی دلیل پیش کرو۔

اسی طرح جب ہم ان سے ان نسبتوں کے بارے میں کوئی دلیل چاہتے ہیں تو ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔ جواب ہو بھی کیا جب ان سے کہا جاتا ہے تم بتاؤ آئمہ اربعہ کس کے مقلد تھے؟ اور انہوں نے اپنی نسبت کس کی طرف کی تھی؟ تو جواب نہ ہونے کی وجہ سے ان کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں۔ سانس میں تیزی آجاتی ہے۔ پیشانی پسینہ سے شرالو ہو جاتی ہے۔ اور بعض حضرات آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔

برادران اسلام!

یہ تقلیدی نسبتیں صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں بالکل نہ تھیں۔ بلکہ تمام لوگ مسلمان تھے کتاب و سنت پر عمل کرنے میں نجات سمجھتے تھے۔

جب سے نسبتوں کا رواج پڑا ہے اُنے دن نئی سے نئی نسبتوں سے تعارف ہوتا رہتا ہے۔ پہلے تو صرف چار تھیں اب سینکڑوں سے متجاوز ہو چکی ہیں۔ مثلاً قادری، رضوی، نوشاہی، اویسی، حسینی، جیلانی، نظامی، چشتی اور نئے سال کی بالکل نئی نسبت سیالوی۔

اگر نسبتوں کا یہی دور رہا تو کسی دن ہزاروں نسبتوں کی فائلیں تیار ہو جائیں گی۔ بالحدہ اسلام میں اس قسم کی نسبتوں کی کہاں اجازت تھی اور ان کے اپنانے میں کوئی دلیل تھی۔ یہ تو محض تقلید اور تعصب کی وجہ سے معرض وجود میں آئیں جو اسلام کا قطعاً حقہ اور جزو نہیں بن سکتیں۔ تمام مسلمانوں کو ان نسبتوں سے بیزار ہو کر صرف ایک نسبت کو اپنانا چاہیے وہ نسبت خود اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بیان کر دی ہو مساکم المسلمین۔ تم صرف مسلمان بنو اسی میں نجات ہے۔

حاشیہ: بعض احباب کو لفظ اہل حدیث پر اعتراض ہے کہ اگر حنفی ہونا غلط نسبت ہے تو پھر اچھوت ہونا کہاں سے درست ہو گیا۔ اختصاراً عرض ہے کہ حنفی امتی کی طرف نسبت ہے۔ جب کہ اچھوت ہونا خود صاحب حدیث کی نسبت ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن کریم میں لفظ حدیث قرآن اور حدیث دونوں پر بولا گیا ہے لہذا اس کے معنی ہر قرآن اور حدیث پر عمل کرنے والے۔ محمد بھی گوند لوی۔

کیا محدثین اور ائمہ عظام مقلد تھے؟

اسماء الرجال کی اور ائق گردانی سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ محدثین کسی ایک کے مقلد نہ تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ محدث بننے کے لیے بہت سے علوم و فنون سے واقف ہونا ضروری ہے اور اصول فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ عالم کسی کا مقلد نہیں ہوا کرتا لیکن طبقات کی کتب پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام محدثین مقلد تھے۔ طبقات والوں نے کسی بڑے سے بڑے محدث کو تقلید کے جال میں قید کرنے سے گریز نہیں کیا لیکن یہ صرف تعلیم کی صفائی کا نتیجہ ہے کہ ہر ایک مذہب والے نے ائمہ عظام اور محدثین کرام کو اس پھندے میں گرفتار کرنے کی سعی کی۔ اس سے صرف عوام کو خوش کرنا یا تائید مذہب مقصود تھا۔

بعض دفعہ محض نسبت کی بنا پر ائمہ عظام و محدثین کرام کو تقلید کے ذمرے میں شامل کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہوتی ہے، نسبت کا تعلق چند امور سے ہوتا ہے جن سے تقلید کا پہلو قطعاً نہیں پایا جاتا۔

- ۱۔ استاد کی طرف نسبت ہو۔ یعنی کسی محدث کا استاد کسی ایک کی نسبت رکھتا ہو۔
- ۲۔ علاقہ میں کسی مذہب کی کثرت ہو تو اس علاقہ کی وجہ سے نسبت مشہور ہو گئی ہو۔
- ۳۔ کسی کا طریق اتباع کسی ایک امام سے ملتا جلتا ہو۔
- ۴۔ کسی محدث اور امام نے کوئی کتاب لکھی تو اس کا اکثر حصہ کسی امام کے اجتہاد کے موافق ہو گیا ہو۔

- ۵۔ کسی حکومت کے خوف سے نسبت اس طرف کر دی جس کی طرف حکومت کا میلان ہو۔
- ۶۔ یا بعد والوں نے طبقات کی تعداد بڑھانے کے لیے ائمہ و محدثین کو تقلید کی صفت میں شامل کر دیا۔

مذہب کسی صاحب مذہب کے مدرسہ میں تعلیم کا موقع ملا ہو۔ تو اس کو بھی مدرسہ کی نسبت سے کسی ایک کی طرف منسوب کر دیا جائے۔

اس آخری عقدے کی مثال کے لیے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری کو پیش کیا جاسکتا ہے

جو دیوبند کی دیواروں کے سایہ میں فقہی علم حاصل کرتے رہے توجہ دیوبند غیر شائع ہوا
توا انہوں نے مولانا امرتسری کو دیوبند کی صف میں لاکھڑا کیا حالانکہ وہ مسلک اہل حدیث
کے پابند اور اس کے داعی تھے۔

محقر یہ کہ تمام معروف محدثین اور آئمہ عظام کسی ایک کے مقلد نہ تھے بلکہ مستقل مجتہد تھے
مشہور شافعی امام قاضی ابوبکر قتال فرماتے ہیں:

لنا مقلدین للشافعی بل وافق رائنا رایہ۔

وہو

الظاهر من حال الائم ابی جعفر الطحاوی فی اخذہ بمذہب ابی حنیفہ۔

ہم شافعی کے مقلد نہیں بلکہ ہماری رائے شافعی کی رائے سے متفق ہو جاتی
ہے اور یہی حال علامہ طحاوی کا ہے وہ بھی مقلد نہ تھے بلکہ ان کی رائے حضرت
امام کی رائے کے موافق ہو جاتی تھی۔ تفسیرات ارا فی ص ۱۸
بلکہ خاتمہ میں حافظ سلفی نے صاف فرمادیا کہ

الواجب اتباع الدلیل لا اتباع احمد

اتباع صرف دلیل کی ہے امام احمد کی نہیں۔

حافظ سلفی کا مکمل تذکرہ تذکرۃ الحفاظ ج ۴ میں موجود ہے۔

اسی طرح امام ہروی کی نسبت خاتمہ کی طرف محض اتفاقات کی وجہ سے تھی۔ اصل میں
وہ حنبلی نہ تھے بلکہ کتاب و سنت کے پابند تھے۔

اسی طرح محدثین و آئمہ عظام کا بڑا گروہ تقلیدی بند شول سے آزاد تھا۔ جن میں
بعض کی فہرست علامہ ابوالفیض محمد بن علی نے جواہر الاصول فی علم حدیث الرسول اور
امام حاکم نے علوم الحدیث میں مرتب فرمائی ہے۔ وہ یہ ہیں۔

امام عبداللہ بن مبارک - یحییٰ بن سعید قطان - عبدالرحمن بن مہدی۔

یحییٰ بن یحییٰ یحتمی - امام مدینی - ابن معین - اسحاق حنظلی - امام ذہبی۔

امام بخاری - ابو زرعہ - ابو حاتم رازی - امام حربی - امام مسلم بن حجاج -

امام دارمی - امام عبدلی - امام ترمذی - ابوبکر جاردی - ابوعبداللہ مرقی۔

امام نسائی - ابو بکر بن خزیمہ - ابو داؤد - عبد الوہاب عیسیٰ - موسیٰ بن ہارون -

حسن بن علی معمری - محمد بنی - سفیان بن عیینہ -

ہم نے اختصار کے ساتھ ان آئمہ اعلام کے ناموں کا ذکر کیا ہے جو اپنے اپنے دور میں مجتہد تھے اور ان میں اجتہاد کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی۔ ان میں سے بعض کے اقوال آج سابعہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ جو براہ راست کتاب و سنت سے استفادہ کرتے تھے۔ کسی امام کی تقلید سے ان کو کوئی سروکار نہیں تھا۔



باب ششم تقلیدی کرشمے

موجودین حضرات اکثر طور پر تقلید کے مصالح تلاش کرنے میں تسبیح اوقات کرتے رہے ہیں اور قبیح سنت کو عموماً یہ الزام دیتے ہیں کہ تقلید پر عمل نہ کرنے سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں باغیانہ روش کو قوت ملتی ہے۔ ذہنوں میں آوارگی پیدا ہوتی ہے اور خدا جانے کیا کیا مفاسد بیان کرتے ہیں لیکن یہ باتیں محض اپنی ڈھارس بندھانے کیلئے ہیں جن کی حقیقت کچھ نہیں۔

دین میں اس سے بڑھ کر کیا فساد برپا ہو سکتا ہے کہ شارع علیہ السلام کی احادیث کو ترک کر کے کسی ایک اُستی کے قول و فعل کو دین سمجھ لیا جائے اور مسلمانوں میں مخالفت کا بیج بویا جائے۔ مخالفین پر سب دشتم کا دروازہ کھول دیا جائے۔ موضوع احادیث کے انبار لگا دیئے جائیں۔ اگر ہو سکے تو آیات و احادیث میں تحریف جیسے گھناؤنے فعل کو بھی کام میں لایا جائے۔ اس قسم کے اگنت مفاسد ہیں جو تقلید کی وجہ سے تقلیدین کے درشہ میں چلے آ رہے ہیں۔ ہم ان مفاسد میں بعض کا ذکر کریں گے۔

۱۔ تعصب

یہ بات شک سے بالا ہے کہ تقلید کی ابتداء تعصب سے ہوئی۔ کتاب و سنت کو تختہ مشق بنانے کی جرات کی گئی کیونکہ وہ بڑے تعصب کی پلیٹ میں جو بھی آتے ہیں ان میں حقیقت سے اغماض اور حقائق سے حیثم پوشی گھر کر جاتی ہے۔ مقلدین میں جب تعصب اور حقیقت سے اغماض نے جگہ پکڑی تو تقلید کے علمبرداروں کو یہ بات کہنا پڑی کہ امام کے قول کے خلاف کتاب و سنت کے ظاہر پر عمل کرنا جائز نہیں۔ مولانا محمود دیوبندی فرماتے ہیں:

جو کوئی مقلد محض کسی امام کی آئمہ اربعہ میں سے تقلید کرے گا تو وہ نسبت

امام کے اس امر کا ضرور معتقد ہوگا کہ جس مسئلہ میں بظاہر ہم کو یہ شبہ گزرتا ہے کہ امام مذکور نے کسی حدیث کے خلاف کیا ہے وہ حقیقت میں خلاف حدیث نہیں بلکہ ضرورہ بالضرورہ کوئی امر متروک العلل پیش آیا ہوگا جس کو ہر عامی نہیں سمجھ سکتا تو اب اس مقلد کا قول امام پر عمل کرنا اور حدیث پر عمل نہ کرنا امام مذکور کی تحقیق پر مبنی ہوگا کیونکہ امام نے اس حدیث کو اپنی تحقیق کی وجہ سے ترک کیا تھا اور مقلد مذکور نے بوجہ حسن ظن نہ

شیخ الہند نے کھلے بندوں اعتراف کیا ہے کہ مقلد کو ہر حالت میں اپنے امام کے قول پر عمل کرنا پڑتا ہے خواہ کتاب و سنت کا دامن ہاتھ سے چھوٹ ہی جائے۔

۔ حنہ اور پیغمبر سے رخ موڑ کر

ہیں خوش تیرے دہرہ ہی سر جوڑ کر

مقلدین کے حق میں تعصب کا اعتراف کرتے ہوئے شیخ الہند فرماتے ہیں :
مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہو جاتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے تو قلب میں انشراح و انبساط نہیں رہتا بلکہ اول استنکار (انکار) قلب میں پیدا ہوتا ہے۔ پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی بعید ہو اور کتنی دلیل قوی اس کے معارض (مقابلہ میں) ہو۔ بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں سوائے قیاس کے کچھ بھی نہ ہو۔ بلکہ خود (تاویل کرنے والے) کے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو۔ مگر (مقلدین) انصرت مذہب کیلئے تاویل ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ دل نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صریح پر عمل کریں۔

مقلدین کی اس صورت کی نشاندہی اگرچہ مولانا نے حنفی طرز عمل کو سامنے رکھ کر بیان فرمائی ہے لیکن یہ وباصرف اخلاف میں نہیں بلکہ اس کا دائرہ قدرے وسیع ہے۔ اسی مرض اور دبا کا اعتراف علامہ ابوشامہ نے المختصر میں شافعیہ کے بارے میں کئی دفعہ تاسف بھرے قلم سے فرمایا ہے

مقلدین تعلیق کی پرستش میں اس درجہ غالی اور مستغرق ہیں کہ اپنے ائمہ کے اقوال کو اصل قرآن سمجھ بیٹھے ہیں جیسا کہ کتاب کا اپنے علماء کے متعلق ردیہ تھا ایسا ہی ان کا ہے وہ احکام رسول سے تو انکار کرتے ہیں اور اپنے امام کے مسائل کو صحیح مانتے ہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں :

ان میں عمل بالفقہ کا اس قدر رواج ہوا کہ قرآن و حدیث کے درس و تدریس کا مشغلہ ان کے نزدیک ایک غیر ضروری امر ہو کر متروک ہو گیا اور انہیں کے بجائے فتاویٰ فقہ اور اقوال علماء واجب العمل اور مقبول ہو گئے۔ حتیٰ وصال کی جگہ سہو یا باتوں نے لے لی۔ اور ایسے خیالات اپنا لیے گئے جو سراسر گمراہی کا موجب ہیں۔

تیسری جگہ فرماتے ہیں :

ائمہ مجتہدین کے اقوال اور فتاویٰ قرآن و حدیث کی طرح بطور مستقل دلیل ہو کر مسلم ہونے لگے۔ تعلیق کی جڑیں مضبوط ہو گئیں۔ حالانکہ نبی کے علاوہ خواہ کوئی کتاب یا عالم ہی کیوں نہ ہو اس کی بات میں بے دلیل سر تسلیم خم کرنا شریعت محمدیہ میں حرام اور شرک ہے۔ خدا معلوم ان لوگوں کے نبی معصوم کے صریح اور صاف ارشادات اور تشریحات صحابہ کو چھوڑ کر اپنے فقہا اماموں مجتہدوں کے بے دلیل فتوؤں پر غور و فکر میں اپنی عمروں کیوں ضائع کر دیں !

انہیں خیالات سے ملنے جلتے الفاظ میں حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ نے مقلدین پر یوں اظہار خیال کیا ہے :

جس زمانے میں ان چاروں مذاہب اور متعصب مقلدین کا ظہور ہوا اس دور سے ہر شخص اپنے امام کی ایسی پیروی کرنے لگا کہ گویا وہ نبی مرسل ہے۔ اگرچہ اس کا مذہب شرعی دلیلوں سے کیسا ہی دور ہو۔ ایسا پیر و کار حتیٰ وصال

سے بالکل دور ہو جاتا ہے۔ اب جو زمانہ آتا گیا اس میں فتنہ اور تقلید کی زیادتی ہوتی گئی اور لوگوں کے دلوں سے دم بدم تدین دھڑ بڑا گیا حتیٰ کہ امور دین میں ان لوگوں نے غور و خوض ترک کر کے صرف تقلید پر اطمینان اور بھروسہ کر لیا۔ وہ کہتے ہیں ہم نے بڑوں کو ایسے عمل کرتے پایا لہذا میری شکایت صرف اللہ تعالیٰ سے ہے۔

۲۔ مخالفین سے عناد

جیسے مقلدین نے کتاب سنت سے عمل کرتے میں انتہائی تعصب کا مظاہرہ کیا اسی طرح انہوں نے مخالفین سے بھی سخت رویہ اختیار کیا اور ان پر ہر قسم کے الزام و اتہام لگائے بعض دفعہ جب مخالفت نے شدت اختیار کی تو معاملہ حرب و ضرب اور الزامات سے بڑھ کر قتل و غارت تک پہنچ گیا جس کی ایک جھلک آپ پہلے دیکھ آئے ہیں۔ اب چند اور واقعات بھی ملاحظہ فرماتے جائیے۔

امام ہروی بلند پایہ محدث تھے اور جنہلی مسلک کے پیرو تھے لیکن جب کوئی صحیح حدیث مل جاتی تو فوراً اس پر عمل بجالاتے۔ ان کی یہ روش مخالفین کو نہیں بھائی تھی اسی وجہ سے آپ کے قتل کے منصوبے بنائے گئے۔ امام ذہبی نے آپ کے حالات میں ان منصوبوں کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ ابو لفر کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں۔

امام ہروی یگانہ رود گار تھے۔ ہر قسم کے فضائل اور محاسن آپ میں جمع تھے آپ سخت کی نفرت میں ذہد بھر چلک سے کام نہیں لیتے تھے۔ کسی بادشاہ یا امیر کا خوف آپ کو جادہ حق سے منحرف نہیں کر سکتا تھا یہی وجہ ہے کہ حامدین ہر وقت آپ کے درپے آزار دہتے تھے۔ انہوں نے کئی دفعہ آپ کی جان لینے کی کوشش کی اور مختلف طریقوں سے آپ کو ہلاک کرنا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر بار آپ کو ان کے شر سے محفوظ رکھا۔

امام ہر وہی حامدین کی تفصیل اپنی زبانی بیان فرماتے ہیں۔

مجھے بغرض قتل پانچ مرتبہ تلوار کے سامنے پیش کیا گیا مجھے یہ نہیں کہا جاتا تھا کہ اپنا مذہب چھوڑ دو بلکہ یہ کہا جاتا تھا کہ مخالفین (اہل الرائے) کے بارے میں خاموش رہو۔ مگر میں ہر بار ان کے مطالبے کو مسترد کر دیتا تھا اور کہتا کہ اظہار حق سے خاموش نہیں رہ سکتا۔

امام ابن تیمیہ سے سلوک :

امام ابن تیمیہ تقلید کے سخت مخالف تھے۔ اسی بنا پر آپ کو طرح طرح کی ایذاؤں دی جاتی تھیں اور آپ پر طرح طرح کے فتوے چپا لکے جاتے۔ مناظرہ بحثیں چل نکلتیں۔ لیکن آپ حق و صداقت کے دامن کو کبھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیتے۔ آپ کے خلاف شکاک حکومت وقت تک بھی جاتی جس سے آپ کو عدالت میں طلب کیا جاتا۔ آپ نہایت نشان و شوکت سے عدالت میں حاضر ہوتے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ قاضی نے آپ کو اظہار خیال کا موقع دیا۔ آپ نے حمد و ثناء سے تقریر شروع کی۔ قاضی نے کہا ہم نے آپ کو خطبہ پڑھنے کے لیے نہیں بلایا۔ آپ نے طیش میں آکر کہا تم میرے مخالف ہو۔ میں تمہارا حکم ماننے کے لیے تیار نہیں نتیجہ یہ کہ قاضی نے آپ کو جیل بھیج دیا جہاں سے آپ چند روز بعد عید کی رات کو برج جب میں منتقل کر دیئے گئے۔ آپ کے دونوں بھائی شرف الدین عبداللہ اور زین الدین عبدالرحمان بھی آپ کے ساتھ تھے۔ قاضی مالکی نے ساتھ ہی کہا کہ جو آدمی ابن تیمیہ کے عقائد کو قبول کرے گا۔ اسے موت اور ضبط جابڈاؤ کی سزا دی جائیگی۔ اس حکم کی ایک نقل نائب دمشق کو بھیجی جیسی شیخ شمس الدین محمد بن شہاب الدین عینی (۷۷۷ھ) نے جامع مسجد دمشق میں پڑھ کر سنایا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ حکم سننے ہی مرزا سے ڈر کر بہت سے حبابہ نے شوافع ہونے کا اعلان کر دیا۔

حافظ الحدیث مقدسی کو تکالیف

علامہ مقدسی اپنے دور کے یگانہ روزگار محدث و مجتہد تھے۔ عامل بالحدیث ہونے کی وجہ

سے فقہا ان پر ہمہ وقت نالاں رہتے۔ ایک دفعہ قرآن و حدیث میں صفاتِ الہی کا مسئلہ چل نکلا تو آپ فرمانے لگے۔ فقہا اس میں تاویل کرتے ہیں۔ اس پر فقہا آپ کے پیچھے پڑ گئے اور ان کا قتل مباح (جائز) قرار دے دیا۔ بادشاہ بھی قتل پر آمادہ ہو گیا لیکن کچھ امراء نے سنی و سفارش سے ان کی جان بچرائی۔ آخر آپ کو شہر بدر لے دیا گیا اور باقی عمر روپوش رہا۔ علامہ قاضی نصیر الدین سے سلوک :

ہندوستان میں موصوف گیارہویں صدی کے اہل حدیث عالم تھے۔ آپ حدیث کو قیاس مجتہد پر ترجیح دیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابل میں قولِ امام کو ہرگز نہ مانتے تھے۔ وہ صاف لفظوں میں کہا کرتے تھے۔ اگر ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہو اور دوسری طرف ابو حنیفہ کا قول ہو تو ترجیح بہر حال فرمانِ رسول کو حاصل ہوگی ابو حنیفہ کے قول کو رد کر دیا جائے گا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ مولانا علم اللہ (جو آپ کے سرسخت) سے کسی بات میں بحث ہو گئی۔ مولانا علم اللہ نے امام صاحب کا قول پیش کیا تو قاضی صاحب نے انکار کرتے ہوئے فرمایا : ہو رجل وانا دجل (یہ کوئی بخت نہیں) ہمارے لیے حجت حدیثِ رسول ہے قولِ امام نہیں۔ کیونکہ امام کے قول میں خطا کا امکان موجود ہے۔ بس یہ بات کرنا تھی کہ آپ کے سرسرخ علم اللہ طیش میں آ گئے اور تلوار کو سونت کر آپ کے پیچھے بھاگ اٹھے آپ نے بھی دوڑ کر جان بچالی۔ شیخ نے آپ پر فتوے کفر لگا دیا (واہ سبحان اللہ) حدیث پر عمل کرنا مقلدین کے نزدیک کفر ہے) اور حکم دیا کہ قاضی صاحب کو جلا دیا جائے۔ (حدیث پر عمل کرنے والوں کو سنتِ ابراہیمی ادا کرنا پڑتی ہے) اور ساتھ ہی علماء کا فتوے طلب کیا۔ تمام علماء نے اس فتوے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ البتہ علامہ شیخ عیسیٰ بن قاسم اور شیخ محمد بن فضل اللہ برہان پوری نے اس فتویٰ کی تصویب اور تصدیق نہ کی تھے۔

قاضی ترک وطن کر کے مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور ان لوگوں کے شر سے جو حدیثِ رسول

کی بجائے امام کے قول و فعل کو دین سمجھتے تھے، نجات حاصل کر لی۔ اسی طرح شیخ ابو بکر فہری کو صرف رفع الیدین کرنے کی بنا پر قتل کرنے کی دھمکیاں دی گئیں تو وہ فرمانے لگے من این لی ان اقتل علی سنتیؑ۔ مجھ سے زیادہ خوش نصیب کون ہو گا جسے سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے قتل کیا جائے۔

۲۔ اہلحدیث سے دشمنی میں انتہا

مرد زمانہ کے ساتھ معاندین کا رویہ اہل حدیث کے متعلق سخت ہوتا چلا گیا۔ متقدمین میں عمل بالحدیث کا جذبہ تھا۔ جس کی وجہ سے ان میں جمود اور تعصب نہیں پایا جاتا تھا۔ البتہ جب سے تقلید نے جمود کی صورت اختیار کر لی ہے تو جابدین میں پچک بھی جامد ہو کر رہ گئی حتیٰ کہ وہ وقت بھی آیا جب انہیں حضرات نے امام ابن حنبلہ کی کتب کو جلاسنے کا سرکاری حکم جاری کر دیا۔ امام ابن تیمیہ اور ابن قیم جیسے بزرگ علماء کو جیل کی کال کوٹھڑیوں میں پابند سلاسل کر دیا۔ جب تقلیدی جمود نے اور ترقی کی توابل حدیث کو ایسے الفاظ سے لعن طعن کیا جن کے سننے کی سکت اور برداشت کرنے کا تحمل کسی میں نہ تھا۔ ان گالیوں کی جھلک آپ بھی ملاحظہ فرمائیے اور مقلدین کی باطنی خیانت کا اندازہ لگائیے۔

مولوی محمد حسن سنہلی اہلحدیث کے متعلق تبراً بازی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خرجت علیہ من الزاویۃ المنفرجة طائفة باغیۃ کسبۃ تنوجیۃ
بحسۃ فرعونیۃ. مشجۃ آکلۃ من کساب البضاع سائھا عمدۃ
ضوابط البدع وضائھا عترۃ الوقیۃ فی اسمہ الامۃ۔

اس عبارت کا اختصار سے مفہوم یہ ہے کہ اہل حدیث اپنی عورتوں کی کمانی کھانے والے اور گوز مارنے والے، آمنہ کے گستاخ ہیں۔ جب جوش تقلید بڑھا ہے تو یہ الفاظ نوک قلم پر لاتے ہیں، خلفاء ہذا الملۃ اربعۃ ابن تیمیہ وابن قیم والشوکانی۔ فیقولون ثلاثۃ

والعصم کلبہم اذا انضم الیہ ابن خزمہ وادود النظارہی
 بان صاروا ستۃ وینتولون خمسۃ سادسہم کلبہم
 رجما بالغیب وختارہ المکلبین مثله کمثل الکلب ان یحتمل علیہ
 یلہث او تترکہ یلہث لہ

ملت اہل حدیث کے خلفا چار ہیں۔ ابن تیمیہ، ابن قیم اور شوکانی (ان تینوں
 بزرگوں نے تقلید کی دھجیاں بکھیری تھیں) متقلدین ان کو کہتے ہیں۔ یہ تین ہیں
 اور چوتھا کتاب ہے۔ اور اگر ان کے ساتھ داؤد ظاہری اور امام ابن خزمہ ل جائیں
 (ان دونوں نے سنت کی مدافعت کی اور باطل کا رد کیا) تو چھ ہو جاتے
 ہیں۔ بمصدق اس کے پانچ میں چھٹا ان کا کتاب ہے۔ اہل حدیث کے سردار کی
 مثال کہتے کی ہے۔ اگر اس پر کچھ وزن ڈالا جائے تب بھی ہانپتا ہے۔ اگر ان
 کو چھوڑ دو تب بھی ہانپتا ہے۔

عذ زبان بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجئے دہن بگڑا۔

اسی طرح تقلیدی نشے میں مدہوش مولوی مرتضیٰ حسن اہل حدیث کو شیطان کی صنعت میں
 کھڑا کر کے ان پر کفر کا فتوے چپا کر رہا ہے۔

اس سے بڑھ کر اہل حدیث کے متعلق ان کی ہرزہ سرائی دیکھنی ہو تو مولوی احمد رضا
 خاں بریلوی کی کتب احکام شریعت، فتاویٰ افریقہ، رضویہ اور ملفوظات سے شاہد
 کیا جاسکتا ہے۔ خاں صاحب بریلوی کے الفاظ اگر بغیر نقل کیے جائیں تو معاملہ دوزخ
 پہنچ سکتا ہے۔ ہم قارئین کرام کو خاں صاحب کے رویہ کے متعلق ان کتابوں کے مطالعہ
 کی دعوت دیتے ہیں۔

۴۔ تحریف دین کے اسباب :

دین میں تبدیلی کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں لیکن ان میں اہم اسباب یہ ہیں کہ دین میں

بدعات جاری ہو جائیں۔ اصل الاصول کو ترک کر کے امتیوں کے اقوال کو اصل قرار دے دیا جائے۔ تورات میں تحریف کے یہ دو ہی سبب بڑے اہم ہیں۔ ان کا معاملہ بھی اس وقت تک درست رہا۔ جب تک وہ تورات پر عمل کرتے رہے لیکن جب انہوں نے تورات کو چھوڑ کر اپنے علماء و رؤسا کی بے سند باتوں کو دین بنالیا تو تحریف واقع ہو گئی۔ حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں:

لعیزل امریخی اسرائیل معتد لاحتی نشأضیعہم المولدون وابناء سبایا الامم
تقالوا بالوامی افضلوا وامنوا لہ

بنی اسرائیل کا معاملہ درست رہا حتیٰ کہ ان میں قیدی عہدوں کی اولادیں پیدا ہو گئیں۔ انہوں نے قیاس پر عمل کیا وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

امت محمدیہ میں بھی یہی اسباب تحریف دین میں کار فرما رہے لیکن بنی اسرائیل اور امت محمدیہ میں بڑا فرق یہ ہے کہ اس امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی جو آراء الرجال سے منہ موڑ کر سائنات اعلیہ و اصحابی کے طریقہ پر گامزن رہے گی جن کے متعلق رسالت مآب کے یہ پاکیزہ الفاظ کتب حدیث میں موجود ہیں۔

لا تزال طائفة من امتی ظاہرین علی الحق لایضرم من خالفہم حتی
یاتی امر اللہ

کہ ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی اور مخالفت کی مخالفت انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی حتیٰ کہ قیامت آجائے گی۔

یہاں آپ نے اس مقدس جماعت کی پیش گوئی فرمائی تھی وہاں آپ نے عسقرین اور ہمتیین کی نشاندہی بھی کر دی تھی۔

لتبتعن سنن من کان قبلکم شبوا بشیروا و ذموا عابذراع حتی لو دخلوا

بحر صیب تبعتموہم قبل یوسول اللہ الیہود و النصارى قال منن

کہ تم ضرور یہود و نصاریٰ کے طریق کار پر چلو گے تم میں اور ان میں فرق بھر فرق نہیں رہے گا۔

اس حدیث میں آپ نے واضح کر دیا کہ جن حالات سے یہود و نصاریٰ دوچار ہوئے تھے کہ انہوں نے تورات و انجیل کو ترک کر کے اپنے علمبرکے ذاتی فتوؤں کو دین بنالیا اسی طرح تم بھی ایسا ہی کرو گے۔

سابقہ اوراق میں آپ تقلید کی حقیقت، اس کی ابتداء کے متعلق پڑھ چکے ہیں۔ اسلام کا معاملہ بھی ایسے راجح تک اس میں اصحاب الراے والقیاس پیدا نہ ہوئے، تقلید کا پس نام و نشان نہیں تھا اور نہ ہی تحریر یعنی مسائل پیدا ہوئے تھے لیکن جب سے تقلید نے جنم لیا تحریریت اور تبدیلی بھی واقع ہو گئی۔ تقلید کی وجہ سے احادیث وضع کی گئیں۔ آیات کی غلط تائید کی گئیں، ہمارے ملک کے بعض علماء نے قرآن میں بھی تحریف کرتے سے گریز نہ کیا۔ لہ حکیم الامت امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے تحریف دین کے اسباب میں تقلید کو بھی ایک مربوط سبب قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں :

تحریف دین کے اسباب یہ ہیں :

۱۔ تہاوں یعنی روایت کو قبول نہ کرنا۔ بادشاہوں کی رضامندی کے لیے خلاف شرع مسائل کا تراشا۔ منکرات کے رواج پر علماء کا خاموش تماشائی بنے رہنا۔

۲۔ تشدد، ایسا طریقہ اختیار کرنا جو شارع علیہ السلام سے ثابت نہ ہو اور غیر واجب مسائل کو واجبیت کا درجہ دے کر عمل کرنا۔

۳۔ تعین: بے جا تعین اور غلط تحقیق سے کام لینا۔ مسائل کو تشبیہات اور ظن و تخمین سے وضع کرنا۔

۴۔ استحسان: یعنی بعض اسرار شریعت کو مصلحتوں کی بنا پر عقل سے شریعت بنالیا۔

۵۔ اجماع: یہاں سے وہ اجماع مراد نہیں جو قابلِ حجت ہے بلکہ ایسا اجماع جو کتاب و سنت کے خلاف ہو اور چند علماء اپنی طرف سے اجماع کا فتویٰ صادر کر دیں۔ (جیسا کہ تقلید پر اجماع کا دعویٰ ہے۔)

۴۔ غیر معصوم کی تقلید: کوئی عالم کسی مسئلہ میں اجتہاد کرے تو ان کے مقلد یہ خیال کریں کہ یہ بالکل صحیح یا کچھ زیادہ ہی صحیح ہے۔ جس کی وجہ سے صحیح احادیث کا رد ہو جائے۔ اس سے یہ بات خارج ہے کہ جس میں یہ خیال ہو کہ مجتہد سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ جب مجتہد کے قول کے خلاف حدیث مل جائے گی تو اسے چھوڑ دوں گا اور حدیث کی پیروی کر دوں گا۔

تحریر دین اصل تقلید کی وجہ سے ہوئی۔ قرآن و حدیث میں لفظی اور معنوی تحریف کی گئی اور مجاہد کی نحوست نے اس اُمت پر قبضہ جمایا۔ کتاب و سنت تبرکاً باقی رہ گئے اور علماء مفقود۔

شاہ صاحب نے جن وجوہ کا ذکر فرمایا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ مقلدین قول امام کو ترک نہیں کر سکتے بل البتہ احادیث صحیحہ صریحہ کا علماً انکار کر دیتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر پچودھویں صدی کے خانہ ساز مجدد دین حضرت احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور مرزا غلام احمد قادیانی نے کفر کی توپوں کا دھانہ اہل حدیث کی طرف کھول دیا اور ایسے منغلات استعمال کیے کہ الامان والحفظ۔

وہ کہن سی تحریر ہے جو ان بزرگوں کے ہاتھوں پر دان نہیں چڑھی اور وہ کونسی گھڑی ہے جب کہ انہوں نے مسلک اہل حدیث کو لعن طعن نہیں کیا۔ پھر تقلید سے تحریر کی سرگزشت یہ بھی ملاحظہ ہو کہ اکبر جیسے ملحد حکمران نے ان وقت علماء سے گٹھ جوڑ کر کے ینازہ بھجوا دی کیا۔ مدعا یہ تھا کہ اگر شریعت میں کسی اُمت کی تقلید جائز ہو سکتی ہے تو کیا نیازیلی دین نہیں بنایا جاسکتا۔ تقلید کا ہی نتیجہ تھا کہ غلام احمد نے نبوت کا اعلان کر دیا اور اسی تقلید اور تعصب کی سیاہ کاریاں تھیں کہ اعلیٰ حضرت بریلوی نے کرات کے رنگ میں اپنی کتابوں میں وہ مولد سمو دیا جو قیامت تک اسلام کے شقائق آئینہ کو داغ دار کرتا رہے گا۔ اہل حق پر سب شتم کا مشاہدہ کرنا ہو تو خالص صاحب کی کتابیں کافی ہیں۔ بدعات کا زور و شور سننا ہو تو خالص صاحب کی کتب موجود ہیں۔ عقائد اسلام کی دھجیاں

بکھیرتی ہوں تو یہ کتابیں آپ کا پورا پورا ساتھ دیں گی۔ الغرض اگر ہم اس بحث کو طویل دیں تو اس کے لیے دفا تر درکار ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تحریف دین کے ضمن میں جو اصول بیان فرمائے ہیں اگر ان کی حقیقت معلوم کرنی ہو تو اسلامی تاریخ پر نظر ڈالیے۔ انشاء اللہ آپ کو سچائی عیاں نظر آئے گی۔

۵۔ حدیث سے گلو خلاصی

ظاہری طور پر تو احادیث کو قابل اعتبار اور واجب العمل ہی سمجھا گیا اور اپنی کتابوں اور تقریروں میں زور و شور سے احادیث نبویہ کی حمایت کی گئی لیکن جب عمل زندگی کا موقع آیا تو انکار کے لیے تاویلات کی گئیں۔ بخاری مسلم کی احادیث جن کے صحیح ہونے میں اَوَّل اور آخر تمام کا حقیقی اجماع ہو چکا ہے۔ تیس کی بھول بھلیوں کا شکا نہ ہو کر رہ گئیں اور ایسے اصول وضع کیے گئے جن سے بہت سی احادیث بلکہ ہر اس حدیث کو جو بھی تقلیدی مذہب کے خلاف نظر آئی رد کر دی گئی۔

۶۔ اصول فقہ

اصول فقہ کے مجدد باریب حضرت امام شافعی ہیں لیکن ان کے اصول اور بعد والوں کے اصولوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ شافعی نے اصول کتاب و سنت کی تفہیم کے لیے وضع کیے تھے جب کہ بعد والوں نے اپنے اصول محض تقلیدی مذہب کی حمایت اور احادیث کے رد کے لیے وضع کیے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اصول فقہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ احادیث نے ۹ اصول ایسے وضع کیے جن سے بمقصد احادیث کا رد ہوتا تھا۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ کتاب اللہ پر زیادتی منسوخ ہے۔ اس اصول کے ضمن میں آیت یا مشہور حدیث نص نہیں بن سکتی۔

۲۔ مرسل کو قابل عمل سمجھنا۔

۳۔ زیادہ مندول والی حدیث قابل قبول نہیں۔ قبولیت کا تعلق راوی کے فقیہ ہونے کے ساتھ ہے۔

۴۔ جرح مفسر قابل قبول ہوگی یعنی جرح وہ قابل قبول ہوگی جس میں وضاحت ہو کر فلا راوی میں یہ عیب پایا جاتا ہے۔ اکثر طور پر جرح غیر واضح ہوتی ہے۔

۵۔ ابن الہمام کا قول ہے کہ بخاری و مسلم کی احادیث میں نظر ہے۔ یعنی ان احادیث کو قبول کر لینا ضروری نہیں۔

۶۔ جب حدیث اور امام کا قول آپس میں مخالف ہوں تو امام کے فتویٰ پر عمل ہوگا۔

۷۔ لائے کے دروازے کو بند ہونے سے بچانے کے لیے غیر فقیہ صحابی کی روایت کو ترک کر کے فقیہ صحابی کی روایت پر عمل کرنا۔

۸۔ عام کو خاص نہیں کیا جاسکتا۔ یعنی ایک حدیث عام کا حکم رکھتی ہے تو دوسری حدیث میں کسی امر کو خاص کر دیا جاتا ہے۔ تو بعد والی قابل قبول نہ ہوگی۔ حالانکہ ایسی بے شمار احادیث ہیں جن میں کوئی حکم عام ہے اور دوسری میں خاص۔

۹۔ خاص مبین ہو یعنی اس کے بیان کی ضرورت ہی نہ ہو۔

ان اصولوں سے بڑھ کر ایک وہ اصول جو کرنی حنفی نے وضع کیا ہے کہ

کل آیت و حدیث یخالف ما علیہ احتجنا فهو مؤل او منسوخ لہ

ہر وہ آیت یا حدیث جو ہمارے مذہب کے خلاف ہو اس کی تاویل کی جائے

گی یا اسے منسوخ سمجھا جائے گا۔

۱۰۔ حدیث پر عمل کرنا گمراہی ہے ؛

اسی طرح دورِ حاضر کے مولانا تقی عثمانی عامی کے لیے حدیث کے رد کا اصول ان الفاظ سے بیان کرتے ہیں۔

عامی ایسا نہیں ہوتا جو دلائل کو پرکھ سکے۔ ایسے شخص کو اگر اتفاقاً کوئی

حدیث ایسی نظر آجائے جو بظاہر اس کے امام مجتہد کے مسلک کے خلاف

معلوم ہوتی ہو تب بھی اس کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے امام و مجتہد کے مسلک پر عمل کرے اور حدیث کے بارے میں یہ اعتقاد رکھے کہ اس کا صحیح مطلب میں نہیں سمجھ سکا یا یہ کہ امام مجتہد کے پاس اس کے معارض (خلافت) کوئی قوی دلیل ہوگی۔

چند سطور کے بعد لکھتے ہیں :

اگر ایسے مقلد کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ وہ کوئی حدیث اپنے امام کے مسلک کے خلاف یا اگر امام کے مسلک کو چھوڑ سکتا ہے تو اس کا نتیجہ شدید افراتفری اور سنگین گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

مولانا نے جو بیان کیا دل کے راز کو طشت از بام کیا اور جست باطن کو آشکار کیا۔ مقلدین کو حدیث کی حیثیت آج تک یہی معلوم ہو سکی ہے کہ حدیث پر عمل کرنا گمراہی ہے اور اس سے افراتفری پھیلتی ہے۔ اس افراتفری کی نوعیت نہ تو اللہ تعالیٰ نے بیان کی اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ سکے۔ قرآن نے جس رسول کی اطاعت کو ذریعہ نجات اور نفع و انجاء سے تعبیر کیا۔ ان حضرات نے اس کو افراتفری پر محمول کیا۔ صحابہ کبار کا جب نزاع ہوتا تو وہ جس نسخے کو استعمال کر کے ایک ہو جاتے۔ ان حضرات کی نظر میں وہ نسخہ افراتفری و اختلاف کا سبب بنا۔ جس بات کا اعلان ائمہ عظام نے کیا وہ اعلان ان کو غلط اور لغو معلوم ہوا اور پھر یہ نمکتہ مولانا تقی کی کانشیں عقل میں پس کا کہ احادیث پر عمل کرنے سے تو گمراہی لازم آتی ہے لیکن کسی امتی کے قول و فعل کو دین بنانا راہ نجات کی دلیل ہے جس کا ثبوت قرآن و حدیث سے کیس نہیں۔

عوام کا کیا تعلق کہ وہ کتاب و سنت پر عمل کریں۔ کتاب و سنت پر عمل کرنا تو صرف مجتہدین کا کام ہے۔ اگر یہی بات اہل قرآن و حکماء الہی یا پرویزی اکیس تو ان پر جھٹ لفر کا فتوے لیکن اگر کوئی اور صاحب ان سے بھی دو قدم آگے چلے جائیں تو وہ طالبہ مشورہ کا لیڈر اور جنت کے ٹکٹوں کا ٹھیکیدار۔

عوام کو تو انہوں نے بطور مثال پیش کیا ہے درہ حقیقت یہ ہے کہ بڑے بڑے جہول، قباؤل، دستاروں والے بھی بہت سی صحیح احادیث سے منہ بسورے ہوئے ہیں۔ امام کی بات جس کے حق اور درست ہونے کی ان کے پاس سوائے ظن اور قیاس کے کوئی دلیل نہیں، بسرو حتم قبول کر لیتے ہیں لیکن احادیث صحیحہ جن کی صحت پر آدھین دور کے مسانؤل کا اجماع بھی ہو چکا ہے اس کو قبول کرنے اور عمل کرنے سے گمراہی نظر آتی ہے۔ ان کو حدیث پر عمل کرنے سے گمراہی کیوں نظر نہ آئے جب کہ ان کے اکثر اصول معتزلہ کے مرہون منت ہیں اور معتزلہ سب سے پہلے لوگ ہیں جنہوں نے قیاس اور عقل کو قرآن و حدیث پر ترجیح دی تھی اور جو آیت یا حدیث بھی ان کے خود ساختہ عقائد کے مخالف نظر آئی اس کی تاویل کر ڈالی یا پھر انکار ہی کر دیا۔

یہی معتزلہ والارنگ اصول فقہ میں سمو دیا گیا اور احادیث کے خلاف معتزلہ کی خوفناک سازش غیر شعوری طور پر ان حضرات میں بھی اثر کر گئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ان اصولوں پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔
 بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مبسوط سرخسی ہدایہ وغیرہ میں جو جملہ مناقشات اور مباحثات پائے جاتے ہیں۔ حنفی مذاہب کی اصل بنیادیں ہیں۔ حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ یہ سب اصول معتزلہ کی اختراع اور ایجاد ہیں کہ
 اسی طرح شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اصول حنفی کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وکنذیک الحنفی یغلط بمذہب ابی حنیفہ شیخاً من اصول المعتزلہ
 والکرامیۃ والکلابیۃ ویضعفہ الی مذہبہ وهذا من جنس الرافضیۃ
 حنفی امام صاحب کے مذہب کو معتزلہ، کرامیہ اور کلابیہ کے اصولوں کے ساتھ
 گڈٹڈ اور خلط ملط کر دیتے ہیں۔ اور یہ کام شیخہ اور رافضیوں کی جنس سے ہے
 اصول فقہ اور حنفی فقہاء کے متعلق مولانا عبدالحی کھنوی کی تحقیق :

فکم من حنفی حنفی فی العزوع معتزلی عقیدۃ کالزبحشری وغیرہ کو لکھتے

القنیه والحادی والمحبیبی شرح مختصر القدوری بحکم الدین زاہدی
و کعب الجبار و ابی ہاشم الجبائی وغیرہم

و کم من حنفی حنفی فرعاً مرجئی او زیدی اصلاً وبالجملة فالحنفیه لہانزو
باعتبار اختلاف العقیدۃ فمنہم الشیعۃ ومنہم المعتزلہ ومنہم المرجئیۃ
پس کہتے حنفی فقہاء اور علماء و فروغ میں حنفی ہیں اور اعتقاد دی طور پر معتزلی جیسا
کہ علامہ زنجیزی اور قدوری کا شارح، نجم الدین زاہدی اور ایسے ہی عبد الجبار
اور ابو ہاشم جبائی وغیرہ مسلک حنفی تھے اور اعتقاداً معتزلہ تھے۔ اور ای
طرح بہت سے علماء و فروغ میں حنفی تھے عقیدہ میں شدید، معتزلہ اور مرجئیہ

مذکورہ بالا تصریحات اور تشریحات سے واضح ہو گیا کہ اصول فقہ حنفیہ اصل میں بہت سے
مذہب کے اصولوں کا مجموعہ مرکب ہے۔ اسی بنا پر تو احادیث کا زیادہ رد انہیں اصولوں
کی وجہ سے ہوا ہے کیونکہ اکثر اصول ساز معتزلہ اور دیگر مذاہب باطلہ سے تعلق رکھتے تھے
قیاس کی وجہ سے احادیث کا رد

جب اصول ان حضرات کے وضع کیے ہوئے ہیں جو احادیث کو چنداں اہمیت نہیں دیتے
تھے بلکہ وہ نقل کی بجائے عقل کے دلدادہ تھے تو اس کا نتیجہ بھی ویسا ہی نکلتا تھا۔ چنانچہ
ایسا ہی ہوا۔ ایسی صحیح احادیث کا تقلید کی بنیاد پر رد کیا گیا جن کی صحت کا مقلدین بھی انکار
نہیں کر سکتے اور ان کو ان صحیح احادیث کے رد کرنے میں صرف تقلید کی بوسیدہ بیاباھیول
کا سہارا لینا پڑا۔ اس سلسلہ میں ہم ان احادیث کا ذکر کرتے ہیں جو صحت کے درجہ کمال کو
پہنچی ہوئی ہیں لیکن چونکہ وہ ان کے ائمہ کے اقوال کے خلاف ہیں اس لیے وہ قابل عمل نہیں ہیں۔
مشہور حنفی اصول دان علامہ حسام الدین فرماتے ہیں۔

ان کان الرادی معروفاً بالعدالة والحفظ والقبض دون الفقه مثل

ابی حریزۃ والنس بن مالک فان وافق حدیثہ القیاس عمل بہ وان

خالفہ لعینک للضرورة والنس اباب الوای وزلفک مثل حدیث

ابی ہریرہ فی المصراۃ ۱

اگر راوی (صحابی) عادل ہو، حافظ اور ضابط ہو لیکن وہ فقیہ نہ ہو۔ اگر اس کی حدیث قیاس کے موافق ہو تو اسے قبول کر لیا جائے گا ورنہ چھوڑ دیا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انسؓ میں تاکہ رائے کا دروازہ بند نہ ہو۔ اس کے قریب قریب الفاظ صاحب اصول الشاشی نے فرمائے ہیں۔ لیکن ان میں یہ زیادتی ہے فان وافق الخبر القیاس فلا یخطئ فی لزوم العمل به وان خالفه کان العمل بالقیاس ادلی ۲

اگر حدیث قیاس کے موافق ہو تو عمل ضروری ہوگا۔ اگر قیاس کے مخالف ہو تو حدیث کو چھوڑ کر قیاس پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔

اس عبارت میں جس حدیث کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے صحیح ہونے میں کسی کو آج تک شک نہیں گزرا لیکن اگر شک ہو رہا ہے تو ان حضرات کو جو قیاس ہی کو بنیاد سمجھتے ہیں خدا معلوم انہوں نے فقیہہ اور غیر فقیہہ کی خلیج کو اتنا وسیع کیوں کر دیا کہ وہ ختم ہونے کو آتی ہی نہیں جو حدیث ان کے مسلک کے خلاف ہو تو وہ غیر فقیہہ صحابی کی ہو گئی خواہ اس اصول میں صحابی کی عظمت و عصمت کا کچھ پاس باقی نہ رہے۔ اس اصول میں دو بزرگ صحابہ کرام کو غیر فقیہہ کے القاب سے نوازا گیا۔ آخر انہیں غیر فقیہہ کیوں بنایا گیا وہ اس لیے کہ یہ دونوں صحابی مکشرفین سے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات کی تعداد کو کوئی دوسرا صحابی نہیں پہنچ سکا پھر ان کی اکثر روایات متنی نہ سب کے خلاف ہیں۔

ان حضرات کے اصولوں میں تناقض ملاحظہ فرمائیے۔ اگر حضرت ابو ہریرہؓ کا کوئی ضیف السند فتوے ان کے موافق پڑتا ہو تو اس وقت حضرت ابو ہریرہؓ غیر فقیہہ نہیں بلکہ اچھے فقیہ تھے ہو جاتے ہیں۔

اگر کسی برتن میں کتا منہ ڈال جائے تو صحیح حدیث کی دوسے اسے سات مرتبہ دھونا چاہیئے اور حدیث ایسی صحیح جس کی صحت کا ان کو بھی انکار نہیں لیکن اس حدیث کا رد حضرت

ابو ہریرہؓ کے اس ضعیف السند اور بے ثبوت فتوے کی وجہ سے کہ دیا گیا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا ذاتی فتوے یہ ہے کہ اس برتن کو تین مرتبہ دھونا چاہیئے تو یہ حضرات فوراً کہہ دیتے ہیں۔
 بخسن بہ الظن و مثله لا یخالفت الحدیث ہم ابو ہریرہؓ پر حسن ظن رکھتے ہیں کیونکہ ابو ہریرہؓ جیسا صحابی حدیث کی مخالفت نہیں کر سکتا۔

۔ دورنگی چھوڑ کر ایک رنگ ہو جا

سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

حافظ عنایت اللہ اثری مرحوم غیر فقیہہ کے اصول پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں،
 حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق اسلام کے مختلف گمراہ فرقوں نے ہر نہ سرائی کی
 ہے کہ وہ ایک غیر فقیہہ شخص تھے۔

اصول حنفیہ کی معتبر کتاب مرآۃ الوصول مع شرح مرقاۃ الاصول میں حالات رواۃ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔

فقہاء صحابہ کی روایات قیاس کے موافق ہوں یا مخالف سب قبول مگر یاں
 ابو ہریرہؓ کی روایات مخالف قیاس ہرگز قبول نہیں کی جائیں گی کیونکہ وہ غیر
 فقیہہ تھے۔

پھر اس بیہودگی پر فخر کہ اس میں ابو ہریرہؓ کی کچھ تنقیص نہیں بلکہ ایک باریک نکتہ ہے کہ حدیث
 کو اس ترکیب سے ترک کرنا چاہیئے۔ متدرک حاکم کے نقلی نسخہ میں ابو ہریرہؓ کے تذکرے
 پر امام حاکم نے تحریر فرمایا ہے۔

معتزلہ، مغلطہ، قدریہ، غوارج اور حنفی فقہاء علم و عقل سے نا بلند فہم و فطرت
 سے گورے دل کے اندھے ابو ہریرہؓ حافظ حدیث کو غیر فقیہہ قرار دے کر اپنے
 مذاہب باطلہ و خیالات فاسدہ کی حمایت و نصرت میں ان کی روایات کردہ
 مرفوع حدیثوں کو رد کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ابو ہریرہؓ بہت بڑے فقیہہ اور
 حافظ حدیث تھے۔ اکابر صحابہ کو آپ کے تلمذ کا شرف حاصل تھا۔ عبداللہ
 بن عباس، ابن عمر، عبداللہ بن زبیر، عائشہ، جابر بن عبداللہ، انس بن مالک،

ابو موسیٰ، ابی بن کعب، زید بن ثابت، مسعود بن خنصر، عتبہ بن حارث،
 ابویوب انصاری، ابو رافع، الامامہ، ابو الفضل ابوزین، ابو حداد،
 ابولبرہ شداد بن حاد، عبداللہ بن ابی حداد، دائر بن اسقع، قبیصہ بن ذریب،
 شریک بن سوید، سائب بن یزید، عمرو بن قن، عبداللہ بن حکم، حجاج بن اوطا،
 وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اعمین حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد تھے (آپ سے
 روایت بیان کرنے والے تھے) تعجب ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ حافظ حدیث
 ہی نہیں بلکہ حافظ اسلام تھے۔ ۵۶۷۶ حدیثوں کا راوی تو غیر فقیہ اور
 بیس حدیثوں سے بھی کم روایت کرنے والے کو بہت بڑا فقیہ سمجھا جائے۔
 مرزا قادیانی نے بھی تو یہی حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق بے ہودہ گوئی کی ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ
 کو غبی (بے وقوف) کہا ہے ۱۰

اعلیٰ حضرت بریلوی حدیث کے قبول نہ کرنے کے اصول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
 ۱۔ کبھی مجتہد حدیث پر غیر متواتر ہونے کی وجہ سے عمل نہیں کرتا وہ اس لیے کہ کتاب اللہ
 منسوخ ہو جائے۔

۲۔ یا احادیث احاد سے کتاب اللہ پر زیادتی لازم نہ آئے۔

۳۔ دو صحیح احادیث آپس میں مخالف ہوں۔

۴۔ علماء کا عمل اس حدیث کے خلاف ہو۔

۵۔ حکم علت ختم ہو جائے۔

۶۔ حدیث پر عمل کرنے سے دین میں حرج واقع ہوتا ہو۔ ۱۱

ان اصول رستہ کو وضع کرنے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اگر کسی مجتہد نے کسی حدیث پر عمل
 نہیں کیا تو اس پر کوئی ایسا الزام یا حرج نہ آجائے کہ امام نے فلاں حدیث پر عمل نہیں کیا
 اور مجتہد کے قول کو ثابت کرنے میں کسی قسم کی الجھن باقی نہ رہے۔

اس سے قبل آپ غیر فقیہ اور فقیہ کی بحث ملاحظہ کر چکے ہیں ان لوگوں کو قیاس سے

کتنا پیار ہے کہ اس کو کسی حالت میں بھی ترک کرنا گوارا نہیں کرتے خواہ اکابر صحابہ کرام کی کتنی ہی توہین کیوں نہ ہو جائے۔

مقلدین کی نظر میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، ابوہریرہ، انس بن مالک، سمرون، جنذب، عبداللہ بن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین تمام کے تمام غیر فقیہ ہیں ان سے اگر پوچھا جائے کہ اگر یہ صحابہ غیر فقیہ ہیں تو فقیہ صحابہ کون سے ہوں گے؟
 ہ ہ ہ علم ملت بیضا کے جہاں میں
 معدوم انہوں نے کیے باطل کے شر سے

۹۔ تقلید کی وجہ سے حدیث کا رد

مقلدین نے سنت سے منہ موڑ کر اقوال آئمہ پر ایسا تمسک کیا کہ اتحدوا احبارہم و رہبائہم کا مکمل نقشہ سامنے آگیا اور وہ حدیث بھی حروف بحرف پوری اترتی دکھائی دی کہ جس میں آپ نے امت محمدیہ کو اہل کتاب کے ساتھ شانہ بشانہ چلنے کی پیش گوئی فرمائی تھی۔ محدث الاحناف شارح مشکوٰۃ تا علی قاری حدیث پر تقلید کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ولا اشکال فی ظاہر الحدیث علی مقتضی مذهب الشافعی فانہ معمول
 علی حالۃ القصر وقد صلی بالطائفة الثانیة فضلاً و علی قواعده مذهبنا
 مشکل جداً لہ

حدیث اپنے معنی میں بالکل واضح اور ظاہر ہے اور شافعی مذہب کی صریح روایت
 یعنی حیثیت میں صاف دلیل ہے لیکن اس حدیث پر ہمارے مذہب کے مطابق
 عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ لہذا ہم اس حدیث کو ظاہری حالت میں کسی قبول نہیں
 کر سکتے۔

امام الاحناف تقلید کی وجہ سے صحیح حدیث کا رد ان الفاظ سے کرتے ہیں۔

نعم نفس المؤمن تمیل الی قول المخالف فی مسئلة السب لکن اتباعنا
 للمذہب واجب لہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کو قتل کر دیا جائے، یہ صحیح حدیث ہے اور اسی پر جمہور اور اہل حدیث کا عمل و فتویٰ ہے لیکن حنفی مذہب کے مطابق اس کو قتل نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ذی ہے تو اس کے عہد میں بھی فرق نہیں پڑے گا۔ اسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے شیخ ابن الہمام نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ

مومن کا نفس مخالف کے قول کو قبول کرنا ہے لیکن ہم اس کو اس لیے نہیں مانتے کہ حنفی مذہب کے خلاف ہے اور ہم پر حنفی مذہب کی اتباع لازم ہے بانی مذہب دیوبندی شیخ الاحناف مولانا محمود الحسن المعروف شیخ الہند حنفیت کے خلاف ایک صحیح حدیث کی تاویل سے عاجز آکر آخر تقلیدی حربے کو استعمال کرتے ہیں۔

نالحاصل ان مسئلۃ الخیار من مہیات المسائل وخالف ابو حنیفہ۔
فیہ الجہود وکثیر من الناس المتقدمین المتأخرین، یصفوا مسائل
فی ترویذ مذہبہ ورجح مولانا شاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی فی
رسائلہ مذہب الشافعی من جہۃ الحدیث والنصوص وكذلك قال
شیخنا یترجح مذہبہ وقال الحق والافاض ان الترجیح للشافعی فی
ہذہ المسئلۃ ونحن مقلدون یمجب علینا تقلید امامنا ابی حنیفہ لہ
بیع خیاریہ مشکل ترین مسئلہ ہے امام ابو حنیفہ نے اس مسئلہ میں جمہور کی مخالفت
کی ہے۔ بہت سے منتقدین اور متاخرین نے اس مسئلہ میں رسلے بھی تحریر
کئے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے بھی جمہور اور شافعی مسلک کو ترجیح دی ہے حق
اور انصاف کی سہی بات ہے کہ احادیث اور دلائل قطعہ امام شافعی کے
مذہب کی تائید میں مضبوط اور پختہ ہیں لیکن ہم اس مسئلہ کو اس لیے قبول نہیں
کرتے کہ ہم ابو حنیفہ کے مقلد ہیں اور ہم پر تقلید واجب ہے۔

برصغیر میں ایسے حنفیوں کی قلت نہیں جو حضرت امام کے قول و فعل کو خروٹ آخر تسلیم کرتے
ہیں اور احادیث کا کمال جرات اور بے باکی سے رد کرتے ہیں۔ اور ان کی کیفیت اس

شعر سے چند اہل مختلف نہیں۔

۱۔ پھر زمین پھر آسمان ہوا پھر جاے
پھر کے تھڑے نہ ہم ہم سے گویا پھر جاے

تقلید کی وجہ سے ایک دو احادیث کا انکار نہیں ہوا بلکہ انکار حدیث کے مختلف اور مستقل
دروازے کھول دیئے گئے اور جی بھر کر احادیث رسول کا مذاق اڑایا گیا۔ ہم ذیل میں اختصاراً
کے ساتھ چند احادیث کی فہرست قارئین کی خدمت کرتے ہیں جن کا صرف تقلید اور قیاس کی
وجہ سے انکار کیا گیا۔

بیع عرایا۔ نئی بیوی کی باری کی تقسیم۔ کنوارے زانی کو جلا وطن کرنا۔ حج میں شرط
لگانا۔ جرابوں پر مسح کا جائز ہونا۔ بھول کر نماز میں کلام کرنا۔ نقطہ کی تبشیر۔ مصرا
کا اختیار۔ مرض الموت میں غلام آزاد کرتے وقت قرعہ اندازی کرنا۔ خیال مجلس
بھول کر روزہ دار کھاپی لے تو روزہ پورا کرنا۔ نمازی صبح کی نماز پڑھ رہا ہو تو
سورج طلوع ہو جائے اور اس نے ایک رکعت پڑھ لی ہو تو نماز پوری کرنا۔ میت
کی طرف سے روزہ رکھنا۔ مایوس مریض کی طرف سے حج بدل کرنا۔ قیاد سے
حکم ثابت کرنا۔ ترکھو روں کی خشک کھجوروں سے بیج کی مانفت۔ بیع المدبر
— ایک گواہ اور قسم سے فیصلہ کرنا۔ زانیہ لونڈی کا حکم۔ طلاق کے وقت پختہ
کرماں باپ کے درمیان اختیار دیتا۔ ربح دینار میں چور کے ہاتھ کاٹنے۔
— اہل کتاب اگر زنا کر لیں تو ان کو بھی رجم کیا جائے۔ سو تیلی ماں سے نکل کر
دلے کی گردن کو اڑا دیا جائے اور اس کا مال ضبط کر لیا جائے۔ مومن کو کافر کے بدلے
قتل نہیں کیا جائے گا۔ — علامہ کہنے والے پر لعنت۔ بغیر ولی کے نکاح باطل
ہے۔ طلاق بانٹنے کی صورت میں نہ مکان اور نہ خرچہ ہے۔ لونڈی کو آزاد کر کے
اس سے نکاح کر لینا اور اس کی آزادی کو ہر مقرر کرنا۔ لوہے کی انگوٹھی کا ہر میں جائز
ہونا۔ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ پانچ وقت سے کم میں نفلہ نہیں۔ مزارعت
اور مساقات۔ اگر مادہ کے پیٹھ میں پچھ ہو تو مادہ کو ذبح کرنے سے پچھ بھی ذبح کے

حکم میں ہوگا — رہن والی چیز سے فائدہ حاصل کرنا — شراب کا سرکہ بنانا ناجائز ہے —
 — جنگ میں ایک شخص کے پاس گھوڑا ہے تو مال غنیمت میں اس کو تین حصے میں گے۔
 مدینہ حرم ہے — قربانی کے جانور کو شکار کرنا جائز ہے — محرم جب تہمند
 نہ پائے تو شلوار پہن لے — ایک باپ کے چند بیٹے ہیں تو وہ ان میں سے کسی ایک
 بیٹے کو جائیداد میں دو سروں سے زیادہ حصہ نہیں دے سکتا کیونکہ یہ ظلم ہے اور نہ ہی اس
 زیادتی پر گواہی دینا جائز ہے — بیٹے کا مال باپ کے لیے ہے — اونٹ کا گوشت
 کھانے سے وضو ضروری ہے — پگڑی پر مسح جائز ہے — جماعت ہو رہی ہے
 ایک آدمی صف میں ایسا کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے تو وہ نماز کو لوٹا لے — امام خلیفہ دے
 رہا ہے تو اس دوران میں آنے والا دو رکعت پڑھے — غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے۔
 — آمین بلند آواز سے کہنا — باپ بیٹے کو تحفہ دیتا ہے تو اسے اختیار ہے کہ وہ
 واپس لے لے — شیر خوار بچے کے پیشاب کو دھونا ضروری نہیں بلکہ چھینٹ دینا کافی
 ہے — قبر پر نماز جنازہ جائز ہے — جلودا سباع سے منع کرنے والی حدیث
 — پڑوسی کو دیواریں شہیر رکھنے دیا جائے — شرائط نکاح کو پورا کرنا —
 کسی کے نکاح میں دو حقیقی بہنیں ہیں بعد میں وہ مسلمان ہو جاتا ہے تو اسے اختیار ہے کہ
 دونوں میں سے جس کو چاہے طلاق دے دے — سواری پر وتر پڑھنا جائز ہے
 — کچی والے درندے حرام ہیں — سینے پر ہاتھ باندھنا — ایک اور پانچ
 وتر پڑھنا جائز ہے — رکوع جاتے اور سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنا —
 — استفتاح کا حکم — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں دوسکتے کرتے
 تھے — رکوع اور سجود کو مکمل اور درست کیے بغیر نماز نہیں ہوتی — نماز کی حالت
 میں پیچھے کو اٹھانا جائز ہے — جب آپ صفر پر جاتے تو یومیوں کے درمیان قرعہ
 ڈالتے — عقیقہ سنت ہے — اگر کوئی شخص کسی کے مکان میں بغیر اجازت کے
 جھانکے تو مکان والا کوئی چیز پھینک کر زخمی کر دے تو اس پر قصاص نہیں — اگر
 کسی نے کسی دوسرے شخص کا ہاتھ منہ میں کاٹنے کے لیے ڈالا تو دوسرے شخص نے ہاتھ

ہاتھ کھینچا اور کاٹنے والے کے دانت باہر آگئے تو اس پر کوئی دیت نہیں — تہجد کے لیے اذان جائز ہے — جمعہ کے دن کو روزے کے لیے خاص کرنا منع ہے — نماز استسقاء جائز ہے — مادہ پرسانہ چھوڑنے کی کمائی ناجائز ہے — اگر کوئی شخص احرام کی حالت میں فوت ہو جائے تو اس کا سر نہ ڈھانپنا چاہیے۔

مذکورہ بالا تمام احادیث کا تقلید اور قیاس کی وجہ سے انکار کیا گیا ہے۔ ہم بطور نمونہ چند احادیث ذکر کی ہیں اگر مزید معلوم کرنی ہوں تو اعلام المؤمنین کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ انشاء اللہ بہت سی احادیث آپ کو ملیں گی جو صحت کے اعتبار سے متفق علیہ ہیں لیکن ان کا انکار محض تقلید کی وجہ سے کیا گیا ہے حالانکہ ان میں کوئی ایسی علت موجود نہ تھی کہ ان کو رد کیا جاتا۔ اگر ان احادیث کا انکار ہوتا ہے تو وہ محض اس لیے کہ مقلدین کے نزدیک حدیث پر عمل کرنا انتشار اور گمراہی کا باعث ہے۔ یہ لوگ صراطِ مستقیم کو تو چھوڑ کر خود ایسی سن مانی میں مبتلا ہوئے کہ جس حدیث کا چاہا انکار کر دیا اور جس حدیث کو چاہا قبول کر لیا۔ قرآن کے ظاہر پر عمل کرنا کفر ہے

تقلید کو جب سے عروج حاصل ہوا ہے مقلدین نے نئے نئے انداز میں دھینگیں مارتے دکھائی دیتے ہیں کتاب و سنت کی ان کے نزدیک چندال اہمیت نہیں، کبھی انکار حدیث کے لیے اصول و منع کیے جاتے ہیں کبھی اس سے تمسخرانہ رویہ روا رکھا جا رہا ہے، اب نئے صاب آئے ہیں تو فرمادیا کہ کتاب و سنت کے ظاہری الفاظ پر عمل کرنا کفر ہے۔

مفسر قرآن علامہ صادی ماکلی جو شش تقلید میں اگر فرماتے ہیں:

ولا يجوز تقليد ماعدا المذاهب الاربعية ولو وافق الصحابة والحديث

العظيم والائمة بالخارج عن المذاهب الاربعية منال مفضل وربما اذاه

ذلك للكفر لان الاخذ بنحو اهل الكتاب والسنة من اصول المكونة

مذاهب اربعة کے علاوہ کسی اور کی تقلید جائز نہیں اگرچہ وہ آثار صحابہ، احادیث

یا قرآن کے موافق ہی ہو۔ مذاہب اربعہ سے نکلنے والا گمراہ ہے بلکہ بیا

اوقات کفر تک پہنچ جاتا ہے وہ اس لیے کہ کتاب و سنت کے ظاہر پر عمل کرنا اصول کفر میں سے ہے۔

حقیقت میں تقلید نے ان کو ایسی راہ پر چلایا کہ ان کو قرآن اور حدیث کے ظاہری الفاظ کے معنی اور مفہوم پر عمل کرنا کفر نظر آیا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم عوام و خواص کے لیے اُتر آیا ہے جس کے ظاہری مفہوم کو ہر کوئی پانے سکتا ہے لیکن شاید ان کو کہاں سے معلوم ہوا کہ ظاہری الفاظ ذریعہ ہدایت نہیں بلکہ گمراہی اور کفر کا ذریعہ ہیں۔ قرآن کریم میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ تم ظاہری الفاظ کو چھوڑ کر باطن مفہوم کے پیچھے پڑ جاؤ اور یہی حالت احادیث و رسول کی ہے۔

صحابہ کرام نے آپ کو جس طرح مل کرتے دیکھا اسی طریق پر عمل کر لیا۔ باطنیت کی طرف کبھی ان کا دھیان تک نہ گیا کہ آپ نے وضو ایسے کیا ، لہذا ہم کو اس کے باطنی راز معلوم کرنے چاہئیں اور اس طریق سے ہٹ کر باطنی اور پوشیدہ طریق کو اپنانا چاہیئے۔

باطنیت کا مفہوم ان کے ہاں شاید وہ ہو جس کا نعرہ بھنگی ، جام نوش بلند کرتے ہیں اور ایسی ہزلیات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ جو کوئی صاحب شعور سمجھنا گوارا نہیں کرتا۔ چنانچہ قرآن کے ظاہری الفاظ سے منہ موڑنے کا ہی یہ نتیجہ نکلا ہے کہ نماز کے ارکان یعنی رکوع اور سجدے سے ان کا کوئی تعلق نہیں رہا بلکہ نماز ان کے ہاں دل کا تصور ہے جسے نمازی دل میں پیدا کرتا ہے۔ پس دل میں نماز کا تصور پیدا ہونے ہی نماز خود بخود پڑھی گئی۔ قیام رکوع۔ سجدہ اور تشہد کوئی ضروری نہ رہے۔ کھاتے پیتے نیست کا روزہ درست ہے۔

تقلید نے ذہنوں کو آوارگی سے کیا بچانا تھا خود ذہنی انتشار پیدا کر دیا۔ قوم کے ذہنوں سے کتاب و سنت کا تقدس اٹھ گیا اور لوگ بد عمل ہو گئے اور ان بے عمل لوگوں کی حوصلہ افزائی یوں کر دی کہ قرآن و حدیث کے ظاہر پر عمل نہ کرنا کیونکہ اس سے کفر لازم آتا ہے اِنَّا لَنَدُّوْا اِلَيْهِ لِمَعۡرُوۡنَ ۝

شاید کوئی ہمارے ملک کا علامہ اس مفروضہ کو توڑنے کی کوشش کرے اور کہے کہ ہم نے کوئی ایسی بات نہیں کہی۔ علامہ صاوی مالکی تھے حنفی نہ تھے ہم نے اس قول کو تقلید

کے حوالے سے تحریر کیا ہے۔ کیونکہ تعصب اور تقلید کے معاملہ میں تمام مقلدین علاقائی نہیں تو
اخیانی بھائی ضرور ہیں۔

پھر ہمارے ملک کے مشہور عالم مولوی احمد یار گجراتی نے اس عبارت کو بنفس نفیس
المحدث حضرات پر اتمام حجت کے لیے اپنی شاہکار کتاب جاء الحق میں درج کیا ہے۔
اور اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ ہمارے (اخلاف کے) ہاں بھی معاملہ ایسے ہی ہے
کہ کتاب اللہ اور سنت رسول کے ظاہر پر عمل کرنا کفر ہے۔

اُمت تقلید یا کم از کم بریلویت کے ہاں قرآن و حدیث کے ظاہر پر عمل کرنے سے
کفر لازم آتا ہو گا کیونکہ ان کے عقائد بھی تو ظاہری قرآن کے خلاف ہی ہیں لیکن ہم تو سمجھتے
ہیں کہ قرآن کے ظاہری الفاظ و مفہوم کو بدلتا یا سنت رسول کا اسی حیثیت سے جو ہمارے
سامنے ہے، انکار کرنا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منشاء اور مقصد
کے منافی ہے۔

محدث البند علامہ طاہر فرماتے ہیں۔

النفوس علی ظواہرها والعدول الی معان باطن الحادۃ

(نفوس کتاب و سنت کے دلائل) کے ظاہری مفہوم سے انحراف کرنا کفر
ہے۔

لیکن ان حضرات سے ہمیں کہاں امید ہو سکتی ہے کہ یہ نفوس کے ظاہری مفہوم پر عمل کریں
گے کیونکہ آٹھ دن بدعات کے جوازیں بے سند اور موضوع روایات کو جن کا رسول عربی
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا، درج کرنے میں نہ صرف فخر محسوس کرتے
ہیں بلکہ عالم ہونے کی دلیل ٹھہراتے ہیں۔

۱۱۔ اہل کتاب والا دعویٰ

اب مقلدین کے اس دعویٰ کو لیجئے کہ مذاہب اربعہ سے نکلنے والا دائرہ اسلام سے خارج
ہے۔ یہ ایسا دعویٰ ہے جو اہل کتاب سے حرف بحرف ملنا جلتا ہے وہ بھی کہا کرتے تھے

جنت کے وارث صرف اہل کتاب ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہ تھی اسی لیے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ہاتواہرہانکعدان کنتم ضلّٰہ قین۔ تم نے یہ دعویٰ تو کر دیا کہ جنت کے وارث ہم ہی ہیں اس پر کوئی دلیل تو پیش کرو۔ اگر تم میں سچائی ہے۔ لیکن دلیل کہاں سے پیش کرتے دعوے ہی غلط بنیاد پر تھا۔ اسی طرح جب مقلدین سے مذاہب اربعہ کی تخصیص میں کوئی دلیل طلب کی جاتی ہے کہ تم ایک ہی دلیل بناؤ کہ جس میں یہ موجود ہو کہ جنت کے وارث حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلیہ ہیں۔ جو ان چاروں مذہبوں کو قبول نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں تو اس وقت ان کی حالت قابل دیدہ ہوتی ہے کیونکہ اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

یہ دعوے عقل کے اعتبار سے بھی محال اور ناممکن ہے کیونکہ جو لوگ مذاہب اربعہ کو قبول نہیں کرتے بلکہ کتاب و سنت کو اپنے لیے ہدایت اور ذریعہ نجات سمجھتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔ کیا وہ جنت کے وارث یا حقدار ہوں گے یا وہ جو کتاب و سنت کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے۔

چوتھی صدی ہجری تک جب کہ مذاہب اربعہ کا رواج نہیں ہوا تھا۔ لوگ مسلمان تھے یا نہیں؟ اور کیا وہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے جنت کے مستحق ہوں گے یا نہیں؟ اگر وہ تعلیمی بندشوں سے آزاد رہ کر ایمان والے تھے تو آج کے وہ مسلمان جو تقلید کے بندھن کو اپنے لیے ضروری نہیں سمجھتے بلکہ کتاب و سنت پر عمل کرنے کو اپنے اوپر فرض سمجھتے ہیں یقیناً ایمان دار اور مومن ہوں گے۔

۱۲۔ چھوٹے میاں سبحان اللہ !!!

آپ نے اوپر والا کثرہ تو دیکھ لیا اب اس سے بھی عجیب کثرہ ملاحظہ فرمائیے، موجودہ صدی کے حنفی بریلوی مجدد مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اپنی کتب کا کتاب و سنت سے مقابلہ اور موازنہ فرمایا ہے۔ ان کو ہدایت قرآن و حدیث کی بجائے اپنی کتابوں میں نظر آئی، چنانچہ اسی کے تحت وہ اپنے معتقدین کو اپنی کتابوں پر عمل کرنے کی تاکید کے ساتھ وصیت فرما رہے ہیں :

حتی الامکان اتباع سنت نہ چھوڑو اور میرا دین و مذہب جو میری کتب سے

نظارہ ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرس سے اہم فرض ہے لہ
اگر ایسا جملہ کسی مخالف فریق کے قلم سے نکلا ہوتا یا اس کا اشارہ بھی ملتا تو اس پر آج سے
قبل کفر کے فتوے چنپاں کر دیئے جاتے لیکن چونکہ یہ اعلیٰ حضرت کے نزدیک قلم پر آیا ہے جو
خود تو مقلد ہیں لیکن دوسروں کے لیے مجدد اور پھر تجدید بھی باکمال یعنی سنت سے دشمنی اور
بدعت کا پرچار۔ اس لیے بیان لب پہ خاموشی ہے۔

ایسی آزاد خیالی مقلدین کے حصے میں آئی ہے کہ وہ کتاب و سنت کے مقابلے میں
امام کے قول کو تو قبول کرتے ہی تھے لیکن اگر جی میں آئے تو اماموں کو بھی پیچھے چھوڑ کر خود
آگے بڑھ جاتے ہیں۔

وہ کتابیں ہیں کیا جن کو کتاب و سنت کے مقابلے میں تفوق دینے کی کوشش کی گئی
ہے تو یہ ایک طویل بحث ہے ہاں اتنی گزارش ضرور ہے کہ ان کتابوں میں زنا حلال (منظور)
مبتعین کتاب و سنت اور علماء حق پر سب و شتم کی بارش (فتاویٰ رضویہ) شیطانی و محاکم
(احکام شریعت اور ملفوظات) سنت کے رد کے اصول (الفضل الموصی) توحید باری
تعالیٰ سے مذاق (احکام شریعت و ائیمان الارواح) اور ایسے بیسیوں نظریات جو
لفظ و حشو ہونے میں بے نظیر ہیں۔

شیعییت سے مماثلت:

اصول حنفیہ اور اصول تشیع میں بعض دفعہ تائید باہم مل جاتی ہیں جیسے حنفی اپنے امام کے
قول کو احادیث کے قبول کا معیار قرار دیتے ہیں اسی طرح شیعہ بھی اپنے آئمہ کی معصومیت
کو ہی رد و قبول کا معیار گردانتے ہیں۔

حنفی اصول:

۱۔ کل ایتہ او حدیث یخالف ما علیہ اصحابنا فهو مؤول او منوخ
جو آیت یا حدیث ہمارے آئمہ کے مسلک کے خلاف ہوگی اس کی یا تو ہم تاویل

کریں گے یا وہ منوخ بھی جائے گی۔

۲۔ جب حدیث اور امام کا فتوے معارض ہو تو امام کے فتوے پر عمل ہوگا۔

۳۔ جب حدیث امام کے قول کے مخالف ہو تو امام کے فتوے کو چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔
تذکرۃ المرشید

شیعہ اصول :

۱۔ ان الشیعتہ الامامیہ یذکرون ان اقوال ائمتہم سنۃ متبعۃ و

یذکرون ان السنۃ لا تروی الا عن امامی ولا تقبل احادیث السنی
الا بقتیور معینۃ ۱

شیعہ اپنے ائمہ کے اقوال کو ہی سنت قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احادیث
وہی قابل قبول ہوں گی جنہیں ہمارے ائمہ نے روایت کیا ہو۔

۲۔ ولا یومنون بالعلم ولا بالحديث الا اذا روي عن هؤلاء الاثمة ۲

احادیث وہی قابل قبول ہوں گی جو شیعہ ائمہ کے طریق سے روایت کی جائیں

۳۔ وان یرفضوا ما روي عن غیرہو ۳

اور شیعہ ائمہ کے علاوہ تمام کی روایت کردہ احادیث کو چھوڑ دیں۔

حنفی شیعہ مشترک قدریں

حنفی : امام کے خلاف جو آیت یا حدیث ہوگی، قابل عمل نہ ہوگی۔

شیعی : اقوال ائمہ ہی اصل میں سنت ہیں۔

حنفی : حدیث اور قول امام میں اختلاف ہو تو عمل امام کے فتوے پر ہوگا۔

شیعی : ہر حالت میں اس حدیث پر عمل ہوگا جس کو شیعہ امام روایت کریں۔

حنفی : امام کے فتوے کے مقابلہ میں حدیث پر عمل کرنے کو دل نہیں مانتا۔

شیعی : ائمہ شیعہ کے علاوہ تمام کی احادیث کو چھوڑ دیا جائے گا۔

۴۔ قادیانی امت سے مماثلت :

جیسا کہ بعض شیعہ اور حنفی اصولوں میں مماثلت ہے۔ اسی طرح بعض قادیانی اور حنفی اصول

بھی باہم متشابہ ہیں۔

حنفی اصول :

- ۱۔ ہمارے لیے متقدمین علماء کا علم کافی ہے۔
- ۲۔ اگر مذہب کے خلاف کوئی دلیل آجائے تو مقلد کو اس حدیث پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔
- ۳۔ امام سے کوئی حدیث مخفی نہیں اور نہ ہی امام نے کسی حدیث کی مخالفت کی ہے بلکہ کسی اور دلیل کی بنا پر اس پر عمل نہیں کیا۔
- ۴۔ اگر کوئی شخص امام کے قول کی حقیقت معلوم نہ کر سکے تب بھی اس پر عمل کرنا واجب ہے اللہ تعالیٰ اسی روش کو پسند کرتا ہے۔ (الفصل الموہبی)
- ۵۔ جب کوئی حدیث امام کے قول کے مخالف آجائے تو مقلد کو حدیث پر عمل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے افراتفری اور گمراہی لازم آتی ہے۔

مرزائی قادیانی اصول :

- ۱۔ جو شخص حکم ہو کر آیا ہے اس کو اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیروں میں سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول کرے اور جس ذخیرہ کو چاہے خدا سے علم پاکر رد کر دے۔
- ۲۔ علماء و مخالفین کا میری نسبت اور کوئی بھی عذر نہیں بجز اس بے ہودہ عذر کے جو ایک ذخیرہ رطب و یابس حدیثوں کا انہوں نے جمع کر رکھا ہے۔ ان کے ساتھ مجھے ناچنا چاہیے ہیں۔ حالانکہ ان حدیثوں کو میرے ساتھ ناچنا چاہیے ہے۔
- ۳۔ مرزا محمود احمد اپنے والد متین مرزا غلام احمد کے اہام اور احادیث میں موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

حدیث تو بیسیوں راویوں کے پھر سے ہمیں ملی ہے اور الہام براہ راست۔
اس لیے (مرزا کا الہام مقدم ہے) کہ اس لیے کہ وہ رسول اللہ کے قول سے معتبر ہے بلکہ اس لیے کہ اس کے راویوں سے معتبر ہے مسیح و عیسیٰ و عیسیٰ و عیسیٰ
ہم نے سنی ہیں وہ حدیث کی روایت سے معتبر ہیں۔

۴۔ اب کوئی قرآن نہیں سوائے اس قرآن کے جو حضرت مسیح موعود نے پیش کیا اور کوئی حدیث نہیں سوائے اس حدیث کے جو حضرت مسیح موعود کی روشنی میں نظر آئے اور کوئی نبی نہیں سوائے اس کے جو حضرت مسیح موعود کی روشنی میں دکھائی دے اسی طرح رسول اللہ کا وجود اس ذریعہ سے نظر آئے گا کہ حضرت مسیح موعود کی روشنی میں دیکھا جائے گا۔ اگر کوئی آپ سے علیحدہ ہو کر دیکھنا چاہے تو اُسے کچھ نظر نہ آئے گا۔ ایسی صورت میں اگر کوئی قرآن کو بھی دیکھے گا تو وہ بھی یقینی منشاء والا قرآن نہ ہوگا بلکہ یقیناً منشاء والا ہوگا اسی طرح حدیثوں کو اپنے طور پر پڑھیں گے تو وہ مداری کی پٹاری سے زیادہ وقت نہ دیکھیں گی حضرت مسیح موعود فرمایا کرتے تھے:

حدیثوں کی کتابوں کی مثال تو مداری کے پٹارے کی ہے جس طرح مداری جو چاہتا ہے اس سے نکال لیتا ہے اسی طرح ان سے جو چاہو نکال لو گے

(خطبہ جمعہ مورخہ ۵ ۱۹۲۲ء)

حقیقی قادیانی مشترک قدر ہیں :

حنفی : حدیث وہ قابل قبول ہوگی جس پر امام کا عمل ہوگا۔

قادیانی : حدیث وہ قبول ہوگی جو مرزا صاحب کی تصدیق سے ہوگی۔

حنفی : حدیث پر عمل کرنا گمراہی ہے۔

قادیانی : حدیث مداری کی پٹاری ہے۔

حنفی : امام کے قول پر عمل کرنا واجب ہے حدیث کو پھوڑ دینا ضروری ہے۔

قادیانی : حدیث کو مرزا سے ماننا چاہیئے نہ کہ مرزا کو حدیث سے۔

حنفی : حدیث صحت کے اعتبار سے خواہ متواتر ہو لیکن جب تک اس پر امام کا عمل نہیں قابل قبول نہیں۔

قادیانی : حدیث وہی قابل عمل ہوگی جو مرزا صاحب کی روشنی میں نظر آئے۔

حنفی، امام صاحب سے کوئی حدیث مخفی نہیں۔
 قادیانی، حدیث وہ قابل قبول ہوگی جس کو مرزا صاحب نے بیان کیا ہو۔
 حنفی، ہمیں پہلوں کا علم کافی ہے۔

قادیانی، کتاب دستت صرف مرزا کے ذریعہ قابل قبول ہوگی۔
 یہ یقین شیعہ اور حنفی اور قادیانی اور حنفی مذاہب شریک قدریں جن کو ہم نے حوالہ کے ساتھ
 قارئین کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اب انصاف قارئین نے کرنا ہے کہ وہ اسلام کو تقلید کے
 ذریعہ سے پہچاننا چاہتے ہیں یا براہ راست کتاب دستت پر عمل کر کے صحیح اسلام اور اللہ
 اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔



باب ہفتم حقی مذہب

غیر القرون کا زمانہ گزرنے کے ساتھ ہی مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک تو وہی جماعت تھی جو احادیث و آثار صحابہؓ کی امین تھی۔ اس جماعت کو اہل حدیث یا اصحاب الحدیث کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا کیونکہ اس جماعت کے عمل کا دار و مدار کتاب و سنت اور اس کے بعد آثار صحابہ پر تھا۔

دوسرا گروہ جن کے پاس احادیث رسول کا ذخیرہ بہت کم تھا جس کی وجہ سے وہ مسائل کے استنباط میں زیادہ تردد رائے اور قیاس سے کام لیتے تھے۔ ان کو اصحاب الرائے سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

اصحاب الرائے کی حدیث سے کم مائیگی کی وجہ جواز سے دوری اور صحابہ کرام سے کم ملاقات کی تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی انہی وجوہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

لریکن عندہم من الاحادیث والاثار ما یقدرون بہ علی استنباط
الفقہ علی الاصول السنی اختارہا اهل الحدیث

ان کے پاس احادیث اور آثار کا سرمایہ کم تھا۔ اسی بنا پر ان کے استنباط کے
اصول اہلحدیث سے جدا گانہ تھے

حقی اہل الرائے ہیں

اہل الرائے وہی لوگ ہیں جنہوں نے احادیث کی کمی کی وجہ سے رائے اور قیاس کو اصل قرار دے دیا۔ ائمہ محققین نے وضاحت کے ساتھ حنفیوں کو اہل الرائے قرار دیا ہے چنانچہ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں :

اہل الرائے کے پاس حدیث کی قلت تھی اسی لیے انہوں نے قیاس پر زور دیا اور اس میں خوب مہارت حاصل کی اور وہ اہل الرائے کے نام سے ہی مشہور ہوئے۔ اسی گروہ کے مقتدا امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگرد تھے علامہ شہرستانی کی تحقیق

علامہ شہرستانی مورخ اسلام کی حیثیت سے بہت بلند مقام رکھتے ہیں انہوں نے اسلام اور دیگر تمام مذہبوں کے بارے میں کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ آپ نے ایک محقق کی حیثیت سے احناف کو اہل الرائے ثابت کیا ہے۔

اصحاب الرائے وهم اهل العراق هم اصحاب ابی حنیفہ نعمان بن ثابت ومن اصحابہ محمد بن الحسن والولوف سف وزفر والحسن بن زیاد..... انما سموا اصحاب الرائے لان لمن يتهم بتحصيل وجه من القياس والمستنبط من الاحكام وبناء المحاورث عليها ويتبايعتدون القياس الجلی علی احاد الاخبار

اہل الرائے عراق والے ہیں جو ابو حنیفہ اور ان کے شاگرد ہیں۔ ان کو اصحاب الرائے اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مسائل کا حل قیاس سے تلاش کرتے ہیں بعض وقت قیاس جلی کو حدیث جو خبر احاد سے ہو، مقدم سمجھتے ہیں۔ بعینہ مورخ الاحناف مولانا شبلی نعمانی اور محقق حنفی مولانا عبدالحی کھنوی نے حنفیوں کو اہل الرائے تسلیم کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل کا فیصلہ

آپ حنفیوں کے اہل الرائے اور اہل قیاس ہونے کا فیصلہ ان الفاظ میں دیتے ہیں۔ اصحاب الرائے وهم مبتدعة ضلالة اعداء السنة والاثربیطلوت الحدیث ویردون علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویخذون اباحیۃ ومن قال یقولہ اماما ویریتون بدینہم رای ضلالۃ ابن من قال

وَقَدْ قَوْلَ الرَّسُولِ دَاعِيَاهُ (کتاب السنہ ص ۵۵)

اہل الرائے گمراہ اور بدعتی ہیں اور سنت رسول و آثار صحابہ کے دشمن ہیں۔
حدیث کو جھٹلاتے اور اس کا رد کرتے ہیں۔ ابو حنیفہ کے مسلک کو دین بناتے
ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا گمراہی ہو سکتی ہے کہ یہ لوگ حدیث رسول کو ترک
کر کے ابو حنیفہ کے قول پر عمل کرتے ہیں۔

حضرت امام کے اس قول میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں بلکہ جوں جوں زمانہ گزر گیا اہل الرائے میں حدیث
کے انکار کی شدت بڑھتی گئی اور ہمارے معاصرین کو یہ کہنا پڑا کہ حدیث پر عمل کرنا گمراہی اور افتراء کی
کاسبب ہے۔

قرآن میں تحریف

اہل الرائے، رائے اور تقلید کے پیدا کردہ مسائل کی حقانیت ثابت کرنے سے عاجز آجاتے
ہیں تو پھر قرآن کی تحریف جیسا گھناؤنا فعل بھی کرنے سے ذرہ بھر نہیں شرماتے۔ اس سلسلے میں
ہم قارئین کے سامنے قرآن کی تحریف کے نمونے پیش کرتے ہیں:

دیوبندی مذہب کے بانی مولانا محمود الحسن المعروف شیخ الہند تقلید کے جواز کو قرآن کریم
سے پیش کرنے سے عاجز آجاتے ہیں تو بجائے حق کو تسلیم کرنے کے قرآن کریم میں تحریف کی بدترین
مثال قائم کرتے ہیں۔

۱۔ قرآن کریم کی اس آیت فَإِنْ تَنَادَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنِّي
كُنْتُ تُؤْمِرُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (النہ، ۵۱) میں یہ تحریف کرتے ہیں:
فَإِنْ تَنَادَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ وَإِلَى أُولَى الْأُمْرِ مِنْكُمْ
قرآن کریم ہمارے سامنے ہے ہم دنیا بھر کے حنفی مقلدوں کو حلیج کرتے ہیں کہ سارے
قرآن کریم سے یہ الفاظ دُرِّی أُولَى الْأُمْرِ مِنْكُمْ دکھا دو اور منہ مانگا انعام حاصل کر لو۔

۲۔ اسی طرح غالی اور منتقِب مولوی صغیر جالندھری حنفی قرآن کریم کی تحریف کا گھناؤنا
فعل ان الفاظ سے کرتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ قَبْلَ لَہُمْ كَفُّوا اَيْدِيَكُمْ عَنِ

ایمان والو اپنے ہاتھوں کو روک رکھو جب تم نماز پڑھو۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ الفاظ سورۃ نساء کی آیت نمبر ۷ کے تحریف شدہ ہیں۔ اصل آیت یہ ہے۔ اَلَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا اَيْدِيَكُمْ عَنْ صَلَاتِكُمْ هَلْ تَعْلَمُونَ اَنْ تَقُولُوا نَحْنُ نَعْلَمُ مَا نَقُولُ وَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (اے پیغمبر) تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو حکم ہوا اپنے ہاتھ روک رہو (یعنی لڑائی نہ کرو) اور نماز ادا کرتے رہو۔“

اسلام میں بہت سے فانی اور بدعتی فرتے ہوئے۔ ہر گز وہ اور فرقے نے قرآن کی معنوی تحریف کا ارتکاب کیا اور نقلی تحریف سے ہمیشہ بچتے رہے لیکن اخلاف کی کیا بات۔ انہوں نے نقلی اور معنوی دونوں تحریفوں کے قلابے ملا کر رکھ دیئے اور انہوں نے قرآن میں تحریف کی بدعت اور رسم جاری کر دی کہ اگر کسی غیر مسلم نے تحریف کرنی ہو تو وہ ان حنفی علماء سے بلا خوف و خطر استفادہ کرے۔

اخلاف اور موضوع احادیث

جس طرح مشاخرین اخلاف نے قرآن میں تحریف کرنے سے گریز نہ کیا اسی طرح انہوں نے ایسی احادیث وضع کیں جن کا رسول اکرم سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ عینیہ یہ تھا کہ اگر قرآن میں تحریف پر جسارت کی جاسکتی ہے تو پھر حدیث میں ایسی جرات پیدا کیوں نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ایک دو موضوع روایات کی بات نہیں بلکہ شمار موضوع حدیثیں اپنی کتابوں میں سمودی گئیں جن میں ایک مشہور حدیث ابو حنیفہ سراج اُمتیؒ لے وضع کر کے ناحق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لگا دی گئی اور اس طرح کی بناوٹی روایات کا فقہ حنفی کی مشہور کتاب جسے حنفی قرآن کی مانند (مثل) مانتے ہیں، میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

مولانا عبدالحی کھوی حنفی جہنوں نے ہدایہ کا حاشیہ لکھا اور ہدایہ کی احادیث پر تبصرہ ان الفاظ سے فرمایا:

لا يعتمد على الاحاديث المنقولۃ فيها اعتماداً كلياً ولا يعجزم بورداد شوتها
قطعا بمجرد وقوعها فيها فكم من احاديث ذكرت في الكتب المعتمدة وهي غايه

فقہ کی کتابوں میں جو احادیث لکھی ہوئی ہیں ان پر مکمل اعتماد نہیں کیا جاسکتا
کتابوں میں کتنی احادیث لکھی ہوئیں ہیں جو بالکل موضوع اور بناوٹی ہیں۔
مولانا کا یہ فیصلہ گھر کا بھیدی لٹکا ڈھائے کے مترادف ہے۔ مولانا حنفی تھے اور آخر تک
حنفیت پر ہی قائم رہے لیکن اس کے باوجود حق کبھی کبھار زبان و قلم پر آہی جاتا ہے۔
اسی لیے انہوں نے فقہ حنفی کے بہت سے مسائل سے توبہ کر کے اہلحدیث مسلک والے
مسائل پر عمل کیا۔

مولانا کا یہ فیصلہ بالکل حقیقت پر مبنی ہے۔ اگر مزید تحقیق کرنا ہو تو نصب الرایہ ذیلی
حنفی اور درایہ امام ابن حجر کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ فقہ کی کتابوں میں کتنی
جھوٹی حدیثیں موجود ہیں۔

سفید جھوٹ

حنفی حضرات نے قیاسی اور تقلیدی مذہب کو ثابت کرنے کے لیے ہر قسم کے حربے استعمال
کیے حتیٰ کہ جھوٹ سے بھی ذرہ بھر گریز نہ کیا کبھی حضرت خضر علیہ السلام کو حنفی مقلد بنا دیا کبھی
کہہ دیا کہ حضرات امام صاحب کی تقلید عہد صحابہ میں بھی ہوتی تھی یعنی صحابہ کرام آپ کے مقلد
تھے جب اس سے ایک قدم اور آگے بڑھے تو حضرت امام مہدی اور حضرت عیسیٰؑ کو
حنفی مقلد کہنے سے ذرہ بھر سترم و حیا محسوس نہ کی۔ بریلوی مجدد و اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:
بعض اکابر کے قلم سے نکلا کہ وہ (حضرت امام مہدی) حنفی المذہب ہوں گے
بلکہ یہی لفظ معاذ اللہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت صادر ہو گیا۔ حاشا کہ
بنی اللہ کسی امام کی تقلید فرماتے بلکہ وہی ہے کہ ان کے عمل کے مطابق عمل، حنفی
مذہب کی سب سے کامل تر تصویب ہوگی۔ غرض اس زمانہ میں تمام مذہب
ختم ہو جائیں گے اور صرف سائل حنفی باقی رہیں گے۔

ایک اور صاحب اس عبارت کو قدرے تفصیل اور وضاحت سے تحریر فرماتے ہیں۔
حضرت عیسیٰؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ہوں گے اور امام اعظم
ابو حنیفہؒ کا مذہب اختیار کریں گے۔

اس فریب کاری کا انداز ملاحظہ ہو پہلے فرمایا کہ نبی کسی امام کا مقلد نہیں ہوا کرتا اور ساتھ ہی تمام مذاہب کے ختم ہونے کا فتوے دے کر مسائل حنفیہ کو باقی ثابت کیا اور فیصلہ کر دیا کہ حضرت سید علیہ السلام اور امام مہدی حنفی مذاہب پر ہوں گے۔

ان سے کوئی پوچھے یہ تو بتاؤ کہ تمہیں کس دلیل سے علم ہوا کہ تمام اسلامی مذاہب ختم ہو جائیں گے۔ صرف حنفیت باقی رہے گی۔ کیا قرآن و حدیث میں اس کی کوئی دلیل ہے؟ اگر کوئی دلیل نہیں تو یہ دعویٰ ایسے بڑے جھوٹ پر مبنی ہے جو براہ راست اللہ تعالیٰ اور رسول اکرمؐ سے منسوب کیا گیا ہے کیونکہ اس قسم کی خبریں سوائے وحی کے اور طریق سے محال اور ناممکن ہیں۔

اس قسم کے دعویٰ بڑے جھوٹ بولنے میں تو اصحاب تفرقہ کو بھی کوسوں پیچھے چھوڑ جاتے ہیں وہ تو عند الضرورت جھوٹ کو جائز سمجھتے ہیں جبکہ بعض حنفی مقلد بلا ضرورت ایسے جھوٹ بولتے ہیں جن کا انکشاف وحی کے بغیر کبھی ظہور پذیر نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا بڑا جھوٹ مذہبی رنگ میں آپ کو کسی گمراہ سے گمراہ گروہ میں بھی نہیں مل سکے گا۔

حنفی فقہ کی تدوین :

یہ بات تو مسلمہ ہے کہ آئمہ اربعہ میں تین آئمہ نے خود کتابوں کو تصنیف کیا۔ امام مالکؒ نے مؤطا لکھی۔ امام شافعیؒ نے کتاب الام والرسالہ اور امام احمد بن حنبلؒ نے مسند احمد تحریر فرمائی۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ ہی ایسے ہیں جنہوں نے کوئی تالیف و تصنیف کا کام نہ کیا۔ اس بات کا خود اعتراف محقق حنفی مولانا شبلی نعمانی نے ان الفاظ سے کیا ہے :

ہم نے یہی معلوم کیا ہے کہ امام صاحب نے کوئی کتاب تصنیف نہیں فرمائی۔

حنفی مجلس شوریٰ

امام صاحبؒ خود تو کوئی تصنیف نہ فرما سکے ہاں بعد کے اخلاف نے فقہ حنفی کی تدوین و تالیف کو پایہ ثبوت تک پہنچانے کے لیے ایک خیالی مجلس شورائے قائم کی۔ یہ غالباً مجلس چودھویں صدی کے مؤرخ مولانا شبلی نعمانی نے ہندوستان میں بیٹھے بٹھائے تشکیل دی۔ وہ ایسے کہ فرماتے ہیں کہ امام صاحبؒ نے ۱۲۱ھ سے ۱۵۰ھ تک فقہ کی تدوین کے سلسلے میں

ایک مجلس قائم کی تھی جس کے اراکین مندرجہ ذیل تھے،

۱۔ امام محمد، قاضی ابویوسف، امام زفر، یحییٰ بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث وغیرہ ذکات۔

غالباً اس مجلس کے کل نواکین تھے جن میں بعض پر ہم مولانا فیض عالم کا بالاختصار تبصرہ نقل کرتے ہیں۔

۱۔ امام محمد : ان کی پیدائش ۱۳۱ھ اور ۱۳۵ھ کے درمیان بیان کی جاتی ہے۔ گویا کہ اس شوروی کارکن پیدائش سے دس سال قبل شوروی میں شریک ہوتا رہا۔

۲۔ قاضی ابویوسف : ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور آٹھ برس کی عمر میں مجلس میں شامل ہو گئے۔

۳۔ امام طحاوی : ۲۳۸ھ میں پیدا ہوئے اور پیدائش سے ۱۱۴ سال پہلے حنفی فقہ کی تدوین میں شریک ہوئے۔

۴۔ امام زفر : ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور گیارہ برس کی عمر میں اس علمی مجلس کے ممبر بنے۔

ذرا اس مجلس کی بنیاد ترکیبی کو تعقیب اور سند سے دُور ہٹ کر دیکھیے اور انصاف

یکجہ کر جس مجلس کے ممبر کچھ پیدا ہونے سے پہلے اور کچھ دو تین سال کی عمر میں بیٹھ کر

کسی مسئلہ پر بحث کریں گے تو وہ کیسی مجلس اور اس کی مرتب کردہ فقہ کیسی ہوگی؟

تدوین کتب

جس طرح حنفی مجلس شوروی کا حال ہے۔ اسی طرح ان کی کتابوں کی تصنیف کا حال ہے۔

ہمارے ہاں فقہ حنفی کی جتنی کتابیں ہیں سبھی حضرت امام سے تقریباً تین سو سال بغیر

کسی سند کے تالیف ہوئیں۔ ہم ذیل میں ان کتابوں کی تالیف کے مختلف ادوار کا ایک نقشہ

پیش کرتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ ان کتابوں کا حضرت امام سے معمولی کیا فائدہ بھر

تعلق اور واسطہ نہیں۔

نام کتاب	حضرت امام سے کتنا عرصہ بعد لکھی گئی	نام کتاب	حضرت امام سے کتنا عرصہ بعد لکھی گئی
تدوین	تین سو سال بعد	چار سو سال بعد	چار سو سال بعد
قاضی خاں	چار سو سال بعد	پانچ سو سال بعد	پانچ سو سال بعد

طحاوی	چھ سو سال بعد	شرح وقایہ	چھ سو سال بعد
نہایت	چھ سو سال بعد	کنز الدقائق	چھ سو سال بعد
جامع الرموز	چھ سو سال بعد	بزازہ	سات سو سال بعد
فتح القدير	سات سو سال بعد	خلاصہ کیدانی	سات سو سال بعد
پہلی	آٹھ سو سال بعد	بحر الراسی	آٹھ سو سال بعد
تنویر الابصار	آٹھ سو سال بعد	در مختار	نو سو سال بعد
فتاویٰ عالمگیری	ہزار سال بعد		

(ماخوذ از سیل رسول)

ان کتابوں کے تالیف کے زمانوں کو سامنے رکھ کر بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ان کتابوں میں جو کچھ مرقوم ہے وہ ہر اعتبار سے بے بنیاد اور حقیقت سے خالی ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین اور حضرت امام کے زمانہ میں سینکڑوں برس کا فرق ہے اور پھر ان ہزاروں مشمول میں جو بھی ان مذکور کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں کسی ایک مسئلہ کی سند امام تک بیان نہیں کر سکتے۔ جب سینکڑوں سال کا فرق ہے اور سند بھی کوئی نہ ہو تو یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ ان کتابوں کا تعلق حضرت امام کی ذات گرامی اور آپ کے فرمودات سے ہو۔

حنفی اصول کے مطابق اگر کوئی صحیح حدیث جس کا راوی غیر فقہ صحابی ہو، قیاس جلی کے خلاف ہو تو اسے قبول نہیں کیا جاسکے گا کیونکہ ایسی (خبر واحد) کے ذریعہ آئے والی حدیث یقین کا قائلہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس میں ظن ہوتا ہے۔ اگر یہ حضرات کچھ انصاف سے کام لیتے اور اپنے ہی آئینہ میں اپنا منہ دیکھ لیتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ ہم جس ظن کی بنیاد پر حدیث رسول کو رد کرنے کا اسان راستہ اختیار کرتے ہیں وہ راستہ ہی تمہاری کتابوں میں حدیث کے مقابلہ میں ہزارہا درجہ زیادہ ظن کا متحمل ہے کیونکہ حدیث کی سند ہوتی ہے جس کے ذریعہ اس صحیح اور ضعیف ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے تو تمہارے مسئلے جو سرے سے بے سند ہیں وہ کیسے درست ہو سکتے ہیں اور اس جیسا ظن جس کے یقین ہونے کی بالکل امید نہیں دین میں کیسے حجت اور واجب العمل ہو سکتا ہے ؟

سند کا مقام

دین کے ہر مسئلہ میں سند کا ہونا ضروری ہے کیونکہ بغیر سند کے کامل دین بھی تحریف سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ہر شخص اپنی مرضی سے جو چاہے کہتا پھرے گا اور اس سے دین میں خلل اور فساد واقع ہو جائے گا اسی خرابی کو صحابہ کرام اور تابعین نے موقع پر محسوس کر کے اس کا سدباب کر دیا۔

جبر الامت، ترجمان قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی افادیت بیان فرماتے ہیں:

هَذَا دِينٌ فَانظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ وَيَسْكُو لَكُمْ

دین کا علم حاصل کرتے وقت دیکھو تم کس سے طلب کر رہے ہو۔

بالکل یہی الفاظ جامع ترمذی میں امام محمد بن سیرین جو بڑے تابعین سے تھے منقول ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ کے شاگرد رشید امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔

الاسناد عندی من الدین لولا الاسناد لقال من شاء ما شاء

سندین سے ہے اگر سند نہ ہوتی تو جو کوئی چاہتا وہ مرضی سے کہہ دیتا۔

امام ابن القیم اور ان کے ہی الفاظ ملا علی قاری حنفی نے نقل کیے ہیں۔

العلم ما كان فيه قال حدثنا وما سوى ذلك وسواس الشيطان

جس کی سند ہو وہ علم ہے جس میں سند نہیں وہ شیطان کے وسوسے ہیں :

ان عبارات سے سند کی جواہریت واضح ہے وہ کسی سے مخفی نہیں اللہ تعالیٰ نے خبر کی

تحقیق کا حکم دیا ہے، ان جاءكم فاستنبطوا خبره فاستقوا خبره کی تحقیق کرو۔ تحقیق یہی ممکن ہو سکتی ہے جب کہ اس کی سند معلوم ہو۔

اب آپ فقہ حنفی کی کتب کا کمال ملاحظہ فرمائیں کہ کسی کتاب میں سند کا نام تک نہیں

لیکن پھر بھی وہ حرف بحرف درست ہی نہیں بلکہ واجب العمل ہیں۔

فقہ حنفی سے فتوے دینا حرام ہے :

یہ تو واضح اور ظاہر ہو گیا کہ حنفی فقہ کی کتابوں کی کوئی سند نہیں اور ان کے نہ آگے کا علم نہ پیچھے

کا، تو اس قسم کی کتابوں سے فتوے دینا امام ابو یوسف و زفر بلکہ خود حضرات امام کے نزدیک حرام ہے۔

لا یحیل لاحد ان یفتی بقولنا ما لم یعلم من ابن قلنا ۱۔

میرے قول کی دلیل معلوم کیے بغیر فتویٰ دینا حرام ہے۔

ظاہر ہے جب مسئلہ کی سند نہ ہو، قائل بھی معلوم نہ ہو تو اس سے فتویٰ دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ دلیل تو معلوم شئی کا نام ہے۔ مجہول کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

اب یہ حنفی بھائیوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کتابوں سے فتوے دینے سے پہلے ان کی اسناد بیان کریں۔ اگر وہ سد بیان نہیں کر سکتے تو آئمہ احناف کے نزدیک ان کتابوں سے فتوے دینا ممنوع ہی نہیں بلکہ حرام ہے۔

ابو حنیفہ کی برأت

ان کتابوں میں بے شمار اورد غیر سند کے کچھ ہوئے سٹلے جو ناحق طور پر حضرت امام کے نام جڑھ دیئے گئے۔ حضرت امام نے ان تمام سے برأت کا اظہار کیا ہے۔ حافظ امام ابن عبدالبر اورد حافظ الاسلام امام ابن القیم نے اپنی شہرہ آفاق تصانیف میں حضرت امام کے متعلق ایک خواب کا ذکر کیا ہے۔

قال حدثنی جعفر بن حسن اما منا قال رايت ابا حنیفہ فی النزم
فقلت ما فعل الله بک یا ابا حنیفہ قال غفرت لی فقلت له بالعلم قال
ما اضرا الفتیاء علی اهلها فقلت فیم قال یقول الناس فی ما لم یعلم الله
انه منی ۱۔

امام جعفر بن حسینؒ فرماتے ہیں میں نے ابو حنیفہ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیسا سلوک کیا ہے؟ فرمانے لگے اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا ہے۔ میں نے کہا کس وجہ سے؟ فرمانے لگے لوگوں نے جو میری طرف غلط فتوے منسوب کر دیئے ہیں۔

حضرت امام کے اس منامی بیان سے معلوم ہو گیا کہ فقہ حنفی میں جیقدر بلا سند فتوے ہیں ان کا تعلق امام صاحب سے بالکل نہیں۔

مسائل حنفیہ

حنفی مسائل میں انکار حدیث کا ایک سمندر موجزن ہے جو اپنے جوبن میں ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ بہت سی آیات کی مخالفت اور لاتعداد احادیث سے تسخر کتب فقہ کا خاص موضوع ہے۔ محدثین کی عیب جوئی، صحابہ کرام کی توہین اور آئمہ ثلاثہ (امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل) میں کسی کو ابلیس کسی کو بدعتی اور کسی کو غیر فقیہ اور حضرت معاویہؓ جیسے عالم اور فقیہ صحابی کو بدعتی کہنا ان کتابوں کا عام موضوع قلم ہے۔ تبھی تو منام میں حضرت امام نے ان تمام فتوؤں اور قولوں سے رجوع فرمایا۔ **فروحمدا للہ رحمة واسعة** وہ مسائل کیا ہیں یقین جانیے ان کے لکھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ بالامرار تقاضا قبول کرنا پڑا کیونکہ یہ مسائل ایسے ہیں جو حضرت امام ابو حنیفہؒ کی علمی رفعت اور تقویٰ سے کوسول دودید ہیں۔

ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ فقہ حنفی کے سمندر سے ایک چٹو بھر کر قارئین کی نظر کرتے ہیں تاکہ قارئین کو پتہ چل جائے کہ اس فقہ کے دریے کے کتاب و سنت کی کس قدر مخالفت روا رکھی گئی ہے اور حضرت امام کی شان میں کس قدر گستاخیاں کی گئیں۔

قرآن و حدیث

قرآن کی مخالفت

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَإِذْ أَلَمْتُ عَلَيْهِمْ آيَاتِي أَنْ يَقُولُوا إِنَّمَا

(الأنفال)

قرآن کی آیات تلاوت کرنے سے مومنین

کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔

فقہ

۱۔ ایمان میں زیادتی نہیں:

إِيمَانُ أَهْلِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِيمَانُ

الْأَنْبِيَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ وَسَائِرُ الْمُؤْمِنِينَ مِنْ

الْأَبْرَارِ وَالْخَيْرِ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ۔

(شرح فقہ اکبر ص ۱)

انبیاء، اولیاء، نیک، بد، زمین اور

قرآن وحدیث

اس مضمون پر اور بھی آیات اور احادیث ہیں جن سے ایمان میں زیادتی کا ثبوت ہے۔

۲۔ شراب سے وضوء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔
کل مسکرا حرام۔ (بخاری ص ۹۰۴)
ہر نشہ آور حرام ہے۔ حرام شے سے وضوء
کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

فقه
آسمان والوں کا ایمان برابر ہے اس میں
زیادتی اور کمی نہیں ہوتی۔

وان طبع اذنی طبخة یجوز الوضوء به
حلوکان اور مسکرا (قنادی عالمگیری ص ۲۲)
شراب کو معمولی جوش دے کر اس سے
وضوء کرنا جائز ہے خواہ اس میں نشہ ہو
ہو۔

۳۔ گردن کا مسح

شریعت محمدیہ میں اپنی طرف سے زیادتی
ہے۔

وسم الرقبۃ (قدوری ص ۳)

۴۔ دلی سے وضوء نہیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔
من مس ذکرہ فلیتوضأ
(ترمذی ص ۱۳)
جو اپنے آلہ تناسل کو ہاتھ لگائے تو اس
پر وضوء لازم ہے۔

اذا باشر امراته مباشرة فاحشة یجوز
وانتشار ولامات الفرج بالفرج لا وضوء
علیه (عالمگیری ص ۱۳ ج ۱)
خاوند بیوی پر ہتھ شرمگاہیں ملا لیں تو اس
سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔

الضاف سے کام لے کر بتائیے۔
مردہ عورت اور چارپائے سے دلی کرنے
کی اجازت دینا کے کس مہذب مذہب
میں ہے۔

ولا عند دلی میتة او بهیمة او صغیر
مشحاة۔ (در مختار ص ۱۲ ج ۱)
مردہ عورت، چارپائے اور نابالغ بچی
سے دلی کرنے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔

۵۔ دوہری اذان کا انکار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ السلام کی تعلیم؛
انہ علمہ الاذان تسع عشر كلمة (ابوداؤد)
حضرت ابو محذورہ کو آپ نے دوہری اذان
سکھائی۔ (ابوداؤد ۵۱۰۷)

ولا ترجیع فی الاذان۔ (قدوری ص ۱۷)
دوہری اذان جائز نہیں۔

۶۔ اکہری اقامت کا انکار

رسول اللہ کا زمانہ
کان الاذان علی عهد رسول اللہ مرتین
مرتین والاقامة مرة مرة (سنن اربعہ)
آپ کے زمانے میں اقامت اکہری تھی۔

والاقامة مثل الاذان۔ ہدایہ ص ۱۷
اقامت دوہری ہے۔

۷۔ تکبیر اولیٰ میں تبدیلی

شارع علیہ السلام کی سنت
کان اذا افتتح الصلوة کبیر (مسکودہ ص ۷۷)
آپ ہمیشہ نماز اللہ اکبر سے شروع کرتے۔

فان قال بدل التکبیر اللہ اجل او اعظم
اولا اللہ الا اللہ (ہدایہ ص ۸۷)
تکبیر اولیٰ کی بجائے اللہ اجل واعظم یا
لا الہ الا اللہ کہے تو جائز ہے۔

۸۔ فارسی اور انگریزی میں نماز

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق
نماز شعائر اسلام میں سے ہے اس کی اصل
حالت کو بدلنا گویا اسلام کو بدلنا ہے۔
بہت سے صحابہ عربی نہ تھے لیکن آپ نے
کسی کو ان کی علاقائی زبان میں نماز پڑھنے
کی اجازت نہ دی۔

ان افتتح الصلوة بالفارسیة وهما
العربیة اجزاء وكذا فی الترتیبة
زنجیة وغير ذلك (نافعی ص ۶۹)
فارسی، انگریزی، حبشی، ترکی زبان میں
عربی کے ماہر کے لیے بھی نماز جائز ہے۔

۹۔ سینے پر ہاتھ باندھنے سے انکار

رسول العالمین کی سنت
ومع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری علی صدرہ
صحیح ابن خزيمة ۲۲۲

ويعتمد بید، الیمنی علی الیسری تحت التره
ہدایہ ص ۸۷

آپ نے نماز میں سینے پر ہاتھ باندھے۔
مسجد نبوی میں آمین کی گونج

کان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قال
غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال
آمين حتى يسمع اهل الصف الاول فيجتمع بها
المسجد (ابن ماجه ۹۲)

جب آپ آمین کہتے تو پہلی صف والے
سن لیتے پھر مسجد میں آمین کی آواز گونج اُٹھتی
آمین بلند آواز سے کہنے کی بہت سی ادبھی
صحیح احادیث ہیں۔

ہادی دو جہاں کا حکم

لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب
(بخاری ۵۰۳۱)

فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں۔

متواتر عمل

رفع یدین کرنے کی تقریباً ۱۰۰ احادیث
مروی ہیں۔ محقق حنفی علماء نے رفع یدین
کی احادیث کو متواتر کے درجے میں شمار کیا
ہے۔

رسول الله صلى الله عليه وسلم كطريقة
كان يختم الصلوة بالتسليم

(صحیح مسلم ۱۹۵)

نماز میں یدیناٹ ہاتھ باندھے۔

۱۰۔ آمین بالجہر کا انکار

واذا قال الامام ولا الضالين قال امين
يقولها المومئ ويخفيها - (قدردی ۲۵)

جب امام والضاہین کہے تو مقتدی بھی
آمین کہے لیکن اس کو پوشیدہ رکھے۔

۱۱۔ فاتحہ کا انکار

لا يقرء المومئ بل يسمع وينصت

شرح وقایہ ۴۹۴

مقتدی امام کے پیچھے خاموش کھڑا ہے
اور فاتحہ نہ پڑھے۔

۱۲۔ رفع یدین کا انکار

دلو کبر ولم يرفع يديه حتى فرغ من التكبير
لعزيمات به (عالمگیری ۴۳)

اگر تکبیر اولی کے ساتھ بھی رفع یدین نہ کرے
تو کوئی عجز نہیں۔

۱۳۔ گونزے سلام پھیرنا

وان تعمد المحدث في هذه الحالة تمت
صلوته - (قدردی ۲۹)

دان تعمد المحدث فی هذه الحالة تمت
صلوته۔

اگر نمازی تشہد میں جان بوجھ کر گونہ مار تو نماز پوری ہو جائے گی۔

آپ ہمیشہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ سے نماز ختم کرتے۔ یہ حنفیت کو شرف ہے کہ ان کا گونہ مارنا بھی سلام کے برابر ہے۔

۱۴۔ امامت کی شرطیں اسلام میں زیادتی۔

شعرا للاحسن وجہا شعرا لاشرف نسباً
شعرا لانظف ثوباً شعرا لاحسن زوجۃ
شعرا لاکبر دُناً والاصغر عفتاً (در مختار ۳)
امامت کی شرائط میں یہ بھی ہیں کہ خوبصورت ہو، اچھے نسب والا ہو، اچھے لباس اور اچھی بیوی والا ہو پھر بڑے سروالا اور چھوٹے آلہ تناسل والا ہو۔

یہ تمام شرائط اسلام میں اضافی ہیں۔
احناف کو ان تمام صفات کو پانے کے لیے پیغام رکھنا چاہیئے۔

۱۵۔ نابینا امام نہیں بن سکتا۔ رسول اللہ کا نائب نابینا امام

وکرہ امامۃ الاعلیٰ (کنز الدقائق ۱۷۱)
نابینا کی امامت مکروہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں
ابن ام مکتوم نابینا امامت کراتا تھا۔

۱۶۔ مسجد میں نماز جنازہ جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

لا یصلی علی میت فی مسجد جماعتہ
(ہایہ من۱۶)

ماصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی
سہیل بن میضاء الا فی جوف المسجد
(نشان ۲۵۹)

نماز جنازہ جامع مسجد میں جائز نہیں۔

آپ نے حضرت سہیل کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی۔

۱۷۔ نماز جنازہ میں فاتحہ کا الکار۔ رسول مقبول کا نماز جنازہ میں فاتحہ کا پڑھنا

قراء ابن عباس بفاتحة الكتاب وقال تعلما
انها سنة۔ (بخاری ص ۱۷۹)
ابن عباس فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں فاتحہ
پڑھنی سنت ہے۔

ولا قراءة فيها (در مختار ص ۱۷۹) ولا يقرأ
بفاتحة الكتاب
جنازہ میں فاتحہ جائز نہیں۔

۱۸۔ ایک اور پہنچ و ترویل سے انکار

من احب ان يوتر بخمس فليفعل ومن احب
ان يوتر بثلاث فليفعل ومن احب ان يوتر
بواحدة فليفعل۔ (الروافد ص ۲۰۱)
جو چاہے کہ وہ پانچ یا تین یا ایک وتر پڑھے
وہ پڑھ لے یعنی ایک اور پانچ کی بھی
اجازت ہے۔

الوتر واجب وهو ثلاث ركعات
(کنز الدقائق ص ۵۳)
وتر واجب ہے اور وہ صرف تین رکعت
ہے۔
وتر واجب نہیں، سنت موکدہ ہے احتیاطاً
جس طریقہ سے وتر پڑھتے ہیں کہ دو رکعت
پڑھ کر بیٹھا جلے سنت کے خلاف ہے

۱۹۔ دیہات میں جمعہ نہیں

اسلام میں مسجد نبوی کے بعد دوسری جگہ جمعہ
کا انعقاد بحرین کی ایک بستی میں ہوا۔
(بخاری ص ۱۲۲)
قرآن میں دیہات اور شہر کا کہیں فرق نہیں
آیا۔

لا تقم الجمعة الا في مصرحاً م۔ ولا
في المنى (ام مشاء)
نماز جمعہ صرف شہر کی جامع مسجد میں ہے
اور منیٰ میں بھی نہیں۔
فقہ کے اس مسئلہ پر آج کسی حنفی کا عمل نہیں

رحمت للعالمین کا نماز استسقاء پڑھانا
ملی بہم رکعتیں جہر فیہا بالقرآن۔

۲۰۔ بارش کے لیے نماز جائز نہیں
لیس فی الاستسقاء صلوة مسؤنة فی جماعت
(ہدایہ ص ۵۹)

(بخاری، مسلم ص ۲۹۳)
آپ نے بارش طلب کرنے کے لیے صحابہ
کو دو رکعت نماز پڑھائی

بارش کی باجماعت نماز جائز نہیں

۲۱۔ صدقہ فطر میں چھوٹ۔ رسول اللہ کا اعلان

صدقۃ الفطر واجبۃ علی المرء المسلم اذا کان مالکاً بمقدار الفصا ب۔ (قدوری منہ)
صدقہ فطر صاحب نصاب یعنی جس پر زکوٰۃ واجب ہے اس پر واجب ہے۔
آیت نے مکہ میں اعلان کرایا کہ صدقہ فطر ہر مسلمان، مرد، عورت اور بچے پر فرض ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۶)
احناف کی شرط دین میں اضافہ ہے۔

۲۲۔ حنفی روزہ

لومست المرأة زجها حتى انزل و ان مس فرج بهيمة فانزل واجاب بهيمة او ميتة او جامع فی مادون الفرج ولو لم ينزل لایفسد صومه
رسول اکرم نے ایک جوان آدمی کو بیوی کا بوسہ لینے سے منع کیا تاکہ انتشار کی وجہ سے انزال نہ ہو جائے۔
یہ تو فقہ حنفی کی کرامت ہے کہ اگر روزہ دار مردہ عورت سے وطی کر لے اور چار پاے کو بھی اپنا طلع بنالے تو اس کا روزہ جوں کا توں رہے گا کیونکہ ان کے نزدیک انبیاء اور فاجر دونوں کا ایمان برابر ہے۔
لو مست المرأة زجها حتى انزل و ان مس فرج بهيمة فانزل واجاب بهيمة او ميتة او جامع فی مادون الفرج ولو لم ينزل لایفسد صومه
اگر بیوی خاوند کو چھیڑ چھاڑ کرے اور انزال ہو جائے یا چار پاے اور مردہ عورت سے وطی کرے یا فرج کے علاوہ کسی اور جگہ میں وطی کرے اور انزال نہ ہو تو ان تمام صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

۲۳۔ مدینہ حرم نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان

لا حرم للمدينة عندنا (در مختار ص ۱۱)
۱۔ المدینۃ حرم۔ (بخاری)
۲۔ انی احرم ما بین لابنتی المدینہ۔
۳۔ ان ابراہیم حرم مکۃ و انی احرم ما بین لابنتھا۔ (بخاری)
مدینہ مکہ کی طرح حرم ہے۔
مدینہ ہمارے (احناف) نزدیک حرم نہیں۔

۲۴۔ ولی کی ضرورت نہیں۔ اسلامی نکاح

لا ینعقد نکاح المرأة الحرة البالغة (البدایہ ص ۲۸۴)
لا نکاح الا بولی

وان نکحت نکاحها باطل (۱۹۹ م ۱)
ولی کے بغیر نکاح جائز نہیں، ایسا نکاح
باطل ہے۔

العاقلة برضاها وان لم ينقدها عليها
ولی عندانی حقیقہ (۱۵۹ م)
بالعاقلة کتواری بغیر ولی کے نکاح کر سکتی
ہے۔

مقدس رشتہ
نکاح مقدس رشتہ ہے۔ سور اور شراب
دونوں قرآن کی رو سے حرام ہیں حرام سے
مقدس رشتہ جائز کیسے ہو سکتا ہے۔

۲۵۔ ہر میں خنزیر اور شراب دینا۔ ہم
وفهم النکاح بغيره وخنزير (شرح ذیاب)
سور اور شراب حتی ہر میں دینا جائز ہے

قرآن کی مخالفت
وَالَّذَاتُ يَرْضَعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ
كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يَتِمَّ الرَّضَاعَةَ
دودھ کی مکمل مدت دو سال ہے۔

۲۶۔ دودھ کی مدت
مدة الرضاعة ثلاثون شهرا۔
(ہدایہ ص ۳۳)

اسلامی حکم کی نافرمانی
۱۔ لاشعار فی الاسلام (مسلم ص ۵۲)
نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن
الشغار (مسلم ص ۵۲) (ابوداؤد)
بٹے کا نکاح جائز نہیں۔
اس نکاح کے بہت سے مفاسد بیان کیے
گئے ہیں جن سے کئی گھرنے تباہی کا لقمہ بن
جاتے ہیں۔

دودھ کی مدت اڑھائی سال ہے۔
۲۷۔ بٹے کا نکاح
واذا زوج الرجل ابنته علی ان یزوجه
المزوجة بنته اذ اخته لیکون احد العقدین
عوضا عند الاحرف العقدان جائزان و
لکن منہما ہر مثلہا (ہدایہ ص ۱۳۱ اؤل)
بٹے کا نکاح جائز ہے۔

حلالہ کرنے والے پر لعنت
لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المحلل
والحلال لہ (مشکوٰۃ ص ۲۸)

۲۸۔ حلالہ
وکبرۃ النکاح بشروط التحلیل وتحلل الاد
(شرح ذیاب ص ۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے اور جس کے لیے کیا گیا ہے دونوں پر لعنت بھیجی ہے۔
غیرت مند حنیفوں سے انصاف کی اپیل ہے

وعن محمد بن النکاح بشرط التحلیل
حاشیہ شرح وقایہ ص ۱۱۸
حلالہ کی شرط سے نکاح مکروہ ہے لیکن بیوی پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی۔
امام محمد کے نزدیک حلالہ کی شرط سے نکاح کرنا صحیح ہے۔

حلالہ کی تعریف یہ ہے کہ ایک خاوند بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو وہ عورت کسی اور سے اس شرط پر نکاح کرے کہ ایک جماع کے بعد طلاق دینا ہوگی۔ وہ دوسرا خاوند ایک جماع کر کے اسے طلاق دے تو پھر وہ پہلے خاوند کے لیے جائز ہوگی۔ (محمدیجی) ۲۹۔ حرام چیز کی بیع

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ثمن الکلب (ترمذی بخاری)
آپ نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا۔ دوسری جگہ تمام درندوں کی قیمت سے احادیث رسول سے بغاوت

بجوز بیع الحیات والکلب وسباع الوحش والقردة۔
عالمگیری ص ۱۱۴
سانپ بندر کتا اور وحشی درندوں کی بیع جائز ہے۔

۳۰۔ شراب کا پینا

کل مسکوح حرام۔ (بخاری ص ۹۰۴)
ہر نشہ آور حرام ہے۔
ما اسکو کثیرۃ فقلیلہ حرام (ابوداؤد ص ۵۱۸)
نشہ کم ہو یا زیادہ وہ حرام ہے۔
قارین آپ حیران ہوں گے کہ آخر اسلام کے اس حکم کی اس قدر دل کھول کر کیوں مخالفت کی گئی تو اس کی بڑی وجہ یہ ہے

اذا شرب تسعة اذاح من نبیذ التمر فادجر العاشر فسكر بعد ، واما الا شرية المتخذة من السعیر والذرة او التفاح فانه يجوز شربه دون السكر وقال لا یجد نیمالیس من آل الخمر وهو التمر والعنب کما لا یجد من ولین الرواک (عالمگیری ص ۱۱۴)

کیہ مذہب ہمیشہ حکومت و سنت سے وابستہ رہا۔ جیسی حکمران ان سے توقع رکھتے اسی طرح یہ بھی ان کی توقعات پر پورے اترتے۔

اگر کوئی نو پیالے کھجور کی بنیڈ کے پی جائے اور دسویں پیالے سے نشہ آجائے تو اس پر حد نہیں۔

جو پھینا، سیب اور شہد سے بنائی گئی شرابوں کا مینا جائز ہے جب کہ ان میں بے ہوشی نہ ہو۔

کھجور اور انگور کے علاوہ باقی شرابوں پر حد نہیں۔

بادشاہ پر کسی قسم کی حد قائم نہیں ہو ہو سکتی وہ خواہ زنا کرے یا چوری کرے

عالمگیری ۱۵۱

قرآن کا فیصلہ

النَّارِ وَالسَّارِقِ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا

چور مرد و ہوا عورت

دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔

۳۱۔ چوری کی حد معاف

ولا قطع علی نباش (تدریسی ۲۵)

کفن چور پر حد نہیں۔ اسی صفحہ پر یہ ہے نقب زنی کر کے باہر کھڑے آدمی کو مال پکڑانے والے پر حد نہیں۔

قرآن کا فیصلہ

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً

یہ قرآن و حدیث کے صریح فیصلے کی مخالفت

ہے جس پر لفظ زانی بولا جائے اسے سو

کوڑے مارے جائیں گے یا اسے عساکر کیا

جائے گا۔

۳۲۔ زنا کی حد معاف

استاجرا مراً - من زانی دار الحرب

دولت مسلمانہ - اذا ذنی صبی او

مجنون با مراً عاقلہ و اذا ذنی بصیة

دولت مسلمانہ نفسہا من النائم۔ رجل زنا

با مراً میثتہ و و طی اجنبیة فیما دون

العزج (عالمگیری ۱۵۱)

مندرجہ ذیل زنانہ کی قسموں پر حد نہیں،
 کر اسے کی عورت سے، دارالحرب میں زنا کرنا
 مسلمان عورت کسی غیر مسلم کو اپنے نفس کا اختیار
 دے دے، سوئے ہوئے سے زنا کرنا،
 پاگل اور نابالغ کا زنا کرنا، مردہ عورت سے
 زنا کرنا اور کسی اجنبی عورت سے فرج کے علاوہ
 زنا کرنا۔

۳۳۔ محرمات سے نکاح کر کے وطی کرنا — قرآن کی مخالفت

محرمات میں ماں، بہن، بیٹی، سہیلی شامل ہیں
 یہ حقیقت کی کارفرمایاں ہیں کہ اس فقہ میں
 ماں اور بیٹی سے بھی نکاح کرنے پر حد نہیں۔
 قرآن میں یہ قطعاً حرام ہے۔

ومن تزوج امة لہ نکاحھا وطلھا
 لا یجوز علیہ الحد۔ (ہدایہ ص ۹۹)
 اگر آدمی محرمات سے نکاح کر کے وطی بھی کر لے
 تو اس پر حد نہیں۔

۳۴۔ اغلام بازی و بھیمہ بازی — عدالت مصطفوی کا فیصلہ

من عمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل و
 المفعول بہ وکذا حکموا علی البہیمہ۔

(ابوداؤد ص ۹۱۳)

اغلام بازی کرنے والے و دونوں کو، اسی طرح
 چارہ پائے سے وطی کرنے والے اور چارہ پا
 دونوں کو قتل کر دو۔

من عمل عمل قوم لوط فلاحد علیہ
 (ہدایہ ص ۹۹)

اغلام بازی اور چارہ پائے سے وطی کرنے
 والے پر حد نہیں۔

۳۵۔ حرام جانور ذبح سے خیال ہو جائے ہیں — جو حرام ہیں وہ ابدی حرام ہیں۔

حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل ذی
 ناب من السباع وکذا کل ذی مخلب
 من الطیر (ابوداؤد، ابن ماجہ ص ۲۴)

وکل ذی لیسطہ لحمہ (ہدایہ ص ۱۲)
 واذ ذبح کلہ وباع لحمہ جاز وکذا یجوز
 بیع لحمہ السباع و الحمر الذابحة و الخفا

والبوم، والغراب والحيات۔ يجوز اكلهن

(عائلیگی ص ۲۹۰)

حرام جانور ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت پاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کتے، گدے اور درندوں کو ذبح کر کے گوشت فروخت کرنا جائز ہے۔

چمکاؤ، اُتو، کڑا اور سانپ کھانے بھی جائز ہیں۔

کچل والے درندے اور بچے والے پرندے حرام ہیں۔

کوئی ایسی آیت یا حدیث نہیں جس سے معلوم ہو کہ امت محمدیہ میں حرام شدہ چیزیں ذبح کرنے سے حلال ہو جاتی ہیں۔

قرآن کی بھرتی

لَا يَسْتَحِلُّ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ۔

قرآن کو صرف پاک چھوئیں۔

جب قرآن کو پلید ہاتھ نہیں لگایا جاسکتا تو اس سے بڑھ کر قرآن کی بے حرمتی کیا ہو سکتی ہے کہ اسے پیشاب سے کھاجائے۔

۳۴۔ قرآن کو پیشاب سے لکھنا

ولورعت فكتب القاتحة بالدم على جهة

وانفه جاز لا يستشفاء وبالبول ايضاً

نكسر والا اگر پیشانی پر پیشاب سے فاحشہ لکھ لے تو جائز ہے۔ (دش می ۱۵۳)

حنفی مذاہب

سابقہ صفحات میں آپ نے حنفی فقہ کا لعاب اور نچوڑ تو ملاحظہ فرمایا ہے۔ اب ہم آپ کے سامنے حنفی نماز کی تصویر رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ تصویر علامہ مدینیؒ نے اپنی مشہور کتاب کتاب حیاۃ الخیران الکبریٰ میں تاملی مقالہ کے بیان سے کھینچی ہے۔

محمود غزنوی حنفی مذہب کا پیرو تھا لیکن اسے حدیث سننے کا ہمیشہ شوق رہتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے بہت سے اکابر علماء کی مجلس کا انعقاد کیا تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس مذہب کی نماز سنت نبوی کے موافق ہے۔

نماز کی ادائیگی کے لیے اس وقت کے سب سے بڑے عالم تاملی مقالہ مروزی کا انتخاب

ہوا۔ قاضی موصوف نے جو حنفی نماز ادا کی وہ حسب ذیل ہے۔

قاضی موصوف نے کتے کی زنگی ہوتی کھال منگائی اور اس کا کچھ حصہ نجاست سے آلود کر کے پہن لی۔ صاف پانی کے بجائے بمیذ سے بلانیت اور بغیر بسم اللہ پڑھے، بلا ترتیب و منوکیا۔ اور قبلہ رخ کھڑے ہو کر اللہ اکبر کی بجائے فارسی میں خدا سے بزرگ تر است کہہ کر ہاتھ باندھ لیے اور بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے قرآن کی اس آیت ”مذھابن“ کا فارسی میں ترجمہ کہہ کر رکوع کیا اور جاتے اٹھتے تین تسبیح کہتے ہوئے بغیر سیدھے کھڑے ہونے کے سجدے میں چلے گئے اور بغیر اطمینان کے دوسرا سجدہ ایسے کیا جیسے کوٹا ٹھونگے مارتا ہے۔ اور تشہید میں بغیر درود شریف کے سلام کی جگہ گوز مارا اور نماز سے باہر ہو گئے اور کہنے لگے:

بادشاہ ایہ حنفی نماز ہے۔

ایسی نماز دیکھ کر بادشاہ غصے میں آگیا اور کہنے لگا۔

ایسی نماز کون پڑھ سکتا ہے؟

قاضی فرماتے گئے۔ بادشاہ! فقہ حنفی کی مستند کتابیں منگائیے۔

کتابیں منگائی گئیں تو قاضی موصوف نے من و عن اس نماز کے طریقے کو اخاف کی کتابوں سے ثابت کر دیا۔

اسی وقت سلطان محمود غزنویؒ نے حنفیت سے توبہ کر لی۔

(ماخوذ از حقیقۃ الفقہ)

حنفی ہونے پر ندامت

امام دیوبند حضرت الزر شاہ کاشمیری نے فقہ حنفی کے اس قسم کے مسائل کی حقیقت کو زندگی کے آخری حصہ میں معلوم کر لیا اور عمر رفتہ پر تأسف اور افسوس کا اظہار ان الفاظ سے کیا۔

حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ قادیان کے سالانہ جلسے میں سید محمد الوند شاہ اندھیرے میں بوقت فجر سر پکڑے بیٹھے تھے۔ میں نے پوچھا۔ حضرت مزاج کیسا ہے ؟ فرمایا ٹھیک ہی ہے میاں۔ کیا پوچھتے ہو عرضائع ہو چکی میں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ہماری عمر اور ہماری کدو کاوشس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں اور دوسرے آئمہ پر آپ کی ترجیح ثابت کریں۔ اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر بربادی لے عبارت مذکورہ کو اگر سرسری نظر سے بھی دیکھا جائے تو یہ واضح ہو جائے گا کہ اکابر دیوبند بطور مقلد اپنی گذشتہ عمر کی بربادی پر انہماک تاسف کرتے ہوئے مقلدین کے لیے ایک واضح راہ متعین کر رہے ہیں کہ وہ اپنی عمر عزیز کو تقلید کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ضائع کرنے کی بجائے کتاب و سنت کی بنیاد پر پاشیوں سے منور کر کے اپنی تجارت اخروی کا سلا پیداکریں۔

دعا گو، محمد یحییٰ گوندلوی



مؤلف مقلدین کی دیگر مطبوعہ تصنیفات

عقیدہ اہل بیت

۲۔ زمین باجھہ

۱۔ دین تصوف

۳۔ مقلدین ائمہ کی عدالت میں

۵۔ جہاں پر مسیح (مقلد)

۴۔ مطرۃ السحابہ نقوی شید

۶۔ موضوع و آیات تاریخ و اسباب (مقلد)

۷۔ حزب شید علی اہل قلب

۸۔ داستان حنفیہ

MUQALLIDIN

AIMAH KE ADALAT MEIN

دورِ حاضر میں آپ کو تلاش ایک ایسے دوست کی
جس پر آپ بھروسہ کر سکیں۔ سوال یہ کہ کیا آپ کو ایسا
دوست مل سکتا ہے؟ بالکل آپ کو قابلِ اعتماد دوست
مل سکتا ہے جو آپ کی رہنمائی کر سکے۔ آپ ان کتب کو اپنا
دوست بنائیں جو قرآن و سنت کے مطابق ہوں۔ چھٹی مُستند
کتا ہیں ہی آدمی کی سچی دوست ہو سکتی ہیں۔
قرآن و سنت کی تعلیمات پر مبنی تبلیغی و اصلاحی لٹریچر
کتب، علمائے اہل حدیث کی تقاریر کے کیسٹ اور ہر قسم کی
عمدہ طباعت کے لئے آپ ہم سے رابطہ قائم کریں۔ ہم آپ
کی خدمت کے لئے تیار ہیں۔

WAHEED PUBLICATIONS